

حضرت شیخ الحدیث  
مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

مکتبہ اسلام

# حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

یعنی عصر حاضر کے جلیل القدر عالم، محدث، مربی، اور مرشدِ روحانی  
حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوریؒ کے سوانح حیات، علمی و عملی  
کمالات، اودان کی دینی، اصلاحی، تربیتی خدمات کا مفصل تعارف  
وجہاً تذکرہ

از

مولانا ابوالحسن علی ندوی

(جماعتیون بحثن ناشر محفوظ)

## بار سوم

ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ — جون ۲۰۰۳ء

کتابت \_\_\_\_\_ ظہیر احمد کاکوری  
 طباعت \_\_\_\_\_ کاکوری آف سیٹ پریس لکھنؤ  
 صفحات علاوہ اندکس \_\_\_\_\_ ۲۹۴  
 قیمت \_\_\_\_\_ ۹۰/-

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طالب و ناشر

مکتبہ اسلام ۳۷ گولڈن روڈ لکھنؤ

# فہرستِ عناوین

”حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری“

کتاب کے مطالعہ سے پہلے	۹	جذبہ بزرگوار مولانا محمد اسماعیل اور ان کے
باب اول		صاحبزادگان
خاندان جذبہ بزرگوار مولانا محمد اسماعیل صاحب		مولانا کے صاحبزادے
ان کے صاحبزادگان ۱۸-۲۸		مولانا محمد صاحب
شرفاء بھجنچھادوکا ندھلہ	۱۸	مولانا محمد ایاس صاحب
مولانا حکیم محمد اشرف صاحب	۲۱	حضرت شیخ کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب
کاندھلہ سے تعلق	۲۵	مولانا محمد یحییٰ صاحب کے کچھ حالات اور
مولانا شیخ الاسلام	۲۶	خصوصیتاً حضرت شیخ الحدیث کی زبان
مفتی الہی بخش صاحب	۲۷	باب دوم
حضرت سید احمد شہید سے تعلق اور ان کی تحریک		پیدائش سے فراغتِ علمی تک ۲۹-۶۵
سے وابستگی	۲۸	ولادت و طفولیت
مولانا محمد ساجد بھجنچھانوی	۳۲	تعلیم کا آغاز
مولانا محمد صابر اور مولانا محمد صطفیٰ شہید		سہارنپور کا قیام اور عربی تعلیم کا آغاز
اور ان کی اولاد	۳۳	درسیات کی تکمیل



۸۴	اجازت و رخصت	۵۸	تعلیم میں انہماک و کیسوی
	<b>باب چہارم</b>	۶۰	ہدایت کا آغاز
	سہارنپور کا مستقل قیام، تدریس و تصنیف	۶۱	دورہ ہدایت
	ارشاد و تربیت، حج کے اسفار اور چند اہم	۶۱	حضرت سہارنپوری سے بیعت
	واقعات ۸۷-۱۲۱	۶۲	مولانا محمد حنیف صفا کی وفات پر شیخ کی بلند ہمتی
۸۷	حجاز سے واپسی اور سہارنپور کے شغل	۶۳	طالب سے زیادہ مطلوب
۹۰	تیسرا حج	۶۴	بذلل الجہود کی تالیف میں اعانت و شرکت
۹۵	چوتھا حج		<b>باب سوم</b>
۱۰۰	شیخ کے مولات و نظام الاوقات		تدریس و تصنیف، چند نازک امتحانات و اجازت
	نزول الباء کی شکایت اور علی گڑھ کا		ونکس ۶۶-۸۶
۱۰۵	قیام	۶۶	تدریس پر تقرر
۱۰۷	تدریس سے مزدوری		بذلل الجہود کے کام کا انہماک اور حضرت
۱۰۸	پانچواں اور چھٹا سفر حجاز	۶۷	سہارنپوری کی خصوصی شفقت و اعتماد
۱۱۰	اندرون ملک کے چند اہم اسفار	۷۰	عقد نکاح
۱۱۳	حوادث و سوانح	۷۲	عقد ثانی
۱۱۹	سہارنپور کے مخلص و مخصوص خدام	۷۲	پہلا حج
	<b>باب پنجم</b>	۷۴	شیخ کے منشا کی تکمیل میں سی و جانفشانی
	حضرت شیخ کی زندگی میں رمضان المبارک کا	۷۵	چند نازک امتحان اور توفیق الہی
	اہتمام و مولات اور اس کے غیر معمولی اجتماعات	۸۳	دوسرا سفر حج، حضرت کی رفاقت اور مدد کی خواہش کا معاملہ
	۱۲۲-۱۳۸		

۱۵۴	انگلستان کا پہلا سفر	۱۲۲	ماورقین و صالحین کے یہاں رمضان کا استقبال و اہتمام
۱۵۷	جنوبی افریقہ کا تاریخی رمضان	۱۲۵	مولانا مدنیؒ اور رمضان کا اہتمام
۱۶۳	انگلینڈ کا دوسرا سفر	۱۲۶	رائے پور اور دوسرے مقامات کا رمضان
<b>باب ہشتم</b>		حضرت شیخ اور رمضان المبارک کا اہتمام	
علامت کا تسلسل و وفات حسرت آیات		۱۲۷	والہرام
۱۶۶-۱۹۲		۱۲۹	رمضان المبارک کا نظام الاوقات
۱۶۶	طویل علالت اور سفر ہندوستان	۱۳۷	ایک پُر اثر حسب حال نظم
۱۶۸	مدینہ طیبہ واپسی	۱۳۷	وداع رمضان (نظم)
۱۶۸	آخری ملاقات	<b>باب ہشتم</b>	
۱۶۹	ایک یادگار تعزیتی مکتوب	مدینہ طیبہ کا مستقل قیام، طیبہ کے سین و نہار،	
۱۷۵	علامت کا اشتداد اور زندگی کے آخری ایام	ہندوستان کے چند سفر اور رمضان المبارک	
۱۷۵	خبر صاعقہ اثر	۱۳۹-۱۵۳	
۱۷۶	آخری ایام و ساعات	۱۳۹	آخری سفر حجاز اور مستقل قیام
۱۸۳	ایک مرثیہ کے چند اشعار	۱۴۱	مدینہ کا نظام الاوقات
۱۸۴	حلیہ اور پسندگان	۱۴۲	جہان کے مخصوص مجاہدین و خدام
۱۹۱	مولوی محمد طلحہ صاحب	۱۴۷	ہندوستان و پاکستان کے سفر
<b>باب نہم</b>		<b>باب ہفتم</b>	
خداداد کمالات، یگانہ مزاجی، وطنی خصوصیات		انگلستان اور جنوبی افریقہ کے یادگار دعوتی و تربیتی	
۱۹۳-۲۴۰		سفر ۱۵۴-۱۶۵	

۲۳۷	شرعی و ادبی ذوق	۱۹۳	چند اہم خصوصیات و کمالات
	باب دہم	۱۹۳	علویٰ استفادہ و علویٰ ہمت
	تصنیفات و رسائل پر ایک تبصرہ	۱۹۸	جامعیت
	۲۵۴-۲۴۱		سوز و گداز و محبت اور خود انکاری و
	تصنیفی ذوق اور اہم علمی و تحقیقی	۱۹۹	تواضع
۲۴۱	تصنیفات		دینی حمیت اور مسلک صحیح کی حفاظت
۲۴۶	تاریخی اور تحقیقی ذوق	۲۰۸	کا اہتمام
۲۵۰	فضائل و حکایات کے رسائل		ذکر و روحانیت اور وقت کے مسلم
۲۵۳	شیخ کی تصنیفی جامعیت	۲۱۵	مشائخ اور اہل الشریک طرت توجہ دہانی
	باب یازدہم		دینی کوششوں اور علمی کاموں کی تعدادی
	ارشادات و اقادات	۲۱۷	و ہمت افزائی اور علمی ذوق
۲۵۱	چند ملفوظات	۲۲۲	اصابت رائے و دینی دوراندیشی
۲۵۶	تصون کی حقیقت و ملفوظوں میں	۲۲۳	اکرام ضیف
۲۵۷	وقت کی قدر کی جائے	۲۲۶	مدرس دینیہ سے گہرا تعلق
۲۵۷	عبودیت و اطاعت کا ثمرہ		اپنے اسات و مشائخ کے ساتھ وفاتھاگاہ
	حیوانی معاصی سے شیطانی معاصی		اور خدام و احباب کے ساتھ محبت و
۲۵۸	زیادہ خطرناک	۲۲۹	فکر گزاری کا تعلق
	بزرگوں کی ابتدا (دورِ مجاہدہ) کو	۲۳۲	شفقت و تعلق
۲۵۹	دیکھنا چاہئے	۲۳۴	انقطاع و تعلق اور کیوں کی فطری رجحان اور جذبہ

۲۷۳	حج فنائیت اور عشق کا دلآویز منظر	۲۵۹	مجاہدہ و قربانی ترقی روحانی کی شرط ہے
۲۷۸	مقام صحابہؓ	۲۵۹	انظار و حقیقت میں فرق
	اختلاف صحابہؓ کے اسباب اور اس کی	۲۶۰	افراط و تفریط سے اجتناب
۲۸۰	ضرورت و افادیت	۲۶۰	ذکر الہی میں فتنوں سے حفاظت ہے
۲۸۳	اخلاقات صحابہؓ کے مفید ثمرات		الشر سے تقرب حاصل کرنے کا راستہ
۲۸۵	احکام دین کا استحضار	۲۶۱	آسان ہے
۲۸۷	اسلامی اور غیر اسلامی نکاح	۲۶۲	اقتباسات و منتخبات
۲۸۹	صحبت کا اثر	۲۶۲	تصوف کی حقیقت
۲۹۲	داعیوں اور مبلغوں کی ذمہ داری	۲۶۲	تصوف کا لٹ باب
	قرآن کی حفاظت و اشاعت میں	۲۶۵	مسلمانوں کی نجات و ترقی کا واحد راستہ
۲۹۳	سربراہان قوم کی بھرمانہ غفلت	۲۶۸	ایک مخلصانہ نصیحت
۲۹۵	اندکس مرتبہ از محمد غیاث الدین مدظلہ	۲۶۹	ایک ایمان افروز واقعہ
		۲۷۱	مسلمان کی غیبت اور آبروریزی

دردست نه تیرسیت نه دردست کمان است  
 این سادگی اوست که بسمل دوجهان است  
 در درسه از جنبش لعل تو حکایت  
 در میکرده از مستی چشم تو نشان است

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## کتاب کے مطالعہ سے پہلے

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى

اما بعد!

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور الثمرہ قدہ کی سوانح کے سلسلہ کی یہ حقیر کوشش پیش کرتے ہوئے دل و دماغ دو متضاد تاثرات کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک تو مسرت و شکر کا جذبہ کہ خدا کے ایک مخلص و مقبول بندہ کے حالات زندگی خدمات دینی و علمی اور کمالات ظاہری و باطنی پر کچھ لکھنے کی سعادت حاصل کرنے کے سلسلہ میں ہر کوشش کی گئی ہے، شاید وہ سعادت دارین کا سامان ہو جائے، بقول شاعر

حکایت از قد آں یار دل نواز کنیم  
بایں بہانہ مگر عمر خود در از کنیم

ہندوستان نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں صدیوں سے جو دینی نظام تسلیم و تربیت کا فرما تھا اور جس کے حدود و گھروں کی چہار دیواری سے لے کر مدارس و جامعہ، حلقہ ہائے درس گوشہ ہائے تصنیف و تالیف، خانقاہوں کی پرسکون فضاؤں اور سعی و جہد کی متحرک و پُر شور رزمگاہوں تک وسیع تھے، اس کی بنیاد اخلاص و لہجیت

ایمان و احتساب، اساتذہ و شیوخ کے معاملہ میں کامل اطاعت و انقیاد، مرتبوں و محسنوں کے مشلہ میں مکمل تقویٰ و تسلیم، مقاصد زندگی کے بارے میں توکل، وقاحت، اعتماد علی اللہ بلکہ ایشارہ قربانی، محنت و مطالعہ اور حصول کمال کے سلسلہ میں استغراق و خود فراموشی، معاصرین کے ساتھ تعلقات میں تواضع و اعتراف، مختلف انجیال عناصر، افراد و جماعتوں کے سلسلہ میں حسن ظن، التماس عذر اور جمع بین الاضداد کی قوت و صلاحیت کمالات علمی اور مدارج باطنی کے حصول میں عکوف و مجاہدہ، رفقاء عی کار و مشترکائے حیات کے بارے میں اپنے فرائض کی ادائیگی سے سروکار اور اپنے حقوق کے مطالبہ سے خاموشی پر تھی، اس نظام تعلیم و تربیت کا (اپنی محدود معلومات اور کوتاہ نظر میں) بظاہر آخری نمونہ اور جامع ترین پیکر حضرت شیخ الحدیث کی ذات تھی، اس لئے ان کی زندگی کی کوئی ہلکی سے ہلکی تصویر پیش کرنا بھی اس دور کے تعلیمی و تربیتی عوامل و اثرات کے (جو تدبیر الہی سے حضرت شیخ کے دور طفولیت و شباب اور ان کے ماحول میں جمع ہو گئے تھے) بہترین نتائج کا خاکہ اور خلاصہ پیش کرنا ہے، اور ایک ایسے دور کی تاثیر و کامیابی کی جلوہ نمائی کی کوشش ہے، جو بظاہر حضرت شیخ کی وفات پر پڑتی ہوئی ہے، اس لئے یہ عصر حاضر کے ایک باکمال فرد کی سوانح نہیں، ایک مردم خیز دور، ایک مرد آفریں معاشرہ، ایک حیات بحق نظام تعلیم و تربیت، اور ایک پُر اثر اور شاداب شاخ و نہال کی آخری بہار کی کہانی ہے، اس لئے سوانح نگاری کی محنت و قوت مطالعہ اور ذمہ داری فرد واحد کی سوانح نگاری تک محدود نہیں، اس سے کہیں زیادہ وسیع و عمیق اور نازک ہے، اور ان اور ان کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت دل و دماغ شدید طور پر اس بارے میں شبہ و اضطراب میں مبتلا ہیں کہ یہ فرض ادا ہو سکا یا نہیں؟



اچھی ساتھ رہ رہ کر یہ خیال دل میں چٹکی لیتا ہے اور اس سے دل کے داغ تازہ ہو جاتے ہیں کہ اس بات کے پورے قرائن و آثار تھے کہ یہ سوانح خواہر زادہ عزیز گرامی مولوی سید محمد ثانی کے قلم سے نکلے گی، جنھوں نے حضرت شیخ کے حکم سے پہلے حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ضخیم سوانح "سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ" کے نام سے مرتب کی تھی اور حضرت شیخ کی خوشنودی اور تحسین کا پروانہ حاصل کیا اور ان کی دعاؤں کی سعادت لی، پھر انھیں کے حکم سے ان کی شدید خواہش پر ان کے محبوب و مطاع، شیخ و مربی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی سوانح حیات "حیات خلیل" کے نام سے تالیف کی، پھر حضرت شیخ ہی کے ایما و اور ان کی تسکین قلب کے لئے ان کے جواں سال و جواں مرگ و بالکمال خواہر زادہ مولوی محمد ہارون کی سوانح لکھی، ان تینوں کتابوں کی ترتیب تالیف حضرت شیخ کے ان کے ساتھ تعلق خصوصی اور ان کی سوانح نگاری کی صلاحیت پر کئی اعتماد کی دلیل تھی کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب تعلق و عقیدت رکھنے والے ان کے ساتھ سفر و حضر میں رہنے والے سیکڑوں علماء اور بیسیوں اہل قلم کی موجودگی میں شیخ نے اس وسیع اور نازک کام کی تکمیل کے لئے ان کا انتخاب کیا، پھر حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی کے جیسے حضرت سہارنپوری کے بااختصاص مرید و خلیفہ و کہنہ مشق مصنف کی تالیف کردہ "تذکرۃ الخلیل" کی موجودگی میں حضرت کی سوانح کے از سر نو ترتیب دینے کا حکم فرمایا، اور اس کام میں پوری رہنمائی و مدد فرمائی، پھر اس کا الفاظ و

لہ یہ سوانح ۸۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور ہندوستان و پاکستان دونوں جگہ سے شائع ہو چکی ہے۔

سن کر انہار اطمینان کیا اور دعائیں دیں، خود اپنے متعلق بھی ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ  
 ”پہلے تو میری بھی سوانح لکھے گا۔“

لیکن قضاء و قدر کا فیصلہ دوسرا تھا، یہ کام وہ انجام نہ دے سکے اور اپنے  
 شیخ کی وفات سے تقریباً تین مہینے پہلے خود سفر آخرت اختیار کیا، اپنے شیخ کی سوانح کی  
 ترتیب کا تو ان کو موقع نہ مل سکا، لیکن حقیقت میں اس کام میں جو اس کتاب کی شکل میں  
 آج قارئین کے سامنے ہے، ان کا بنیادی حصہ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات کے بعد جب  
 انھوں نے اپنے شیخ کے حکم و ایام پر سوانح یوسفی کی تصنیف کا بیڑہ اٹھایا جو حضرت شیخ کے  
 تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی تھی، تو انھوں نے اپنی فطری سعادت و تواضع کی بنا پر  
 مجھ سے یہ فرمائش کی کہ یہ حصہ میں لکھ دوں، ان کو اپنے قلم سے حضرت شیخ جیسی باکمال  
 و مختلف اہجاء شخصیت کا تعارف کرانے میں جو اس وقت فضل خداوندی سے منتظر تھا  
 اور مندر ارشاد پر متمکن تھی، سخت تذبذب و حجاب محسوس ہوتا تھا، میں نے ان کی  
 اس پریشانی کو دیکھ کر یہ مشکل کام اپنے ذمہ لے لیا، اس موقع پر ”سوانح حضرت  
 مولانا محمد یوسف کا ندھلوی“ کے مقدمہ میں میں نے جس طرح اس کا تذکرہ کیا ہے اس کو  
 نقل کر دیتا ہوں :-

”میری یہ خوش بختی ہے کہ میرے بزرگوں اور محبتین نے مجھے اپنی خدمت  
 میں اتنا بے تکلف اور جبری بنا دیا ہے کہ میں ان سے ہر طرح کے سوالات  
 کر سکتا ہوں، اور میں نے بار بار ان سے خود ان کے حالات پوچھنے کی جرأت  
 کی، اور ان کی بزرگانہ شفقت نے مجھے مایوس نہیں کیا، حد یہ ہے کہ

مولانا محمد ایاسؒ سے جن کو اس تاریخ نویسی سے اپنے معاصر بزرگوں میں سب سے کم مناسبت تھی اور جن کی زندگی سرتاپا دعوت و عمل تھی ان سے پہلی ہی ملاقات میں میں نے ان کے حالات زندگی دریافت کئے، اور انھوں نے نہایت بشاشت و شفقت کے ساتھ نہ صرف ان کا جواب دیا بلکہ مجھے ان کو نوٹ کرنے کا موقع بھی دیا، یہی معلومات مولانا کی سوانح کی بنیاد تھی۔

میں نے حضرت شیخ سے خطوط کے ذریعہ سوالات کر کے بہت سی قیمتی معلومات حاصل کیں، بہت سی باتیں زبانی پوچھ پوچھ کر نوٹ کیں، قدرتی طور پر ان کے لئے یہ ایک بہت بڑا مجاہدہ و ایثار تھا، لیکن اس کو میری خوش قسمتی کہئے یا ہنرمندی، یا ان کی شفقت و دل نوازی، کہ میں نے اکثر ضروری معلومات حاصل کر لیں، اور ان کی مدد سے ان کی سوانح حیات کا ایک سرسری و مختصر خاکہ حاصل کر لیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ ضروری کام تقدیر الہی سے اس وقت انجام نہ پا گیا ہوتا تو میرے لئے اس سوانح کی تکمیل کا کام بہت مشکل ہوتا اور اگر وہ انجام بھی پا جاتا تو وہ اتنا مستند و قابل اعتماد نہ ہوتا جتنا موجودہ صورت میں نظر آتا ہے، حضرت شیخ نے اپنی "آپ بڑی" میں جو سات حصوں میں مرتب ہوئی ہے، کہیں کہیں اس پر استدراک فرمایا ہے جس کا معنی زیادہ تر ان کی تواضع اور یہ جذبہ تھا کہ ذاتی حالات و کمالات سے زیادہ

لے حضرت شیخ کی حالات کا یہ ہے "سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ میں

ان پہلوؤں کو نمایاں کرنا چاہئے جن میں طلباء علوم دینیہ، فضلاء مدارس اور طالبین اصلاح کے لئے سبق اور پیغام ہے، پھر بھی ناچیز مصنف نے آپ بیتی کے اس پورے سلسلہ کو سامنے رکھ کر ان تشنہ گوشتوں کی تکمیل کر دی ہے جن کی "آپ بیتی" میں نشاندہی کی گئی ہے یہ پورا حصہ (صرف زمانہ حال کو زمانہ ماضی کے ضیعفہ میں تبدیل کر کے کہ وہ حالات شیخ کی زندگی میں لکھے گئے تھے) اس سوانح میں تحلیل کر دیا گیا ہے اور وہی اس سوانح کا اصل تار پود ہے۔

اس مضمون کے علاوہ جو سوانح یوسفی سے اخذ کر کے شامل کیا گیا ہے، حالات کا بڑا اخذ شیخ کی "آپ بیتی" کا سلسلہ ان کی اردو تصنیفات، اور شیخ کے بااختصاص ارادت مندوں اور محدثین کے مرتب کئے ہوئے سفروں کے حالات خصوصاً وہ قلمی مواد ہے، جو جنوبی افریقہ اور انگلستان کے سفروں کے موقعوں پر خصوصی خدام و رفقاء سفر نے قلمبند کئے، آخری مرض و وفات کے سلسلے میں بھی مصنف کے سامنے وہ مستند معلومات اور خطوط رہے ہیں، جو مدینہ طیبہ سے اہل تعلق کو لکھے گئے تھے، خاندانی معلومات کے سلسلے میں مصنف نے خود اپنی کتاب "مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت" پر بنیاد رکھی ہے جس کا یہ حصہ (خاندانی حالات) دونوں جلیل القدر شخصیتوں کے حالات کا مشترک حصہ ہے، مولانا احتشام الحسن صاحب کا ندھلوی کی کتاب "حالات شائع کا ندھلہ" بھی پیش نظر رہی ہے جو بعض تاریخی مسامحت اور خامیوں کے باوجود (جن کی طرف کتاب میں اشارہ کر دیا گیا ہے) خاندانی حالات کا اچھا ماخذ ہے، اس سلسلے میں مصنف نے اسی خاندان والا شان کے ایک صاحب علم و تحقیق جو ان سال فرد مولوی نور الحسن راشد صاحب کے اس مقالہ سے استفادہ کیا اور ان کی محنت و تحقیق سے فائدہ اٹھایا جو انھوں نے حضرت شیخ کے

آباؤ اجداد اور خاندان کے تعلق کے سلسلہ میں "الفرقان" کے خصوصی نمبر کے لئے سپرد قلم کیا تھا اور ازراہ عنایت مصنف کو بھی اس کی ایک نقل دے دی تھی، بعض دوسری معلومات، اولاد و احفاد اور پس ماندگان کے سلسلہ میں مصنف مولانا محمد شاہ صاحب مظاہری کا ممنون ہے کہ وہ اس کے استفسارات کے جوابات دیتے رہے، اور حضرت شیخ کی تصنیفات و رسائل کا پورا ذخیرہ اس کے پاس بھیج دیا پس ماندگان پر اس کتاب میں جو نوٹ ہے وہ پورا انھیں کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔

ناچیز مصنف کو حضرت شیخ کی خدمت میں سفر کی ابتداء سے نیاز حاصل ہے، ان کی اس کے حال پر پوشقت و عنایت خصوصی رہی ہے، اور اپنے گرامی ناموں میں جس طرح اس کا اظہار فرمایا ہے، اس کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں لکھ سکتا کہ  
بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر  
جو بوقتِ ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں تھی

آمدورفت و مرسلت کا سلسلہ پورے اکتالیس بیالیس سال قائم رہا، اپنی سی پوری گوشن کی کہ طویل سے طویل مکتوب گرامی سے لے کر چھوٹے چھوٹے پرچے تک کوئی ضائع نہ ہونے پائے یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ یہ شفقت نامے جو ذاتی محبت و تعلق کے علاوہ بیش قیمت آراء، گراں قدر شعروں و رہنمائیوں اور قیمتی سوانحی معلومات، نیز دلی جذبات و خیالات کے آئینہ دار ہیں، سو فی صدی محفوظ رہے، لیکن ان کی تعداد ۳۵۰ سے کم نہیں، ان خطوط کے مطالعہ سے خاص طور پر اس کتاب کے بابِ نہم "خدا داد کمالات بیگانہ مزاجی و طبی خصوصیات" میں بڑی مدد ملی۔

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری اور طالبِ علمانہ اور مصنفانہ دیانت کا تقاضہ ہے کہ

اس کتاب میں ان تفصیلات و جزئیات سے استرازا کیا گیا ہے جو کسی شیخ مقبول بارگاہ الہی و رسالت پناہی، اور روحانی مراتب عالیہ پر فائز شخصیت کی سوانح حیات کا اصل مواد و مضمون سمجھا جاتا ہے، یعنی خوارق و کمالات، مبشرات و مناجات کی تفصیل جن کا پوری تفصیل و اطناب کے ساتھ ذکر کرنا ادبیاء الشرا و مشائخ پیشین کے قدیم سوانح نگاروں کا شیوہ رہا ہے، اور جن کی وجہ سے صاحب سوانح کے انسانی اخلاق، علمی و ذہنی کمالات، تعلیم و تدریس یا تصنیف و تالیف، معاصرین کے ساتھ تعلقات، روزمرہ کے معمولات، ان کی وسیع النظری، وسیع القبلی، حقیقت پسندی، اسلام کے لئے فکر مندی اور اہل اسلام کے لئے درد مندی پر دے کے پیچھے چھپ کر یا ان کے بوجھ کے نیچے دب کر رہ گئی ہے، اور اسی بنا پر ان کے عہد اور ان کے بعد کے زمانہ کا علمی ذوق رکھنے والا اور قابل تقلید نمونوں اور قابل اتباع زندگی کا طالب و تحسب طبقہ ان کتابوں کے مطالعہ سے اکثر محروم اور ان کے کمالات کے دیکھنے سے محجوب رہا ہے، اندیشہ ہے کہ بعض قارئین کو اس کتاب میں یہ باب تشنہ نظر آئے گا، ہم اس جلس کے طلب گاروں کو (جو خدا کی ایک موبہبت اور نسبت عالی کا کرشمہ ہے) ان رسائل و مقالات کے مطالعہ کا مشورہ دیں گے، جو شیخ کی زندگی اور ان کی وفات کے بعد خاص اسی مقصد کے لئے لکھے گئے ہیں، گو شش کی گئی ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ اس علمی فکر کی طبقہ کو بھی حضرت شیخ کے کمالات، ان کی جامعیت، ان کے علمی و تصنیفی مرتبہ، ان کی اخلاقی بلندی، ان کے علمی و تصنیفی انہماک، دینی کوششوں، اور تعلیمی اداروں سے گہرے تعلق، فکر مندی و دل سوزی، علوم دینیہ، عقائد صحیحہ اور ملکیت کی اشاعت سے دلی شغف، مسلمانوں کے حال و مستقبل کی فکر اور رجوع الی الشرا و اتباع شریعت و سنت کی دعوت اور اس کے لئے جدوجہد کا اندازہ ہو، اور اس کتاب کو پڑھ کر

اس کے اندر عمل کا جذبہ بیدار ہو، اپنی خامیوں اور کمزوریوں کا احساس ہو، ہمت میں بلندی، قلب و نظر میں صحت اور وقت کی قیمت اور زندگی کی کوتاہی کا شعور، عمل نافع اور باقیات صالحات کے ذخیرہ کا شوق و آرزو پیدا ہو۔

اس کتاب کو پڑھ کر قارئین کو اگر صاحب سوانح اور مصنف سوانح میں وہ تقاضا و عظیم اور وہ مسافت طویل نظر آئے جس کی بنا پر ان کو اس سوانح کی تصنیف کے لئے \_\_\_\_\_ اس بے بضاعت مصنف کے انتخاب پر اعتراض اور انتخاب کرنے والوں کے صحت انتخاب میں (جن میں عزیز گرامی قدردم مولوی محمد ظفر صاحب خلیف الرشید حضرت شیخ پیش پیش رہے ہیں) شبہ اور اشکال ہو تو مصنف اس کے جواب میں عرفی کا یہ شعر پڑھ کر خاموش ہو جائے گا۔

امید ہست کہ بیگانگی عرفی را

بہ دوستی سخنہائے آشنا بخشد

ابوالحسن علی

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ  
۱۳ نومبر ۱۹۸۲ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب سَوَّل

خاندان، جد بزرگوار مولانا محمد اسماعیل صاحب اور ان کے صاحبزادگان

شرفاء، مجتہدانہ و کاندھلہ

مجتہدانہ اور کاندھلہ کا یہ خاندان جس سے حضرت مفتی الہی بخش صاحب اور ان کے اخلاف (مولانا ابوالحسن صاحب، مولانا نور الحسن صاحب، مولانا مظفر حسین صاحب سے لے کر مولانا انعام الحسن صاحب، امیر جماعت تبلیغ، ننگ) اور حکیم کریم بخش صاحب اور ان کے اخلاف (جن میں مولانا محمد اسماعیل صاحب اور ان کے فرزندان و نبیرگان مولانا محمد صاحب، مولانا محمد یحییٰ صاحب، مولانا محمد ایلیاس صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب شامل ہیں) دو آپ کا مشہور و محترم صدیقی شیوخ کا خاندان ہے جس میں ہر دور میں صاحب علم و فضل، اہل ارشاد اور اصحاب و جاہت پیدا ہوتے رہے، "حالات مشائخ کاندھلہ" (تالیف مولانا احتشام الحسن صاحب) کے پیش لفظ میں راقم نے اس خاندان کی امتیازی شان اور اس کی مردم خیزی پر حسب ذیل الفاظ میں اظہار خیال کیا تھا، اس موقع پر اس کا نقل کرنا بے محل نہ ہو گا:-

"ہندوستان کے ان چیدہ و برگزیدہ خاندانوں میں جو صدیوں تک علم و فضل

۱۷۰ کتب حضرت شیخ الحدیث

اور ذہانت و ذکاوت کے گہوارے یہ ہیں، صدیقیوں کا ایک وہ خاندان بھی ہے جس کا اصل وطن چھبھانہ ضلع مظفر نگر اور وطن ثانی کا ندھلا ضلع مظفر نگر ہے، یہ گھرانہ ان خوش قسمت خاندانوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت و عنایت سے نوازا، اس خاندان کی بنیاد کچھ ایسے صدق و اخلاص پر پڑی تھی کہ صدیوں تک یکے بعد دیگرے اس میں علماء و فضلاء، و اہل کمال اور مقبولین پیدا ہوتے رہے، علوئے استعداد و علوئے ہمت اس کی خاندانی خصوصیت ہے اور انھیں دو چیزوں نے اس خاندان کو ایسا شرف و امتیاز عطا کیا کہ ہر دور میں اہل کمال اور اکابر رجال پیدا ہوتے رہے، علو استعداد و علو ہمت نے اس خاندان کے افراد میں علمی جامعیت اور تبحر کی شان پیدا کی، اور انھوں نے اپنے اپنے وقت میں مروجہ علوم اور اکثر اصناف کمال کی طرف توجہ کی، اور ان میں دست گاہ پیدا کی، اس کی وجہ سے اس میں بلند پایہ فقیہ مفتی، جامع معقول و منقول عالم، قادر الکلام شاعر، اور حاذق طبیب پیدا ہوئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے تلمذ نے اتباع سنت، اصلاح عقائد و اعمال کا ذوق، اور اشاعت علم کا جذبہ پیدا کیا، حضرت بیدار احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا، اور توحید و اتباع سنت کے ساتھ جذبہ جہاد و سرقرشی کا اضافہ کیا، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا ندھلویؒ کے یگانہ روزگار و ریع و تقویٰ اور ان کی بلند ترقی و جفا کشی نے مردوں کے ماسوا سیدیوں اور بچیوں میں بھی احتیاط و توجہ اور ذکر و عبادت کا ذوق پیدا کر دیا۔

پھر اس خاندان کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے اپنے موروثی فضل و کمال اور سلسلہ روحانی کے باوجود اپنے اپنے زمانے کے مقبول شائع اور خاصہ خد سے جو اپنے فن کے امام اور اپنے زمانہ میں مرجع خلافت تھے، استفادہ و انتفاع میں نا امل نہیں کیا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور حضرت سید احمد شہید کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد قاسمی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب راجہ پوری، اور دوسرے معاصرین کوں سے اس خاندان کے اہل کمال اور اہل طلب برابر شک اور وابستہ ہوتے رہے، اور سلسلہ بھلائی تک جاری ہے اور یہ اس کے صدق طلب و علوم ہی کی دلیل ہے۔

اس خاندان کی قبولیت اور اس پر الشربارک و تعالیٰ کی جو نگاہ عنایت ہے، اس کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ الشربارک و تعالیٰ نے ہمارے اس دور میں اس خاندان سے دعوت و اصلاح کا وہ عظیم الشان کام لیا جس کی نظیر اس وقت عالم اسلام میں ملنی مشکل ہے، مشہور تبلیغی دعوت تحریک کا یہی خاندان سرچشمہ و منبع ہے، اسی خاندان میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جیسی شخصیت پیدا ہوئی جس سے الشربارک و تعالیٰ نے اس دور میں تجدیدی شان کی خدمت لی اور جن کے اخلاص، علوم و ہمت، علو نظر، مجاہدہ اور قربانیوں کے اثرات و برکات اور فیوض و اثرات اس وقت دنیا کے ایک بڑے حصہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے بعد ان کے خلف الرشید مولانا محمد یوسف صاحب کی توسیع و تکمیل میں مشغول ہیں ان کا

لے سطور بالا جب کھلی گئیں تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب حیات اور اپنی تبلیغی سرگرمیوں اور جماعت کی سرپرستی و نگرانی میں مصروف و سرگرم تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

صدق و اخلاص ان کا توکل و اعتماد ان کی صحبت کی تاثیر ان کا جذبہ جوش و ادب  
ان کا عبادت و مجاہدہ و مشاہدہ کی حیثیت کہتی ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ  
ہم جیسا کہ بیان اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی  
ذات گرامی اسلاف اور ان کے کمال کی زندگیادگار اور اپنے خاندان کے عظمت و مجاہدہ  
و جامعیت اور اخلاق کی ایک جیتی جاگتی تصویر اور درامی کے واقعات کی تصدیق ہے  
اس خاندان کے بزرگوں میں حکیم محمد اشرف صفا کے حلال (بزرگانِ شیش کے مقابلہ میں) قربانی  
اور ان کی وجاہت اور شہرت کی وجہ سے زیادہ نمایاں اور محفوظ ہیں اس لئے انھیں اس ابتداء کی جاتی ہے۔

## مولانا حکیم محمد اشرف

آپ بھجوانہ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے اور محمد شاہ بھجوانی کے مشہور بزرگ تھے جن کے علم  
و فضل زہد و تقویٰ، اتباع شریعت پر ہم عصر علماء اور مشائخ متفق تھے، ان کا سلسلہ نسب  
شیخ قطب شاہ تک اس طرح ہے :-

مولوی محمد اشرف بن شیخ جمال محمد شاہ بن شیخ باب شاہ، بن شیخ بہاء الدین شاہ بن  
مولوی شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل، بن شیخ قطب شاہ۔

لہ حالات شاخ کا نہرہ از مولانا افتخار امین صاحب صفحہ ۵-۶ پیش لفظ و تعارف۔ از راقم سطور۔

لہ تحریر فی حضرت شیخ الحدیث (خاندانی شجرہ میں صرف شیخ قطب شاہ تک درج ہے حالات شاخ کا نہرہ) صفحہ ۹

مولوی نور الدین صفا کا نہرہ کی (جو اس خاندان کے ایک ہی علم و تحقیق کا خاص ذوق رکھنے والے نوجوان ہیں)

تحقیق کے مطابق شجرے کے آخر میں مذکور دو شخصیتوں شیخ محمد فاضل اور شیخ قطب شاہ کا اس خاندان سے کوئی تعلق

نہیں یہ دونوں نام الحاقی ہیں ان کی تحقیق میں خانوادہ مولانا محمد اشرف بھجوانوی، قاضی ضیاء الدین رستائی کی

مولانا حکیم محمد اشرف کی اولاد میں کثیر التعداد علماء و فضلاء، مشائخ طریقت، بلند پایہ فقیہ مفتی، جامع معقول و منقول عالم، قادر الکلام شاعر اور عاذق طلیب سلسلہ پیدا ہوتے رہے، مولانا حکیم محمد اشرف کے حالات نہایت رفیع اور اولیائے کاملین کے سے ہیں جن سے عوارق کا بھی ظہور ہوا ہے، ان کے مؤثر واقعات اس خاندان کے فرد فرید حضرت مفتی ابھی بخش نے اپنی قلمی بیاض میں تحریر کرے ہیں، نمونہ ایک واقعہ تحریر کیا جاتا ہے جس سے ان کے استغناء اور دنیا سے بے رغبتی کا حال معلوم ہوگا۔

شاہ جہاں بادشاہ نے جب آپ کے کمالات کا شہرہ سنا تو ملاقات کا شائق ہوا، اور آپ کو بلانے کے لئے پاکی اور کچھ لوگوں کو بھیجنا بھیجا، آپ علی الصبح نماز فجر پڑھ کر دوپٹہ کر پر باندھ کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے، بادشاہ کی طرف شہر کے دروازہ پر آدمی استقبال کے لئے متعین تھے، آپ کی روانگی کی اطلاع پا کر انھوں نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا، اور آپ نے اس امیر کی ہمراہی میں جو آپ سے پہلے سے واقف اور متقدّم تھا، بادشاہ سے ملاقات کی، بادشاہ نے اپنے وزیر سعد الشرفاں ملائی سے کہا کہ مولوی صاحب کا امتحان کرنا چاہئے، غالباً زیر تفرق علوم کے متفرق سوالات کئے، اور ہر علم میں بیگانہ روزگار پاکر بادشاہ سے عرض کیا شیخ کو میں نے ایسا بخیر ذرا پایا جس کا کہیں کنارہ نہیں ہے۔

(باقی ص ۲۱ کا) — مولانا شیخ محمد سے شجرہ اس طرح ہو جاتا ہے۔

مولانا شیخ محمد بن مولانا کریم الدین مذکر بن امام تاج مذکر بن امام حاج بن قاضی ضیاء الدین سنائی

ان کی دلیل یہ ہے کہ مولانا شیخ محمد سے قاضی ضیاء الدین سنائی کی سلسلہ نسب، فران سلطان محمد شاہ

بن فیروز شاہ تغلق ۷۹۶ھ (مکتوبہ ۲۲ رجب ۷۹۳ھ) کی پشت پر لکھا ہوا ہے جو خاندان میں محفوظ ہے

شاہجہاں بادشاہ نے اسی وقت علاقہ جھنجھانہ میں وہ تزار بیک تختہ زیر کیا فرمان  
تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور کہا،  
ہمارا رازق خدا ہے نہ کہ بادشاہ، بادشاہ کے پاس آیا ہوں، اٹلاک و جلائیہ راد  
کے حصول کی طلب و خواہش بالکل نہیں، اور نہ اس کے لئے آیا ہوں۔

مولانا حکیم محمد اشرف کے ایک صاحبزادہ — کا نام حکیم محمد شریف تھالیہ بزرگوار  
بھی علم و فضل اور اتباع شریعت میں اپنے والد ماجد کے قدم بقدم تھے، مولانا حکیم محمد شریف  
دو صاحبزادے ہوئے، ایک مولانا حکیم عبدالقادر جن کی اولاد میں اہل کمال اور علماء و فضلاء  
بڑی تعداد میں گزرے ہیں، خصوصاً مفتی الہی بخش اور ان کے نامور بھتیجے مولانا مظہر حسین  
کاندھلوی ممتاز ترین علماء و فضلاء وقت میں سے تھے، دوسرے صاحبزادہ مولانا محمد رفیع  
تھے، جن کا قیام جھنجھانہ میں رہا، ان کی اولاد میں مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی، مولانا  
محمد یحییٰ کاندھلوی، ان کے فرزند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، داعی الی الشریعہ  
مولانا محمد الیاس کاندھلوی، اور ان کے صاحبزادہ مولانا محمد یوسف کاندھلوی جیسے  
اہل فضل و کمال اور بلند پایہ بزرگ پیدا ہوئے۔

جھنجھانہ اور کاندھلہ کی دونوں شاخیں مولوی محمد شریف جٹاپر جا کر مل جاتی ہیں پھر  
الگ الگ صدیوں تک بار آور اور پڑھتے رہی ہیں، اس اتصال اور انفصال کو سمجھنے کے لئے یہاں  
دونوں شاخوں کا مختصر شجرہ پیش کیا جاتا ہے، جو خود حضرت شیخ الحدیث کا مرتب کیا ہوا ہے۔

انہ "حالات خانہ کاندھلہ" ۱۵-۱۶ ہجرات "غرائب الہند" از مولانا محمد ساجد۔

تھ تحریر قلمی حضرت شیخ، محفوظ مرتبہ خطوط رائے بریلی، تحریر حسینہ نقاش کی گئی ہے، اس لئے نام بھی اسی طرح  
لکھ گئے ہیں، جیسے اس میں درج ہیں۔

مولوی محمد شریف

عبد القادر

مولوی محمد فیض

قطب الدین

مولوی محمد ساجد

شیخ الاسلام

حکیم غلام محی الدین

مفتی الہی بخش

محمود بخش

حکیم کریم بخش

مولوی ابوالحسن

منظر حسین

غلام حسن

غلام حسین

مولوی ابوالحسن

بابی امین الرحمن

مولوی اسماعیل

بابی سفیہ

مولانا محمد الیاس حسنا

مولوی محمد کبیر

مولوی محمد

محمد سلیمان

محمد اکبر

محمد ابراہیم

محمد احمد

مولانا محمد یوسف حسنا

محمد زکریا (شیخ الحدیث)

شیر الحسن

رووف الحسن

صفیہ

آمنہ

محمد الیاس

محمد کبیر

محمد الیاس



## کاندھلہ سے تعلق

قاضی شیخ محمد بوسلطان (ابوالفتح) محمد (بن فیروز) تعلق کے رہنما گروہ کے تھے اور خطیب تھے، ان کی اولاد میں انھیں کے ہم نام شیخ محمد مدرس ایک بہت بڑے عالم و فاضل اور اپنے وقت کے صاحب درس بزرگ گزے ہیں، ان کی صاحبزادی خان بی بی کے ساتھ بھجنجانہ کے مذکورہ صدر گھرانے کے مولانا حکیم عبدالقادر کی جو مولانا حکیم محمد شریف ابن حکیم محمد اشرف کے صاحبزادہ تھے، شادی ہوئی، ان کے دو صاحبزادے ہوئے (۱) مولانا حکیم قطب الدین (۲) مولانا حکیم شرف الدین۔

مولانا حکیم قطب الدین بھجنجانہ کے شرفاء و زعماء میں تھے اور اطراف میں ان کا بڑا اثر تھا، الشرفاء نے دینی بزرگی کے ساتھ ساتھ دنیاوی وجاہت بھی عطا کی تھی، ان کی شادی بھی کاندھلہ میں اسی گھرانے میں ہوئی جس گھرانے میں ان کے والد حکیم عبدالقادر کی ہوئی تھی، ان کی بیوی شیخ ضیاء الحق ابن شیخ محمد مدرس کی بیٹی تھیں، ان کے تین صاحبزادے ہوئے (۱) مولانا حکیم شیخ الاسلام (۲) شیخ محمد شاخ (۳) شیخ صدر الدین، مؤخر الذکر دونوں بزرگ

لے کاندھلہ کی آبادی کی تقریب اس طرح ہوئی کہ ۱۲ جولائی ۱۹۳۳ء میں سلطان محمد شاہ بن فیروز شاہ تھلن شکار کے لئے جوہڑ کاندھلہ کی آبادی کے قریب آیا، اسی اثناء میں جمعہ کا دن آگیا، سلطان موصوف نے کاندھلہ کی آبادی اور جامع مسجد کی تعمیر کا حکم دیا، فوراً جامع مسجد تعمیر کی گئی، جمعہ کے وقت سلطان نے آکر خود حصہ لیا، اور موجودہ وقت تک ایک فاضل اور بالکل عالم قاضی شیخ محمد ابن مولانا حکیم الدین (جو قاضی ضیاء الدین ساسی کی اولاد میں تھے) کو لاء اسکے بیگہ زمین کا فرمان دے کر قضاء، امامت، خطابت، مناکحت کا منصب عطا کیا، اور قصبہ کی آبادی پر مامور کیا، اور پھر ان کی اولاد نے بود و باش اختیار کر لی۔ (”حالات مشائخ کاندھلہ بتدریج“ ص ۱۸)

مجھنجانہ ہی میں رہے۔

## مولانا شیخ الاسلامؒ

مولانا شیخ الاسلامؒ علم و فضل میں ممتاز تھے، اور بڑے بڑے علماء ان کو وقت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

مولانا شیخ الاسلامؒ کے چار صاحبزادے ہوئے (۱) مفتی الہی بخش (۲) شاہ کمال الدین (۳) مولوی امام الدین (۴) مولوی محمود بخش، یہ چاروں صاحبزادے علم و فضل میں یگانہ روزگار اور مرجع خلافت تھے۔

مولوی امام الدین، مفتی الہی بخش سے چھوٹے تھے، اور ذکاوت و ذہانت اور علمی قابلیت میں ممتاز تھے "میرزاہد" "ملا جلال" کی شرح "حاشیہ امور عامہ" رسالہ نسب اربعہ مختصر کافیہ اور منطق و فلسفہ کی مختلف کتابوں پر مختصر حاشیہ یادگار ہیں، ————— ایک فرزند مولانا حکیم اشرف یادگار چھوڑا، جو مفتی الہی بخش کے داماد ہوئے، وہ طلب علم میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، اور فیض شناسی میں فائق، ان کے صاحبزادہ مولوی حکیم محمد شرف بھی اپنے زمانہ کے مشہور اطباء میں شمار ہوتے تھے۔

مولانا شیخ الاسلامؒ کے دوسرے صاحبزادے مولانا کمال الدین کو ریاضت و مجاہدہ کا خاص ذوق تھا، اور زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے، مفتی الہی بخش نے ان کا ایک واقعہ لکھا ہے :-

”سخت سردی کی راتوں میں آدھی رات کو اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز تہجد میں مشغول ہو جاتے، ایک دن میں نے ان سے کہا کہ اس سخت سردی میں اٹھنا اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا بہت دشوار ہے تم روزانہ کس طرح کرتے ہو؟ وہ بولے روزانہ جب میں وضو سے فارغ ہوتا ہوں تو سورہ شیطانی اور نفسانی دلی میں آتے ہیں کہ کل کو سردی میں نہ اٹھوں گا، نوافل کے لئے اتنی سخت اذیت اٹھانا دشوار ہوتا ہے، جب اگلی رات آتی ہے اور چکی پیسنے والیوں کی آواز کان میں آتی ہے تو میں بے قرار ہو کر اٹھ جاتا ہوں کہ سبحان اللہ اس سخت سردی میں اپنے دن کی روزی کی خاطر آدھی رات سے اٹھ کر صبح تک بھاری پتھر کی پکی کے پاٹ کو کس محنت و مشقت کے ساتھ گھاتی ہیں، میرے لئے جس کی روزی کی کفالت بے محنت و مشقت حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے۔“

مروت سے بعید تر ہے کہ خواب غفلت میں ہوتا رہوں، اور اپنے رازق کا فکر ادا نہ کروں، میں نے جب سنا تو سمجھ گیا کہ بیدار دل شخص ہے۔

اس کے علاوہ جو دو کرم، ایثار، مروت و عفت، خدمت خلق، مسافر کی خبر گیری میں بڑے مستعد تھے، عمر بھر سماع، مزامیر اور مجالس لہو و لعب سے پرہیز رکھا۔

### مفتی الہی بخش صاحب

مولانا حکیم شیخ الاسلام کے یہ نامور فرزند اور مرجع خلائق بزرگ عالم تھے، ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۲۴۵ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی، حضرت شاہ

عبدالعزیز دہلوی کے ممتاز ترین شاگردوں میں تھے، اپنے وقت کے نامور صاحبِ فتویٰ، صاحبِ درس، و صاحبِ تصنیف تھے، کامل طبیب اور علومِ عقلیہ و نقلیہ میں اعلیٰ دست گاہ رکھتے تھے، عربی و فارسی اور اردو نظم پر استادانہ قدرت تھی، جس کی شاہدان کی تصنیف کردہ کتاب "شرح بانٹ سعاد" ہے جس میں حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہر عربی شعر کا ترجمہ عربی، فارسی اور اردو شعر میں کیا ہے، عربی، فارسی کی تقریباً ساٹھ تصانیف یاد گار ہیں، "شیم الجیب" اور "فتویٰ مولانا روم" کا مکملہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

### حضرت سید احمد شہیدؒ سے تعلق اور ان کی تحریک سے وابستگی

مفتی صاحبِ تعلیم کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہی سے بیعت ہو گئے تھے، حضرت سید احمد شہیدؒ کی تشریف آوری پر باوجود کبرستانی اور سید صاحبؒ ۳۸-۳۹ سال بڑے ہونے کے رجوع کیا، اور بڑے اخلاص اور تلمیذیت کے ساتھ استفادہ کرتے رہے،

لے یہ صاحبؒ کے کاغذ ہلہ پہنچنے کی تاریخ ۷ اربیع الاول ۱۲۳۵ھ ہے۔

۱۲ھ مصنف "حالات شائع کاغذ ہلہ" کی تحریک کے مطابق اس وقت مفتی صاحب کی عمر ۱۷ سال سے متجاور تھی، مفتی صاحب کی پیدائش ۱۶۲۲ھ کی ہے اور سید صاحب کی کاغذ ہلہ تشریف آوری ۱۲۳۵ھ میں ہوئی۔

۱۳ھ شیخ کامل کی موجودگی میں اس کے قوی النسبت خلفاء سے استفادہ اور ان سے توجہ اور فیض حاصل کرنے کی مثالیں اکثر تصوف اور شائع کبار کی سوانح و حالات میں بہت ملتی ہیں، بعض اوقات

خود شیخ بیعت اپنے کسی خاص مرید کو اس کی ہدایت کرتا ہے کہ میرے فلاں مترشد سے استفادہ کرو اس کی

ایک واضح مثال وہ ہے جو مولانا کرامت علی صاحب جوہوری نے اپنے رسالہ "نور علی نور" میں لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ

"مولانا عبدالحی صاحبؒ دہلوی نے فرمایا: کہ میں سلوک الی اللہ شاہدہ حاصل کرنے کا بڑا مشتاق تھا، (باقی ۹۰۰)

حضرت سید احمد شہیدؒ سے پہلی ملاقات کی داستانِ جذب و شوق خود مفتی صاحب کی زبان سے سنئے:-

”ناگاہ از مدغمی بہ اعانت سعادت ازلی، صیت کمالات و وقت تکمیل و مظنہ  
ارشادات و سرعت تاثیر جزیل و جمیل سید احمد حسنی مفتی آثار و قدم بر قدم محمد مدنی  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جان بخش گوش دہوش و دل نواز سامعہ حقیقت نبوشش گردید  
ونشہ اشتیاق درک صحبت سر آمد و یائے آفاق چنداں دو بلا گشت کہ طائر برآز  
آشیانہ دل پرید و از بے قراری جامع آرام بر تن درید۔“

(باقی صفحہ ۲۸ کا) میں نے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ سے (جو مولانا کے استاد اور کچھ بچاؤ بزرگ بھی تھے) عرض کیا کہ جھکو آپ سلوک الی اللہؒ تعلیم دیجئے، میں بہت سے ہندوی اور ولایتی مٹھروں سے توجہ لے چکا تھا مگر میرا مقصود حاصل نہ ہوا تھا حضرت مولانا نے فرمایا کہ میاں میں بہت بوڑھا اور کمزور ہوا، مجھ میں بہت دیر تک بیٹھنے کی طاقت نہیں، یہ قصہ تمہارا میرا صاحبِ حال ہوگا، میں اور حضرت میاں صاحب (سید صاحب) اور میاں محمد علی مدرسہ کے ایک ہی مکان میں رہا کرتے تھے، ایک شب میں نے میاں صاحب سے عرض کیا کہ حضرت! صبحی نماز صحابہ کرامؓ ادا کرتے تھے، وہی ذکر وعت مجھ سے ادا ہو (اس کے بعد مولانا نے اس خشوع اور استحضار اور کیفیات باطنی کے حصول کا قصہ بیان کیا جو میرا صاحب کی توجہ سے ان کو حاصل ہوئیں) وہ فرماتے ہیں کہ میں دن کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس گیا، اور رات کا قصہ بیان کیا، اور اپنے سید صاحب سے بیعت کرنے کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا ”بارک اللہ، بارک اللہ“ خوب کیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کون طریقہ کہلاتا ہے، فرمایا: میاں ایسے لوگ کسی طریقہ کے محتاج نہیں ہوتے، ایسے لوگ جو زبان سے کہیں ہی طریقہ ہے۔ (انتہی باختصار تفصیل کے لئےلاحظہ ہو ریت سید احمد شہیدؒ ص ۱۲۵-۱۲۹)

۱۲۵-۱۲۹) لے ترجمہ: ”مدغمی اور سعادت ازلی کی دست گیری سے سید احمد حسنی (جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچہ پیرو اور آپ کی اتباع میں کامل و راسخ القدم ہیں) کے کمالات و وقت تکمیل کا شہرہ اور ان کے (باقی صفحہ ۳۰ پر)

اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت سید احمد شہیدؒ کی مدح و توصیف میں کثرت اشعار

کہے، دو غزلوں کے چند چند شعر لکھے جاتے ہیں۔

یارِ بہاِ حوالِ دل خستہ نہ انم چہ شود      میر احمد نرسد گر بددگاری ما  
اے نشاطِ ارجحی طلبِ بہت کن      از وسید برحق کہ کند یاری ما

جناب سید احمد کہ باشند فیض ربانی      بساں مہر انوری کند ہر ذرہ نورانی  
مجدد الف ثانی شہ جنابِ حد ازل      مجددائے ثالث را جنابِ حمد ثانی  
بخلق احمدی کامل بخور از دی و صل      نمود اندر رضائے حق رضائے فویش راقانی

مفتی صاحب نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے طریقہ اذکار میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی جس کا نام ”لمعات احمدیہ“ ہے، جن کو ”صراطِ مستقیم“ کا خلاصہ کہنا صحیح ہو گا۔

مفتی الہی بخش کے دونوں صاحبزادے مولانا ابوالحسن صاحب اور مولانا ابوالقاسم صاحب صاحب کے دست گرفتہ، اور معتقد و مخلص تھے، مولانا ابوالحسن حضرت سید صاحب کے ایسے عاشق و محب تھے کہ سید صاحب کے حج سے واپسی پر ایک قصیدہ کہا جو پورا کا پورا عشق و محبت

(باقی صفحہ ۲۹ کا) ارشادات و سرعت تاثیر کا غلط اچانک کان میں پڑا، اور جان بخش اور دل نواز ہوا، اس سرآمد و کیا و رکا

کی زبان و محبت کا شرف حاصل کرنے کا شوق اتنا غالب ہوا کہ دامن صبر نہ تھکے، چھوٹ گیا اور کون آرام نصبت ہو گیا۔

لے کتاب کا پورا نام ”لمعات احمدیہ فی الطریقۃ المحمدیہ“ ہے، یہ ۱۲۹۹ھ میں بین الدولہ وزیر الملک نواب

محمد علی خاں والی ٹونک کی فرمائش پر مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی کتاب کی ضخامت ۴۴ صفحات متوسط

سائز ہے کتاب میں سید صاحب سے ملاقات اور کانڈھلی میں آمد کی تاریخ درج ہے جو ۱۲ رجب الاول

اوتلق کے جذبات سے بھر لے اس طویل قصیدہ کے چند شرط و نمونہ کے لکھے جاتے ہیں  
اہل قافلہ (سید صاحب کی جماعت) کے دینی و اصلاحی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جس طرف دیکھئے تعمیرِ ساجد ہے گی      ہے ہر اک شخص کی تحقیقِ سائلِ نظر  
آتی ہر سمت ہے بانگِ مؤذن کی صدا      جس کو سنئے یہی کہتا ہے انشا کبر  
اس قدر عصر میں تیرے ہوئی افزائِ ناز      لاکھوں تیار ہوئے ملک میں چھوٹے بزر  
قطعِ بدعات ہوئی فیض سے تیرے ہی      ہند سے رہیں بڑی انگلیں ساری کسر  
دیکھئے جس کو سو کرتا ہے کلامِ انشاد      باندھی شخص نے تہذیبِ ہدایت پر

مفتی صاحب کے دو نواسے مولانا محمد مصطفیٰ بھٹھا لوی اور مولانا محمد صابر بھٹھا لوی  
نے جو مفتی صاحب کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، حضرت سید صاحب سے صرف محبت ہی کا  
تعلق نہیں رکھا، بلکہ ان کے ہمراہ جہاد کرنے بھی تشریف لے گئے، مولانا مصطفیٰ نے نوشہرہ  
حاصل کر لی، اور مولانا محمد صابر واپس تشریف لائے اور ساری زندگی اسی جہاد و جہد میں گزار دی

لہ مکمل قصیدہ "سوانح احمدی" (انمولوی محمد جعفر صاحب تھانوی) میں منقول ہے۔ "سیرت سید احمد شہید" جلد اول  
میں اس قصیدہ کے ۸۲ اشعار نقل کئے گئے ہیں (ملاحظہ ہو پندرہواں باب جلد اول) ہر صاحب کی کتاب  
سید احمد شہیدؒ میں بھی قصیدہ کا بڑا حصہ منقول ہے، آخری شعری شاعر کا قصص آیا ہے۔

ہو جس بھی ترے الطاف سے ممنون سدا      ہے جمعیتِ باطن سے نہایت خوش تر

اس خاندان کے بزرگوں سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ قصیدہ مولانا ابوالحسن صاحب کی کتاب ہے، جو جس شخص کرتے تھے،  
اور کاغذ کے خاندانی کاغذات میں موجود ہے، "حالات شائع کاغذ" میں بھی اس کے ۳۶ ابیات منقول ہیں ۱۳۲-۱۳۳

۲۵ حالات شائع کاغذ ۲۰۵ بحوالہ صفحہ رحمانی، سید احمد شہیدؒ، "تالیف مولانا غلام رسول ہاشمی شہیدؒ"  
بالاکوٹ میں، نمبر ۱۳۱ پران کا نام درج ہے۔

مولانا حیرت لکھتے ہیں :-

”ہم عمر در سر برای واداد اعانت قافلہ میر سید احمد شہید مرحوم گزرا نیدہ  
اسی کا اثر تھا کہ کاندھلہ اور جھنجھانہ کا یہ پورا خاندان حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی  
تحریک کا گرویدہ تھا، گھروں میں اندریا باہر چھوٹا ہویا بڑا، مرد ہویا عورت، سب کی  
زبانوں پر اسی تحریک کا چرچا، اور حضرت سید احمد شہیدؒ کا تذکرہ تھا۔

### مولانا محمد ساجد جھنجھانوی

مولانا حکیم محمد شریف کی اولاد میں دوسری شاخ مولانا محمد فیض سے چلی جن کے ناموں  
فرزند مولانا حکیم محمد ساجد جھنجھانوی تھے، جو ۱۲۰۳ھ میں پیدا ہوئے، بڑے صاحبِ فضل و کمال  
اور تبحرِ عالم اور صاحبِ طبیب تھے، مفتی الہی بخش کاندھلوی نے ان کے متعدد دفنوں سے نقل کئے ہیں،  
شاہجہاں بادشاہ نے جو دو ہزار سیکہ معافی کا فرمان ان کے جد امجد مولانا حکیم محمد اشرف کی  
خدمت میں پیش کیا تھا، اور جس کو موصوف نے قبول نہیں کیا تھا، وہ پھر حکیم مولانا محمد ساجد کی  
خدمت میں پیش کیا گیا، جو آپ نے قبول فرمایا، اس طرح آپ دینی اور علمی کمال کے ساتھ  
ساتھ دنیوی عزت و وجاہت کے مقام پر بھی فائز تھے، آپ نے ایک کتاب بھی تصنیف کی  
جس کا نام ”عجائب الغرائب“ تھا، شعر و سخن سے بھی ذوق رکھتے تھے، آپ کے ایک فرزند  
تھے، جن کا نام حکیم غلام محی الدین تھا، اور ان کے بھی ایک فرزند حکیم کریم بخش نامی تھے، حکیم  
کریم بخش کے دو فرزند ہوئے۔ (۱) شیخ غلام حسن (۲) شیخ غلام حسین۔

۱۔ ”مفتی رحمانی“ ترجمہ: ساری عمر حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلہ کی سربراہی اور اعانت و ہمراہی میں گزار دی۔

۲۔ ”حالات مشائخ کاندھلہ“ ۲۵۵، مولوی نور الحسن راشد صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ فرمان مولانا محمد اشرف کے صاحبزادگان  
کے نام ۱۰۵۶ھ میں جاری ہوا تھا، باوجود صدیوں کی دماغی کمی و بے ہوشی کے۔



## مولانا محمد صابر اور مولانا محمد مصطفیٰ الشہید اور ان کی اولاد

شیخ غلام حسن کی شادی حضرت مفتی الہی بخش کی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے دو فرزند تولد ہوئے (۱) مولانا حافظ محمد صابر (۲) مولانا حافظ محمد مصطفیٰ الشہید۔

مولانا محمد صابر درویش صفت، صوفی منش، عابد و زاہد بزرگ تھے، حضرت ابجد شہیدؒ کے ہمراہ معرکہ جہاد میں شرکت کی، اور واپسی کے بعد ساری زندگی سید صاحب کے قافلہ کی امداد و اعانت میں گزار دی، ایک فرزند چھوڑا جن کا نام حافظ محمد عبداللہ تھا، جو بزرگ و تقویٰ میں اپنے والد کے قدم بقدم تھے، دل میں جہاد کا شوق رہتا، آخر میں بینائی جاتی رہی ہر وقت ان کی زبان پر یقرہ رہتا، کوئی بندوق دے دو جہاد کو جانا ہوں!۔

آپ نے دو فرزند چھوڑے (۱) حافظ محمد یوسف (۲) حافظ محمد یونس الشرفعلی نے ان دونوں بزرگوں کو خیر و صلاح کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، صاحب حالات شائع کا دھلا نے ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:-

”ان دونوں بزرگواروں کا ابتدائی زمانہ تو سلسلہ ملازمت باہر گزارا لیکن اپنے اخیر دور میں کاندھلہ کی زینت اور نمونہ سلف تھے، نورانی شکلیں، ایمانی باتیں، اسلامی اطوار و عادتیں، وضع داری، احباب نوازی، منساری، ہر ایک کی بہرہ و اور خیر خواہی اور غم گساری، ان دونوں بھائیوں کی نمایاں خصوصیات تھیں، اور دونوں دیندار متقی، پرہیزگار، تہجد گزار بزرگ تھے!“

حافظ محمد یوسف کی پہلی اہلیہ سے تین صاحبزادیاں ہوئیں، جن میں دو کی یکے بعد دیگرے

مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی سے شادی ہوئی جن میں دوسری اہلیہ سے مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث ہیں۔

### جد بزرگوار مولانا محمد اسماعیل حسنا اور ان کے صاحبزادگان

حضرت شیخ الحدیث کے دادا مولانا محمد اسماعیل صاحب (بن مولوی غلام حسین حسنا) دہلی کے باہر حضرت نظام الدین اویاؒ کے مرقد کے قریب پونٹھ کھمبے کے نام سے جو تاریخی عمارت ہے اس کے سرخ پھانک پر ایک عمارت میں رہا کرتے تھے۔

آپ کا قدیم آبائی وطن (جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے) بھجنپانہ ضلع مظفر نگر تھا، لیکن پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ نے مفتی الہی بخش صاحب کاندھلوی کے خاندان میں (جو آپ کے یک جدی تھے) عقد ثانی کر لیا تھا، جس کی وجہ سے کاندھلہ برابر آمد و رفت رہتی تھی، اور وہ بھی وطن کی طرح ہو گیا تھا۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب، مرزا الہی بخش صاحب (مرزا ہدایت افزا بہادر) کے جو بہادر شاہ کے سہمی تھے، بچوں کو پڑھاتے تھے، پھانک کے اوپر کے مکان میں رہتے تھے، متصل ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی، جس کے سامنے مرزا الہی بخش صاحب کی نشست گاہ تھی، جس پر ٹین پڑا ہوا تھا، اسی بناء پر اس کو بنگلہ والی مسجد کہتے تھے، مولانا اپنی زندگی عزت اور گناہی اور عبادت میں گزار رہے تھے، خود مرزا الہی بخش صاحب کو ان کے مرتبہ کا احساس اس وقت ہوا جب مولانا کے مستجاب الدعوات ہونے کا ان کو ذاتی تجربہ ہوا۔

اے خاندان کے تعارف میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ زیادہ تر خواہر زادہ عزیز مولوی محمد نانی مرحوم کی کتاب ”سوانح مولانا محمد یوسف“ سے مولیٰ لفظی ترسیم اور چند اضافوں کے ساتھ منقول ہے۔

ذکر و عبادت، آئے گئے مسافروں کی خدمت اور قرآن مجید و دین کی تعلیم شب و روز کا مشغلہ تھا، خدمت و تواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لا دے ہوئے پیا سے اُڑھ کر نکلتے ان کا بوجھ اتار کر رکھ دیتے، اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر ان کو پانی پلاتے، پھر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی اس خدمت کی توفیق دی، میں قابل نہ تھا، عام اجتماع و ہجوم کے زمانہ میں پانی اور لوٹوں کا خاص اہتمام رکھتے، اور ضائع الہی اور قربت خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خلق خدا کی راحت و رسانی اور خدمت میں مشغول رہتے۔

مولانا ہر وقت ذکر و خواہدار رہتے تھے، مختلف اوقات و حالات کے متعلق حدیث میں ہوا ذکر اور داد آئے ہیں ان کی پابندی کرتے تھے، اور آپ کو اس طرح مرتبہ احسان حاصل تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے طریق سلوک کے حصول کی خواہش کی، مولانا نے فرمایا کہ آپ کو اس کی حاجت نہیں، جو اس طریق اور ان ذکر و اذکار کا مقصد ہے، وہ آپ کو حاصل ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے کے بعد یوں کہے کہ قاعدہ بغدادی میں نے نہیں پڑھا، اس کو بھی پڑھ لوں۔

مولانا کو قرآن مجید کی تلاوت اور ورد سے خاص شغف تھا، پرانی تمنا تھی کہ کبریا پرانا رہوں، اور قرآن پڑھتا رہوں، رات کو اس کا خاص اہتمام تھا کہ گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی جاگتا ہے، ۱۲-۱ بجے تک منجھلے صاحبزادہ مولانا محمد یحییٰ صاحب مطالعہ میں مشغول رہتے، اس وقت مولانا محمد اسماعیل صاحب بیدار ہو جاتے، اور مولانا محمد یحییٰ صاحب سو جاتے، پچھلے پہر بڑے صاحبزادے مولانا محمد صاحب کو بیدار کر دیتے۔

۱۔ روایت مولانا محمد الیاسؒ ۲۔ ارواح ثلاثہ ۳۔ روایت مولانا محمد الیاس صاحب، بعض نابینا شہداء سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مولانا مظفر حسینؒ کا گندھلوی سے بیعت اور غالباً اجازت تھے، وارا العلوم دیوبند کی روداد ۱۳۱۴ھ میں آپ کو جانشین مولانا مظفر حسینؒ لکھا گیا ہے (افادہ مولوی راشدؒ کا گندھلوی) ۴۔ ایضاً

طبیعت انہی صلح کل واقع ہوئی تھی کہ کسی کو آپ کے کوئی شکایت نہ تھی، بے ہمہ  
ایسے تھے کہ اللہ نے باہم بنادیا تھا، آپ کی تلہیت، خلوص و بے نفسی، ایسی آشکارا تھی کہ  
دہلی کی مختلف انجیال جماعتیں جو اس زمانہ میں ایک دوسرے سے سخت متوتش و متفرق تھیں  
اور ان میں سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہ تھا، ان کے پیشواؤں کو آپ پر  
یکساں اعتماد اور آپ کی ذات سے بلا اختلاف عقیدت تھی۔

میوات سے تعلق بھی آپ کی حیات میں شروع ہوا، اس کی تاریخ یہ ہے کہ ایک مرتبہ  
آپ تلاش و فکر میں نکلے کہ کوئی مسلمان آتا جانا نظر پڑے تو اس کو مسجد میں لے آئیں، اور  
اس کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ لیں، چند مسلمان نظر آئے، ان سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟  
انھوں نے کہا مزدوری کے لئے، کہا کیا مزدوری ملے گی؟ انھوں نے مزدوری بتائی، فرمایا اگر اتنی  
مزدوری یہیں مل جائے تو پھر جانے کی کیا ضرورت، انھوں نے منظور کر لیا، آپ ان کو مسجد میں  
لے آئے، اور نماز سکھانے اور قرآن پڑھانے لگے، یومیہ مزدوری ان کو دے دیتے، اور ان کو پڑھنے  
اور سیکھنے میں مشغول رکھتے، کچھ دنوں کے بعد نماز کی عادت پڑ گئی، اور مزدوری چھوٹ گئی، یہ  
بنگلہ والی مسجد کے مدرسہ کی بنیاد تھی، اور یہ پہلے طالب علم تھے، اس کے بعد ۱۰-۱۲ میواتی  
طالب علم برابر مدرسہ میں رہتے، اور ان کا کھانا مرزا الہی بخش مرحوم کے یہاں سے آتا۔

۲۷ شوال ۱۳۱۵ھ (۲۶ فروری ۱۸۹۸ء) مولانا محمد اسماعیل صاحب نے انتقال فرمایا  
”مغفل“ تاریخ وفات ہے آپ نے دہلی شہر میں بہرام کے تڑا پے کی گھور والی مسجد میں وفات پائی  
مقبولیت عامہ کا اندازہ اس سے ہوگا کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اگرچہ  
جنازہ میں دونوں طرف بلیاں بندھی ہوئی تھیں، تاکہ لوگوں کو کا ندھا دینے میں سہولت ہو،  
۲۵ روایت مولانا محمد الیاس صاحب ۲۵ روایت مولانا احتشام الحسن صاحب کا ندھلوی۔

مگر اس کے باوجود بہت سے لوگوں کو دہلی سے نظام الدین تک (جو تقریباً سارے تھے تین میل) کا نذرہ دینے کا موقعہ نہیں ملا۔

جنازہ میں مختلف جماعتوں کے لوگ بکثرت شریک تھے، اور مختلف العقیدہ اور مختلف انجیال سلمان جو کم ایک جگہ جمع ہو سکتے تھے اس موقع پر مجتمع تھے مولانا کے منجیل صاحبزادہ مولانا محمد یحییٰ صاحب فرماتے تھے کہ میرے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب بڑے نرم مزاج اور متواضع بزرگ تھے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ کسی بزرگ کی تواضع فرمائیں اور نماز پڑھانے کے لئے اس کو اشارہ کر دیں، اور دوسری جماعت کے لوگ اور ان کے پیشوا ان کے پیچھے نماز پڑھیں، اس طرح اس موقع پر ایک نامناسب صورت پیش آئے، اس لئے میں خود آگے بڑھ گیا، اور میں نے کہا کہ میں خود نماز پڑھاؤں گا، سب نے اطمینان کے ساتھ میرے پیچھے نماز پڑھی اور کوئی اختلاف و انتشار نہیں پیدا ہوا۔

جنازہ میں اتنا ہجوم اور ایسی کثرت تھی کہ لوگوں نے بار بار نماز پڑھی جس کی وجہ سے دفن میں کچھ تاخیر ہوئی، اس عرصہ میں ایک صاحب اور اک بزرگ نے یہ دیکھا کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ”مجھے جلدی رخصت کر دو، میں بہت شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ میرے انتظار میں ہیں“

## مولانا کے صاحبزادے

مولانا محمد اسماعیل صاحب کے تین صاحبزادے تھے، پہلی بیوی سے مولانا محمد صاحب

۱۔ از حضرات نظام الدین۔ ۲۔ از شیخ الحدیث مولانا محمد زکیا صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ روایت مولانا محمد ایاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ (منقول از مولانا محمد ایاس کی ذاتی دعوت) (از مصنف ص ۳۳-۳۹)

جوسب سے بڑے بھائی تھے، اور اپنے والد کے جانشین ہوئے، دوسری بیوی سے (جو مولانا مظفر حسین صاحب کی نواسی تھیں) اور جن سے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد نکاح کیا تھا) دو صاحبزادے مولانا محمد کبھی صاحب اور مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہم تھے۔

## مولانا محمد صاحب

مولانا محمد صاحب ایک فرشتہ سیرت انسان تھے، حلم و تواضع، رحمت و شفقت، اور خیریت و انابت کی مجسم نصیب اور عباد الرحمن الذین یشقون علی الأرض حسناً (الآیات) کا ایک نمونہ، کم گو، بے آزار، عزت پسند اور اپنے کام سے کام رکھنے والے بزرگ تھے، متوکلانہ و زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے، نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد میں اپنے والد ماجد کی جگہ قیام تھا، ایک مدرسہ تھا، جو ان کے والد مرحوم کا جاری کیا ہوا تھا، جس میں ابتدائی تعلیم ہوتی تھی، اور زیادہ ترمیمات کے بچے پڑھتے تھے، توکل و قناعت پر مدرسہ کا کام چلتا تھا، دہلی اور میوات میں آپ سے بہت لوگ ارادت و عقیدت رکھتے تھے، اور دونوں جگہ آپ سے فیض تھا، مولانا محمد صاحب کی صورت سے تقویٰ کا سبق ملتا تھا، انوار کی چہرہ پر نہایت کثرت تھی، اکثر وعظ بھی فرماتے تھے، مگر بیٹھ کر جیسے کہ کوئی باتیں کرتا ہو، مسلسل تفریق کی صورت نہیں ہوتی تھی، بلکہ اخلاق و زہد کی احادیث سناتے اور ان کا سادہ ترجمہ اور مطلب بیان فرمادیتے۔

کسی زمانہ میں آنکھ کے قریب کوئی پھنسی نکلی تھی، جس پر یکے بعد دیگرے سات شکاف آئے، ڈاکٹروں نے کلورافارم ضروری بتایا، مگر انھوں نے شدت سے انکار کیا، لہٰذا حاجی عبدالرحمن صاحب (ناگد مولانا محمد صاحب) وغیرہ۔

اور یونہی بے حس و حرکت لیٹے رہے، ڈاکٹر متحیر تھے کہ ہم نے عمر بھر اس کی نظیر نہیں دیکھی۔

مولانا محمد صاحب نہایت ذاکر شاغل اور خوش اوقات بزرگ تھے، حدیث مولانا گنگوہی سے پڑھی تھی، انتقال سے پہلے ۱۶ سال تک ان کی تہجد فوت نہیں ہوئی، آخر وقت تک نماز جماعت سے پڑھی، عشاء کی نماز کے بعد وتر کے سجدہ میں انتقال ہوا۔

### مولانا محمد الیاس صاحب

مولانا محمد اسماعیل صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ مولانا محمد الیاس صاحب کے حالات و کمالات اور ان کی دعوت اور اس کے اثرات و فتوحات کے تذکرے کی یہ کتاب متعل نہیں کہ۔ ع

سفینہ چاہئے اس بحر بکراں کے لئے

اس موضوع پر نیا چیز مصنف کی مستقل کتاب "حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

### حضرت شیخ کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب

آپ مولانا محمد اسماعیل صاحب کا بڑھلوی کے منہیلے صاحبزادہ تھے، آپ کی

لے تحریر مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی (مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت)

۵۵-۵۶) اس کتاب کے کئی ایڈیشن ہندوستان، پاکستان میں نکل چکے ہیں، انگریزی و عربی

میں ترجمہ ہو چکا ہے، انگریزی ترجمہ "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ" سے شائع

ہوا ہے۔

والدہ صاحبہ بی بی صفیہؓ مولانا مظفر حسین صاحب کا ندھلوی کی نواسی اور بی امۃ الرحمن کی صاحبزادی تھیں، بڑی پاکیزہ صفت، عابدہ اور زاہدہ اور ذکر و شغل کرنے والی خاتون تھیں۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب بروز پختنبہ غزہ محرم ۱۲۸۸ھ مطابق ۳۳ مارچ ۱۸۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ تاریخی نام بلند اختر تھا، آپ فطرتاً ذہین و ذکی اور طبعاً لطیف المزاج پیدا ہوئے تھے، سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا، اور اس کے بعد والد صاحب کا ارشاد تھا کہ ایک قرآن روز پڑھ لیا کرو، باقی سارے دن چھٹی، مولانا محمد یحییٰ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں صبح کی نماز پڑھ کے اٹھی بی بی کے مکان کی چھت پر قرآن شریف کی تلاوت کرتا، اور جب تک ختم نہ کر لیتا روٹی نہ کھاتا، پھر ایسا نہ ہوتا کہ قرآن شریف کے ختم پر وہ آرام کرتے ہوں بلکہ علم کا ذوق ان کو مزید کتابوں کے مطالعہ پر آمادہ کرتا، اور اسی نازگی اور نشاط سے کتابوں کا مطالعہ کرتے، وہ خود فرماتے تھے:-

”میں عموماً ظہر سے قبل پورا قرآن مجید ختم کر لیا کرتا، اور پھر کھانا کھا کر چھٹی کی وقت میں اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا“

۱۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کی والدہ صاحبہ کے رفیع حالات، اوراد و اشغال، اور حفظ و تلاوت قرآن کے غیر معمولی خصوصیات کے لئے ملاحظہ ہو ”مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت“ ص ۴۲-۴۳

۲۔ بی امۃ الرحمن صاحبہ ایک راجعہ سیرت بی بی تھیں، حالات کے لئے ملاحظہ ہو ”مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت“ ص ۴۱-۴۲

۳۔ بلند اختر سے ۱۲۸۷ھ تک ہے، شاید اختلاف رویت اس کا سبب ہو، ولادت اخیر ذی الحجہ میں ہوئی ہو، اس بناء پر یہ تاریخ نکالی گئی، اور دوسری جگہ محرم کی رویت ثابت ہو گئی ہو، اس لئے تاریخ ولادت ۱۲۸۸ھ درج کی گئی ہے۔ ۴۔ یعنی بی امۃ الرحمن صاحبہ۔

۵۔ ”حالات شارح کا ندھلہ“ ص ۲۲۱



آپ کے والد مولانا محمد اسماعیل صاحب چونکہ بڑے شب زندہ دار بزرگ تھے اور نماز تہجد کا بڑا اہتمام فرماتے تھے اس لئے آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب کو اخیر شب میں سویرے ہی سے اٹھا دیا کرتے تھے کہ شروع ہی سے اس کی عادت پڑے، مولانا محمد صاحب تو اٹھ کر طویل نقیلیں پڑھا کرتے تھے، مگر مولانا محمد یحییٰ صاحب مختصر نوافل پڑھ کر کتاب دیکھنے میں لگ جاتے کہ طبیعت اس پر مجبوعی تھی۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب خود فرماتے تھے کہ والد صاحب کو وضو کے اور ادکا خاص اہتمام تھا، اور ہم پر بھی اصرار تھا کہ پابندی کریں، مگر مجھے علم کی دھن تھی، اس لئے میں وضو کرتا ہوا بھی فارسی اور عربی کے لغات یاد کیا کرتا، والد صاحب میری رٹائی کو سننے تو ملامت کے طور پر فرمایا کرتے، ”خوب وضو کی دعائیں پڑھی جا رہی ہیں شرم کی بات ہے!“ ادب کے متعلق مولانا خود فرماتے تھے:-

”تمام ادب میں استاد سے میں نے صرف ”مقامات حریری“ کے ٹوٹے پڑھے ہیں، اور وہ بھی اس طرح کہ استاد نے کہلایا تھا کہ میرے مکان کو آتے جاتے راستے میں پڑھ لیا کرو، اس لئے میں ساتھ جاتا اور راستے میں پڑھا کرتا، اور اکثر جبکہ استاد فرمایا کرتے کہ اس لفظ کے معنی مجھ کو معلوم نہیں خود دیکھ لینا!“

آپ کی علمی استعداد اور علوم نقلیہ کے ساتھ فنون عقلیہ کی مہارت تامہ اس نوعمری ہی میں ستم اور مشہور ہونے کے ساتھ علمائے عصر میں حیرت کی نظروں سے دیکھی گئی کہ بڑوں بڑوں کو مولانا سے علمی مکالمہ میں فخر تھا، عربی ادب میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ نظم و نثر دونوں بے تکلف لکھ لیتے تھے۔

شوال ۱۳۱۱ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں حدیث پڑھنے تشریف لے گئے، چونکہ بڑے بھائی مولانا محمد صاحب نے حدیث تشریف حضرت گنگوہی سے پڑھی تھی، اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کو حضرت گنگوہی سے بڑی عقیدت تھی، اس لئے انھیں کی خدمت میں حدیث تشریف پڑھنے گئے، لیکن اس زمانہ میں حضرت گنگوہی کو نزولِ ماء کی شکایت ہو چکی تھی، اس لئے حدیث کا درس بند ہو چکا تھا، لیکن مولانا محمد یحییٰ صاحب نے وہیں کا قیام اختیار کر لیا، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری کی درخواست پر دورہٴ حبث پھر شروع ہو گیا، یہ حضرت کا آخری درس تھا جس کی رونق اور روح رواں مولوی یحییٰ صاحب ہی تھے، جب تک باہر رہتے درس کا رہنما مولانا کا ایسا اعتماد اور دل میں جگہ حاصل تھی کہ پیش کا ہو گئے، تھوڑی دیر کے لئے کہیں جاتے تو مولانا بے چین ہو کر فرماتے، مولوی یحییٰ نابینا کی لاٹھی ہیں۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب نے اثنائے درس میں اس کا بھی اہتمام کیا تھا کہ حضرت مولانا گنگوہی کی تقریروں کو جو سبق میں سنتے خارج وقت میں ضبط کر کے نقل فرماتے، اور لکھ لیا کرتے جو ہر کتاب حدیث کی ایک مستقل تعلیق اور زادِ راہ اور جو شرح بن گئی تھی، پوے بارہ سال حضرت گنگوہی کی خدمت میں گزارے اور اس پوری مدت میں حضرت گنگوہی کی محبت و شفقت کی آغوش میں پلے، اور اس وقت گنگوہی سے رخصت ہوئے، جبکہ حضرت گنگوہی وصال فرما گئے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری چونکہ آپ کی ذکاوت اور ذہانت اس وقت جانچ چکے تھے، جبکہ آپ دہلی میں طالب علم تھے، اس لئے آپ مدت سے متمنی تھے کہ کسی طرح مولانا محمد یحییٰ صاحب مدرسہ مظاہر العلوم میں درس حدیث

کے لئے آجائیں، مولانا کو چند روز کے لئے بلایا، اور تیسرے سال مستقل قیام پر زور دیا، چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ میں مولانا مدرسہ نظام العلوم میں درس حدیث کے لئے مستقل تشریف لائے اور اس وقت سے لے کر ساڑھے پانچ سال کامل مدرسہ میں برابر درس حدیث دیتے رہے اور کبھی کوئی معاوضہ نہیں دیا۔

محاش کے لئے ایک تجارتی کتب خانہ قائم کر رکھا تھا جس کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے، عجیب باغ و بہار طبیعت لے کر آئے تھے ”بگاہ باللیل، بستانم بالنہار“ (رات کو بہت رونے والے، دن کو بہت مسکرنے والے) آپ کی صفت تھی، ”ادھر گریہ طاری ہے، اُدھر دوستوں کو اپنے کنتوں اور بندہ سنجیوں سے ہنسا ہے، دیدہ گریاں، روعے خنداں، اور زبان گل افشاں کا پورا مجموعہ تھے، دل کے سوز و گداز، اور راتوں کے راز و نیاز کی خبر بہت لوگوں کو تھی، معمولی آدمیوں کی طرح رہتے۔

قرآن شریف سے بڑا شغف تھا، مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی ”تذکرۃ اخیلین“ میں لکھتے ہیں :-

”ایک مرتبہ میری درخواست پر آپ رمضان میں قرآن شریف سنانے کے لئے میرٹھ تشریف لائے تو کچھ دن بھر میں چلتے پھرتے پورا قرآن مجید تم فرماتے تھے اور افطار کا وقت ہوتا تو ان کی زبان پر ”قُلْ اُحِبُّ ذِیَ السَّالٰتِ“ ہوتی تھی، ریل سے اتارے تو عشا کا وقت ہو چکا تھا، ہمیشہ با وضو رہنے کی عادت تھی اس لئے مسجد میں قدم رکھتے ہی مہلا پر آگئے اور تین گھنٹے میں دس پائے ایسے صاف اور رواں پڑھے کہ ہمیں کفایت تھی، نہ نقشب، گویا قرآن شریف سامنے کھڑا رکھا ہے اور

باطینان پڑھ رہے ہیں، تیسرے دن ختم فرما کر روانہ ہو گئے کہ دور کی ضرورت تھی  
نہ سانس کی حاجت!ؑ

مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلویؒ حالات مشائخ کاندھلہؒ میں لکھتے ہیں:۔  
”حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاممول تھا کہ ہر رمضان المبارک میں اپنی والدہ صاحبہ  
اور نانی صاحبہ کو قرآن شریف سنانے کے لئے کاندھلہ تشریف لے آتے اور ہمیشہ  
تین شب میں پورا قرآن شریف سنا کر واپس تشریف لے جاتے جس سال ذی قعدہ  
میں آپ کا وصال ہوا اس رمضان میں ایک ہی شب میں پورا قرآن مجید سنایا،  
اور اگلے ہی دن واپس تشریف لے گئے!ؑ

قرآن کریم کے شغف اور درس حدیث کے علاوہ خدمتِ خلق، حسن سلوک و طیفہ زندگی  
تھا ہیرواؤں اور تسمیوںؒ نادار طلبہ کے ساتھ عمر بھر حسن سلوک فرماتے رہے اور اتنے پوشیدہ طریقہ  
سے یہ کام کرتے کہ کسی دوسرے کو کانوں کان خبر نہ ہوتی، سادگی اور اپنے نفس کی طرف سے  
استغناء کا یہ عالم تھا کہ گھر میں شاید پانچ روپے کا غلہ بھی ایک دفعہ نہیں ڈلوایا، مگر مصارف  
خیر بر خیر کا یہ عالم تھا کہ جس وقت انتقال ہوا تو آٹھ ہزار روپے کے مقروض تھے، اور کسی کو  
خبر بھی نہ تھی کہ کس مدین خرچ ہوا!ؑ

۱۔ از ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ کو انتقال فرمایا، انتقال کے وقت پچھالیس سال کی عمر تھی،  
(جو گویا جوانی ہی کا زمانہ ہے) سہانہ نیور کے مشہور قبرستان حاجی شاہ میں جہاں مولانا  
محمد مظہر صاحب بانی مدرسہ مظاہر العلوم اور مدرسہ مظاہر العلوم کے اور دوسرے اکابر بھی  
آرام فرما رہے ہیں مدفون ہوئے۔

مولانا محمد الیاس صاحب کا معمول تھا کہ جب مرحوم بھائی کا ذکر کرتے تو ایک محوِ رسی طاری ہو جاتی اور سب کچھ بھول جاتے، ان کے اوصاف، کمالات اور ان کے واقعات کا مزالے لے کر ذکر کرتے اور فرماتے، حضرت میرے بھائی ایسے تھے، خصوصیت کے ساتھ ان کی جامعیت، مصالحانہ روش، اعتدالِ طبیعت، مختلف عواصر اور بظاہر اضراد کو جمع کرنے اور جمع رکھنے کی خداداد قابلیت، غیر معمولی ذکاوت اور سلامتِ فہم کے واقعات بڑی تفصیل اور دھچپی سے سناتے تھے، علوم میں آپ کے بعض تحقیقی کلمات اور کلیات کا حوالہ دیتے ہیں۔

### مولانا محمد یحییٰ صاحب کے کچھ حالات اور خصوصیات حضرت شیخ الحدیث کی زبان سے

مرزا تریا جاہ مرحوم (فرزند مرزا الہی بخش) کو مولانا محمد عیسیٰ صاحب سے بڑی عقیدت اور محبت تھی اور انھوں نے مولانا سے باصرار اور تکرار اپنی اس خواہش کا ذکر کیا کہ میں اپنی لڑکی قیصر جہاں بیگم کو نکاح عزیز مولوی محمد یحییٰ سلمہ سے کرنا چاہتا ہوں، مولانا محمد اسماعیل صاحب فیض بزرگ تھے، وہ اس شاہی خاندان سے رشتہ کیا پسند کرتے؟ ان کے شدید اصرار پر انھوں نے نوعمر صاحبزادہ سے استمراج کیا، انھوں نے معذرت کر دی اور جواب دیا کہ "شہزادی سے نکاح کرنے کے بعد بورڈ پر بیٹنا تو کبھی نصیب نہ ہوگا، جس کا صاحبزادی موصوفہ کو بہت قلق تھا۔"

تعلیم اور تربیت کے سلسلہ میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کے یہاں سب سے زیادہ زور ترک تعلقات پر تھا، ان کا مقولہ تھا کہ "آدمی چاہے کتنا ہی غنی اور کنزِ ذہن ہو اگر اس میں تعلقات کا

مولانا محمد یحییٰ صاحب کی یہاں تعلیم میں جدت تھی، ان کے یہاں درس نظامی کی پابندی نہیں تھی، شخص کی حیثیت کے مطابق کتاب تجویز ہوتی تھی، الفیہ ابن مالک کا سبق روزانہ حفظ کرتے تھے، ان کے یہاں پہلے قواعد زبانی یاد کرائے جاتے تھے، اس کے بعد ان قواعد کا اجرا تختی یا ردی کاغذوں پر کیا جاتا تھا، رمضان میں تعطیل نہیں ہوتی تھی، البتہ رمضان کی کتابیں علیحدہ ہو جایا کرتی تھیں، ادب پر بہت زور تھا، نحو میر کے ساتھ ہی عربی سے اردو، اردو سے عربی بنونے کا اہتمام تھا، ادب میں چہل حدیثوں کا بہت دستور تھا، ادب کی کتابوں میں وہ محنتی کتابوں کے پڑھانے کے مخالف تھے۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب مدراس کے موجودہ طرز تعلیم کے بہت خلاف تھے، فرمایا کرتے تھے،  
اس سے استعداد پیدا نہیں ہو سکتی، مدرس تورات بھر مطالعہ دیکھے اور سبق میں ساری تقریریں  
کریں، طلباء غلام کا احسان ہے کہ وہ نہیں یا نہ سنیں، ادھر ادھر مشغول رہیں ان کے یہاں  
سارا بار طالب علم کے اوپر رہتا تھا، وہ مطالعہ دیکھے سبق پر تقریر کریں، فرماتے تھے کہ استاد کا کام

صرف یہ ہے کہ وہ ہوں کرے یا وہ ہوں۔

مولانا یحییٰ صاحب کی علالت ایک دن سے بھی کم رہی ۹ روزی قعدہ جمعہ کی صبح سے طبیعت میں اضمحلال اور افسردگی تھی، جمعہ کی نماز دارالطلبہ میں اطمینان سے پڑھائی، جمعہ کے بعد حسب معمول کھانا کھا کر لیٹ گئے، تو کچھ معمولی اسہال کا سلسلہ شروع ہوا، جو شام تک بڑھتا رہا، عشاء کے بعد مولوی عبداللہ رحمان صاحب وکیل کی کوٹھی پر ایک سفارش کے لئے جانے کا ارادہ کیا لیکن لوگوں نے روک لیا، اسہال بند ہو گئے، اور احتیاس ہو گیا، اگلے دن صبح کو (۱۰ روزی قعدہ ۱۳۳۵ھ) جان جان آفریں کے سپرد دی، اخیر وقت میں زبان پر ضرب کے ساتھ بغیر ہر اسم ذات کا ذکر شدت سے جاری تھا، چند منٹ کے بعد وصال ہو گیا، قبرستان حاجی شاہ میں تدفین ہوئی، انتقال ۸ بجے ہوا، اور دس بجے تدفین سے فراغت ہو گئی، شنبہ کی صبح کو مولانا یحییٰ صاحب کا انتقال ہوا اور دوپہر کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا جہاز بمبئی پہنچا۔

مولانا کی زندگی بڑی سادہ تھی، ان کے لباس یا طرز معاشرت سے کوئی ان کو مولوی بھی نہیں سمجھتا تھا، کپڑے زیادہ تر میل فورہ پہنتے تھے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اکابر میں بہت بے تابی سے رونے والا حضرت مدنی قدس سرہ اور اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کو دیکھا، قرآن شریف پڑھنے کا بہت ہی کثرت سے معمول تھا، خالی اوقات میں حفظ قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے، اور آخر شب میں جہر و بکاء کے ساتھ۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب فرماتے تھے کہ میرے بھائی مولوی محمد صاحب نے چونکہ حدیث پاک گناؤں میں پڑھی تھی اس لئے میں حضرت گناؤں ہی قدس سرہ کا بہت متفق ہو گیا تھا، اور طے کر لیا تھا کہ

لے آپ بقیہ حصہ دوم ص ۵۷۵ ایضاً ص ۵۷۶-۱۱۲ ۵۳ ایضاً ص ۵۷۷ ایضاً ص ۵۷۸

اگر حدیث پڑھوں گا تو حضرت سے ورثہ نہیں، اور اعلیٰ حضرت گنگوہی امراض کی کثرت اور بہت سے عوارض کی وجہ سے کئی سال پہلے سے حدیث کے اسباق بند فرما چکے تھے، مولانا خلیل احمد صاحب نے حدیث کے امتحان میں جو مدرسہ حسین بخش میں ہوا تھا، اور مولانا نے مطالعہ اور محنت سے اس کی تیاری کی تھی، اُس کے جوابات دیکھ کر حضرت گنگوہی سے سفارش فرمائی کہ حضرت نے اعجاز کی وجہ سے سبق بند کر دیئے، مگر ایک سال دورہ میری درخواست پر اور پڑھا دیں کہ مولانا اسماعیل صاحب کا دھلوی ثم دھلوی کے لڑکے مولوی یحییٰ کا میں نے امتحان لیا ہے، ایسا ذہین طالب علم بڑی شکل سے ملتا ہے، حضرت نے یکم ذی قعدہ ۱۳۵۲ء سے ترمذی شروع فرمادی، اس کے بعد بخاری شریف شروع ہوئی۔

حضرت سہارنپوری جس دن بمبئی پہونچے اسی دن مولانا یحییٰ صاحب کا انتقال ہوا، مولانا کے انتقال کا تاثر حضرت کو بمبئی میں ملا، حضرت سن کر سکتے میں رہ گئے، تین چار دن پہلے حضرت کا عدن سے نارا آیا تھا کہ فلاں جہاز سے تشریف لائے ہیں، اس پر مولانا نے رائے پورا اطلاع کا جو خط لکھا تھا، اس کی ابتدا اس شعر سے کی تھی ۵

مژدہ اے دل کہ دگر باد صبا باز آمد  
بہد خوش خبر از شہر سباز آمد





## باب سوم

### پیدائش سے فراغت علمی تک

#### ولادت و طفولیت

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، مولانا محمد یحییٰ صاحب کی شادی یوسف صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، حضرت شیخ الحدیث ۱۳۱۵ھ میں رمضان کی گیارہویں شب میں گیارہ بجے رات کو ————— کا نہرہلہ میں پیدا ہوئے، ولادت کی نوید ملی تو خاندانی مسجد میں خاندان کے شرفاء و بزرگ اور اہل محلہ تراویح سے فالغ ہو رہے تھے، اس لئے بجائے اپنے اپنے گھر جانے کے پہلے اس مکان پر آئے جہاں اس مبارک بچہ کی ولادت ہوئی تھی، بچہ کی ولادت پر مبارک باد پیش کی، پھر اپنے اپنے گھر واپس گئے۔

بچہ کے دادا حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب نظام الدین دہلی میں تھے پوتے کی پیدائش کی خبر سنی تو جبرستہ زبان سے نکلا کہ ”ہمارا بادل آگیا“ اور اسی سال شوال میں دنیا سے رحلت فرمائی۔

ساتویں روز آپ کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب کا نہرہلہ تشریف لائے، گھر پہنچ کر

۱۔ اس باب کا مواد و علومات تمام تر مصنف کے استفسارات کے جواب میں شیخ کے مکاتیب اور آپ بتی سے اخذ ہیں، جن سے زیادہ مستند ذریعہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

بچہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، اس زمانہ میں قدیم خاندانوں میں بڑی حیا اور حجاب تھا، باپ بزرگوں کے سامنے بچوں کو لینے اور ان سے انہماک تعلق کرنے میں بڑا حجاب محسوس کرتے تھے اور اس کا دستور ہمیں بتاتا کہ اس طرح بچہ کو دیکھنے کے لئے بلایا جائے، وہاں گھر میں عقیقہ کے لئے کچھ نہ کچھ اہتمام ہونا ضروری تھا، خاص طور پر رشتہ کی ایک انی نے جن کا نام بی بی مریم تھا، بچہ کے عقیقہ کے لئے بڑا منصوبہ بنا رکھا تھا، اور ان کو اپنے دل کے ارادے کا نئے کی بڑی خوشی تھی، مولانا بچہ کی صاحب کے اچانک پہنچنے اور بچہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کرنے سے بیسیوں کو یک گونہ حیرت اور یک گونہ سرست ہوئی، اور بعض نے یہ کہہ کر اپنی حیرت دور کی کہ آخر باپ ہیں اگر دیکھنے کو جی چاہا تو کیا بے جا ہے؟ مولانا حجام اپنے ساتھ لائے تھے، بچہ آیا تو حجام کو اشارہ کیا اس نے بال تراش لئے، مولانا نے بال والدہ کے پاس بھجوا دیئے، اور فرمایا کہ بال میں نے بنوا دیئے، بکرے آپ ذبح کروا دیجئے، اور بال کے وزن بھر چاندی صدقہ کر دیجئے۔ بچہ کے دو نام رکھے گئے محمد موسیٰ، محمد زکریا، اسی دوسرے نام نے شہرت عام پائی، آپ اسی سے شہور و مقبول عوام و خواص ہوئے۔

اس وقت مولانا محمد بکری صاحب کا قیام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں مستقل طور پر گنگوہہ رہا کرتا تھا، ضرورتاً کا نہ دھلہ اور دہلی آتے جاتے شیخ الحدیث کی عمر ڈھائی سال کی تھی، اگر وہ بھی اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ گنگوہہ چلے گئے، مولانا محمد بکری صاحب کے ساتھ حضرت کا جو سرپرستانہ، مربیانہ بلکہ پدرانہ تعلق تھا، اس کی بنا پر اس خوش نصیب اور اقبال مند بچہ کو (جس کے لئے مستقبل میں حضرت کے کمالات باطنی کا حاصل و امین اور آپ کے علوم ظاہری کا ناشر اور شارح بننا مقدر تھا) آپ کی خصوصی شفقتوں و محبت کی لہ اس کی تفصیل مولانا محمد بکری صاحب کے حالات میں گزر چکی ہے۔

نگاہوں اور مقبول دعاؤں کا جو حصہ ملا ہو، وہ ہر طرح قرین قیاس ہے، شیخ فرماتے ہیں کہ ابھی میں ڈھائی سال ہی کا تھا، حضرت گولہ کے درخت کے نیچے چار زانو بیٹھے ہوتے تھے، میں حضرت کے پیروں پر کھڑا ہو کر حضرت سے خوب پٹتا، فرماتے تھے کہ جب میں کچھ اور بڑا ہو گیا، راستہ میں کھڑا ہو جانا، جب حضرت سامنے سے گزرتے تو میں بڑی قراءت سے اور بلند آواز کے ساتھ کہتا، السلام علیکم، حضرت بھی ازراہ محبت اور شفقت اسی لہجہ اور آواز میں جواب مرحمت فرماتے، شیخ فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی کی گود میں کھیلنا حضرت کے گھٹنوں پر پاؤں رکھنا اور گردن میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہونا حضرت کے ساتھ عیدین کے موقع پر پالکی میں بیٹھ کر عید گاہ آنا جانا جس کے اٹھانے والے بڑے بڑے علماء اور شاخ ہوتے تھے، اور بسا اوقات حضرت کے ساتھ کھانا کھانا اور حضرت کے پس خوردہ کا تنہا وارث بننا، اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

اس وقت گنگوہی صلیا و علماء کا مرکز بنا ہوا تھا، حضرت کی تربیت باطنی اور شہرہ آفاق درس حدیث نے طالبین صادقین اور علماء کا ملین کو دور دور سے کھینچ کر اس قصبہ میں جمع کر رکھا تھا، اور وہاں ایک ایسی روحانی و علمی فضا درو دیوار پر چھائی ہوئی تھی، جس کی نظیر اس مبارک عصر میں بھی دور دور ملنی مشکل تھی، شیخ کے بالکل بچپن کا وہ زمانہ جو غیر شعوری طریقہ پر اچھے بڑے اثرات کے جذب کرنے اور ابتدائی نقوش کے ترسم ہونے کا زمانہ ہے، اسی مبارک ماحول میں گزرا، وہ بارہ سال کی عمر تک گنگوہہ رہے، اس عمر تک ان کا زیادہ تر وقت گنگوہہ ہی میں گزرا، جب کبھی کسی تقریب میں شرکت کی غرض سے

لے فضائل زبان عربی ص ۷۲ ۷۳ گنگوہہ کے اس دور کا کسی قدر تفصیلی نقشہ ”تذکرۃ الرشید“ اور

”حضرت مولانا محمد الیاس کی سوانح“ میں ملاحظہ ہو۔

یا کسی ضرورت کے ماتحت والدہ صاحبہ کا عارضی طور پر کاندھلہ جانا ہوتا تو وہ بھی جاتے  
 پھر گنگوہ والسی ہو جاتی، خود ان کا وطن کاندھلہ ایک بڑا دینی و علمی مرکز تھا جس میں گھر کے  
 اندر اور باہر عبادت کا ذوق، نوافل و تلاوت کا اہتمام، اہل الشرا و مردانِ خدا سے  
 وابستگی و شفقتگی، درس و مطالعہ کا اہتمام، تہذیب و متانت، اور وضع داری و سنجیدگی،  
 - بلند ہمتی و جفا کشی ہوا و فضائیں رچی بسی ہوئی تھی، اور اس سے اس ہونہار بچہ کے  
 حساس اور بیدار دل و دماغ کا متاثر ہونا بالکل قدرتی تھا، گنگوہ سے کاندھلہ جاتے ہوئے،  
 مختلف قضیات و مقامات سے خاندان کے دیرینہ تعلقات تھے، اور مولانا محمد یحییٰ صاحب  
 کے بعض بے تکلف اور غلط احباب، ہم درس اور ہم عمر موجود تھے، کئی کئی روز قیام رہتا، کبھی کبھی  
 بڑولی کے راستہ سے جہاں خاندان کی قرابتیں بھی تھیں، اور بعض عزیز قریب اور ہم مذاق لوگ  
 موجود تھے، جانا ہوتا، یہاں بھی کئی کئی دن تک بڑی یادگار صحبتیں رہتیں یا ان بزم اور  
 شرکاءے محفل سب بڑے غلصہ، باوقار، باوضع و باکمال لوگ تھے، جن میں سے ہر ایک اپنے  
 اپنے فن میں کامل تھا، کبھی کبھی ان درمیانی منزلوں میں چار چار پانچ پانچ دن لگ جاتے،  
 شیخ بڑی دیکھی اور لطف کے ساتھ گنگوہ، کاندھلہ، اور راستہ کے مقامات اور منزلوں کے  
 واقعات سناتے تھے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ کے ساتھ ان کی قوت مشاہدہ کتنی تیز  
 تھی، اور ان مشاہدات اور گزشتہ صحبتوں نے ان کی سیرت اور ذوق کی تشکیل میں کتنا حصہ  
 لیا تھا۔

لے اس زمانہ کے بزرگ بچوں کی اخلاقی تربیت اور ان کے خاص طرح کے ذہنی نشوونما کے لئے بعض ایسے  
 طریقے اختیار کرتے تھے، جن پر کچھ کل کے ماہرین نفسیات اور ماہرین تعلیم (جو بچے کی ہر طرح کے خواہشات کی مکمل  
 اور اس کو مکمل آزادی دینے کی تلقین و تبلیغ کرتے رہتے ہیں) حیرت و حیرت میں ہوں گے، معلوم ہوتا ہے کہ مولانا  
 (باقی صفحہ ۵۳ پر)

شیخ آٹھ سال کے تھے کہ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۲۳ھ کو حضرت گنگوہی نے وفات پائی اور وہ آفتاب رشد و ارشاد غروب ہوا جس نے گنگوہ کی سرزمین کو مطلع انوار بنادیا تھا، اور جس کے دم سے اس چھوٹے سے نصیب کو یہ مرکزیت و مقبولیت حاصل تھی، حضرت کی وفات پر علماء و صلحاء جو بڑی تعداد میں جمع تھے، تفرق ہو گئے، لیکن مولانا محمد یحییٰ صاحب جنھوں نے حضرت کو اپنے والدین پر، اور گنگوہ کو اپنے وطن پر ترجیح دی تھی، وہیں پڑے رہنے کا فیصلہ کیا اور بدستور وہیں مقیم رہے۔

## تعلیم کا آغاز

اس زمانہ کے اکثر قدیم گھرانوں اور شرفاء کے خاندانوں میں رواج تھا کہ ۴-۵ سال کی عمر میں بچہ کتب بٹھا دیا جاتا تھا، اور اس کی تسمیہ خوانی ہو جاتی، شیخ کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب کا معاملہ تو اور بھی خصوصی تھا کہ خود شیخ کی روایت کے مطابق جب دودھ چھٹا تو پاؤ پارہ حفظ تھا، اور سات برس کی عمر میں قرآن مجید کا حفظ مکمل ہو چکا تھا، لیکن شیخ کی سات برس کی عمر تک سبب التدریج نہیں ہوئی، بچہ کا نشو و نما اور اٹھان اچھا تھا، اس عمر تک

(باقی صفحہ ۵۴) محمد یحییٰ صاحب کو خاص طور پر اس کا اہتمام تھا، شیخ نے سنایا کہ ایک مرتبہ جب سیری عمر ۱۳ سال کی تھی والد صاحب نے کاندھلہ بھیجے گا وعدہ فرمایا، میں خوشی کے ماے پھولے نہیں سنا تھا، وہاں جانے کے دن گنگوہ لگا، اور عید کے چاند کی طرح اس کا انتظار کرنے لگا، چند دن کے بعد والد صاحب نے یہ ارادہ ملتوی فرمادیا مجھے اس پر تعجب بھی ہوا، اور طال بھی، ایک روز فرمایا کہ تجھے کاندھلہ جانے کی بے حد خوشی تھی، اور تجھ پر اس کا شوق اتنا غالب آگیا کہ میں نے اسی وجہ سے اس کو ملتوی کر دیا کہ اس پر اتنا خوش ہونا، اور اس کا اتنا شوق و اشتیاق

ٹھیک نہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "آپ بیتی ما" ص ۲)

تعلیم شروع نہ ہونے پر خاندان کے بزرگوں کو تعجب تھا، دادی صاحبہ نے (جو خود حافظ قرآن تھیں) ایک مرتبہ اپنے لائق فرزند سے فرمایا کہ ”بھئی! اولاد کی محبت میں اندھے نہیں ہوتے تو نے تو ساٹ سال کی عمر میں حفظ کر لیا تھا! یہ اتنا بڑا اہل پھر رہا ہے آخر اس جوئے گٹھوڑیکا کیا کیا کر لگا؟“ مولانا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ”جب تک کھیلے اس کو کھیل لینے دیجئے جس دن یہ کو لھو میں سر دے گا قبر ہی میں دم لے گا۔“

بالآخر وہ مبارک دن آیا کہ بچہ کی بسم اللہ ہوئی انگلوہ قیام تھا، اس زمانہ میں مظفرنگر کے ایک نیک صالح بزرگ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب مقیم تھے جن کے ساتھ مولانا محمد عیسیٰ صاحب کی بڑی نشست و برخاست رہتی تھی، ڈاکٹر صاحب کے انگلوہ کے قیام کا ایک ہی مقصد معلوم ہوا تھا اور وہ حضرت گنگوہی کی خدمت تھی، مولانا محمد عیسیٰ صاحب نے بچہ کو انھیں کے یہاں چڑھنے کے لئے بٹھایا، اور شیخ نے قاعدہ بغدادی انھیں سے ختم کیا۔

قرآن مجید کا حفظ اس خاندان کا خصوصی شعار اور تعلیم کا پہلا ضروری مرحلہ تھا، اسی مطابق حفظ کا سلسلہ شروع کرایا گیا، مولانا محمد عیسیٰ صاحب کا تعلیم و تربیت میں نرالا ہی دستور تھا، وہ ایک صفحہ کا سبق دے دیتے، اور فرماتے کہ اس کو ستر مرتبہ پڑھ لو پھر دن بھر پڑھیے، فطرت انسانی اور تقاضائے عمر سے بڑے سے بڑا ہونا ہر بچہ (خصوصاً جس میں ذہانت کا جوہر بھی ہو) مستثنیٰ نہیں ہوتا، شیخ فرماتے ہیں کہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایک صفحہ ستر مرتبہ پڑھنے میں کتنا وقت لگتا ہے، میں بہت جلدی اگر کہہ دیتا کہ ستر مرتبہ پڑھ لیا، والد صاحب اس پر کچھ زیادہ جرح قدح نہ فرماتے، اگلے دن کہتا کہ کل تو کچھ یونہی سا پڑھا تھا، آج ٹھیک ٹھیک ستر مرتبہ پڑھا ہے، فرماتے کہ آج کے سچ کی حقیقت تو کل معلوم ہوگی، سہارا پورا جانے اور عربی شروع ہوجانے کے بعد بھی یہ حکم تھا کہ ایک پارہ کو اتنی مرتبہ پڑھ لو، مغرب کے بعد

ایک صاحب اس کو سنتے تھے، اس میں خوب غلطیاں نکلتی تھیں، اس پر سہارنپور کے مشہور ولی مولوی عبدالرشید صاحب نے جن کو اس خاندان سے بڑا گہرا تعلق تھا، مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ایک روز کہا کہ ذکر یا کو قرآن یاد نہیں، مولانا نے فرمایا کہ بالکل نہیں، انھوں نے کہا کہ کیا بات؟ فرمایا کہ اسے عمر بھر کرنا ہی کیا ہے، قرآن ہی پڑھنا ہے، یاد ہو جائے گا۔

۱۳۲۸ھ تک یعنی ۱۲-۱۳ سال کی عمر تک گنگوہ قیام رہا، اس عرصہ میں اردو کے دینی رسائل بہشتی زیور وغیرہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں گنگوہ میں رہ کر پڑھیں، جو زیادہ تر شفیق اور بزرگ چچا مولانا محمد الیاس صاحب نے پڑھائیں۔

مولانا محمد الیاس صاحب کے یہاں سبق اس طرح ہونا کہ سبق میں اپنے ہی مطالعہ پر مدار تھا، فائن غلطی پر کتاب بند کر دیتے، فرماتے، ذکر یا اگر تو چھپتے چپ ہے تو میں تجھے ولی کر دوں، شیخ فرماتے تھے، چھپتے تو درکنار، چھ دن بھی چپ رہنا مصیبت ہے۔

## سہارنپور کا قیام اور عربی تعلیم کا آغاز

عربی تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ سہارنپور آکر ۱۳۲۸ھ میں شروع ہوا، مولانا محمد یحییٰ صاحب زندگی کے اکثر شعبوں، بالخصوص تعلیم کے مسئلہ میں مجتہد اندام رکھتے تھے، وہ مروجہ نصاب اور عام طریقہ تعلیم اور دوسری کتابوں کی متعارف ترتیب کے خلاف تھے، انھوں نے اپنی تجویز اور تجربہ ذہانت اور خدا داد ملکہ تعلیم کی مدد سے خود ایک نصاب تجویز کر رکھا تھا، مولانا محمد الیاس صاحب کا بھی عمل اسی پر تھا، شیخ کی تعلیم کے سلسلہ میں بھی اسی اجتہاد و انتخاب سے کام لیا گیا، ان کا دستور تھا کہ وہ بغیر کتاب کے زبانی قواعد لکھواتے تھے، اس کے بعد دو چار حرفتہ تا کر مثال، اجوت، ناقص، مضاعف چاروں قاعدوں پر بہت صیغہ ہوتا

اور ان کو رٹاتے، شیخ کا بیان ہے کہ صرف میرا بیچ گچ دس بارہ دن میں سادی تھی البتہ  
فصول اکبری میں بہت وقت لگاتھا، اسی طرح صرف ونحو کی درسی مذاول کتابیں خاص  
طرز اور ترمیم و اضافہ کے ساتھ پڑھیں، کافیہ کے ساتھ مجموعۃ العین اور نفحۃ الیمین کی جگہ  
(جس سے مولانا بہت ناراض تھے) پارہ عم کا ترجمہ پڑھایا، نفحۃ الیمین کے مترابناث لٹ  
کے قصائد پڑھے، اس کے بعد قصیدہ بردہ، بانٹ سعاد، قصیدہ ہمزنیہ، مقامات پہلے پہلے  
پڑھ لئے۔

حضرت گنگوہی کی وفات کے بعد مولانا محمد یحییٰ صاحب تقریباً ہر سال کتب حدیث  
کے باقی ماندہ حصے کی تکمیل کرانے کے لئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی دعوت پر مظاہر العلوم  
سہارنپور تشریف لے جایا کرتے تھے، لیکن ۱۳۲۸ھ میں مولانا کے اصرار اور تقاضے پر گنگوہ کا  
قیام ترک کر کے سہارنپور کا مستقل قیام اختیار فرمایا، اور مدرسہ کے اساتذہ اور مدرسین  
میں شامل ہو گئے، تعلق اعزازی تھا، اس طرح شیخ کی تعلیم کا سلسلہ سہارنپور میں شروع ہو گیا  
آپ نے بقیہ درسیات کی تکمیل کی، کتب منطق مولانا عبد الوحید صاحب سنبھلی سے (استاد  
مظاہر العلوم جو معقولات کے جلیل الاستعداد استاد تھے) اور زیادہ تر مولانا عبد اللطیف  
صاحب ناظم مظاہر العلوم سے (جن کو معقولات سے خصوصی مناسبت تھی) پڑھیں۔

### درسیات کی تکمیل

شیخ نے نصاب کی منتہی ان کتابوں میں خود مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ختم کیں، مولانا کی تدریس کا  
لے فراتے تھے کہ ایک فاسد العقیدہ آدمی نے ایک انگریز کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی، معلوم نہیں ہمارے  
بزرگوں نے اس کو اس قدر اعزاز کیوں بخشا، حیرت کی بات ہے کہ ابھی تک ہمارے ملاں عربیہ میں (زبان  
کی مفید سبق آموز اور زبان آموز کتابوں کی موجودگی میں) یہی کتاب چل رہی ہے (مؤلف)



خاص اصول اور طریقہ تھا، ان کے یہاں استاد کے خود تقریر کرنے اور اسے مطالب کو خود حل کر کے دے دینے کا دستور نہ تھا جیسا کہ اس وقت بڑے بڑے عربی مدرسوں میں رواج پڑ گیا ہے کہ استاد شرح و بسط کے ساتھ تقریر کرتے ہیں اور طالب کے حل کرنے کی ساری ذمہ داری انہیں پر ہوتی ہے، طلبہ کی حیثیت صرف سامع اور شریک مجلس کی ہوتی ہے، مولانا کے یہاں طالب علم کا مطالعہ کر کے سبق کو پورے طور پر حل کر کے لانے کی پابندی تھی، وہ صرف وہیں رہنمائی اور مدد فرماتے تھے، جہاں طالب علم کی قوت مطالعہ اور فہم کی رسائی نہ ہو، اور شرح و حواشی سے مدد نہ ملتی، اس لئے ان کے یہاں اہمیت کتاب کے حروف خاتم کرنے کے بجائے کتاب کے مطالب اور موضوع پر حاوی ہو جانے اور مطالعہ میں ملکہ پیدا ہو جانے کی تھی، اور جس وقت ان کو اطمینان ہو جاتا تھا، وہ کتاب کو باغیے بسم اللہ سے نئے تہمت تک ختم کرانے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے، اور دوسری کتاب شروع کر دیتے تھے۔

اس زمانہ میں مولانا ماجد علی صاحب کی معقولات کے درس تعلیم میں خاص شہرت تھی انہوں نے معقولات کی اعلیٰ کتابیں خیر آبادی اساتذہ سے بڑی تحقیق و محنت سے پڑھی تھیں اور ان کو معقولات کی تعلیم میں بڑا توفیق اور انہماک تھا، دُور دُور سے لوگ ان سے منطق و فلسفہ کی اعلیٰ کتابیں پڑھنے میں ڈھونڈھو ضلع علی گڑھ وغیرہ جایا کرتے تھے، مولانا ماجد علی صاحب

نے قدیم اساتذہ کا یہی دستور تھا، اور اس وقت تک کے تجربوں اور تعلیمی نظریات کے مطابق یہی بہترین اصول تعلیم ہے۔ مولانا ماجد علی صاحب انی کلان ضلع جو نپور کے رہنے والے تھے، معقولات کی تعلیم مولانا عبدالحی صاحب خیر آبادی سے پائی، حدیث گنگوہ جاکر پڑھی، اینڈ تھوگلا وٹھی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ میں عرصہ تک درس لیا، علوم عقلیہ اور کتب منطق کے درس و تدریس میں نامور اور مرجع طلبہ تھے۔ ۱۹۳۷ء میں عید الفطر کے دن دفاتر پائی اور اپنے وطن میں مدفون ہوئے۔

حدیث حضرت گنگوہی سے پڑھی تھی، اس درس میں مولانا محمد یحییٰ صاحب ان کے فیتے تھے اور دونوں میں بڑی دوستی اور بے تکلفی تھی، اس تعلق کی بناء پر اور کچھ شیخ کی غیر معمولی ذہانت اور علمی مناسبت دیکھ کر انھوں نے مولانا محمد یحییٰ صاحب سے فرمایا کہ شیخ کو ایک سال کے لئے ان کے حوالہ کر دیا جائے، وہ ان کی معقولات کی تکمیل کرادیں گے، یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ وہ بخاری شریف بھی مجھی سے پڑھنے کی خواہش کرے گا، لیکن اس کی نوبت نہ آئی، اور شیخ کو اپنی تعلیم تکمیل اور حصول علم کے لئے سہارنپور سے کہیں باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

## تعلیم میں انہماک و یکسوئی

مولانا محمد یحییٰ صاحب کو تعلیم سے کہیں زیادہ تربیت کا اہتمام تھا، ان کے یہاں پڑھنے

لے مولانا محمد یحییٰ صاحب کی تربیت کے نرے انداز اور ان کی ذہانت اور سلامت فہم کے عجیب اوقات ہیں یہاں پر ایک اقدہ درج کیا جاتا ہے، جب شیخ کی فقہ کی تعلیم شروع ہوئی تو اس افتتاح کے وقت پر مولانا نے شیخ کو بیس روپے عطا فرمائے، پھر ارشاد فرمایا کہ ان کا کیا کرے؟ شیخ نے جواب دیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اکابر اربعہ سہارنپوری، دیوبندی، رائے پوری، تھانوی کی خدمت میں پانچ پانچ روپے کی مٹھائی پیش کر دوں، بڑی مسرت کے ساتھ اس کی تصویب فرمائی، پھر دریافت فرمایا کہ کون سی مٹھائی؟ شیخ نے تفرق مٹھائیوں کے نام لئے، فرمایا لاجل و لافحہ، ان میں سے کون ایسا ہے جو مٹھائی کھا گا، تمہاری خاطر میں ایک آدھ ڈلی پکھ میں گئے، باقی سب دوسروں کی نذر ہو جائے گی، ایسا کرو کہ پانچ روپے کی مصری (شکر) خرید کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دو، ایک ہفتہ تک تمہاری ہی مصری کی چائے نوش فرمائیں گے، چنانچہ تعمیل کی گئی، البقیہ کا بڑا لٹا کہ خدمت میں پانچ پانچ روپے نقد مختلف اوقات میں پیش کر دیئے گئے، ان سب حضرات نے بڑی مسرت سے قبول فرما کر دعا میں دیں۔

اور محنت کرنے سے زیادہ اس بات کی نگرانی ہوتی تھی کہ شیخ کسی لڑکے یا اپنے کسی رفیق، یا کسی نوجوان کے ساتھ بے تکلف نہ ہوں، اور کسی سے ان کا خلا ملانہ ہونے پائے اس پر ان کی بڑی کڑی نگاہ رہتی تھی کہ شیخ کسی سے ہنستے بولتے یا کسی ساتھی، یا اہل محلہ سے راہ و رسم تو نہیں پیدا کرتے، راستہ چلتے اگر کوئی ان کو خصوصیت کے ساتھ سلام کرتا، یا ایک نماز سے زیادہ نمازوں میں کوئی ہم عمر، یا نوجوان دو ایک بار ان کے برابر کھڑا ہو جاتا تو اس پر جواب طلب ہو جاتا، اور تنبیہ کی نوبت آتی اس ڈر سے شیخ بھی اس کی بڑی احتیاط رکھتے، اور سب سے الگ تھلگ اپنے کام میں مشغول رہتے، مولانا محمد کبیر صاحب کی احتیاط اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اپنے یا مولانا محمد الیاس صاحب کی ہمراہی کے بغیر مدرسہ سے باہر جانے یا مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہ تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی سیر و تفریح کا شوق پیدا نہ ہوا اور وہ طبیعت ناہیبن گئی، سہارنپور میں بڑے بڑے جشن کا موقع آتا اور نمائش ہوتی، آپ والد صاحب کی اجازت کے باوجود اس میں شریک نہ ہوتے، یہ کیسویں اور تنہائی پر ہی اتنی بڑھی کہ ایک مرتبہ مدرسہ قدیم سے چھ مہینے تک باہر جانے کی نوبت نہ آئی بلکہ

لے مدرسہ قدیم میں ابتداء سے سب ضروریات کا انتظام ہے مدرسہ کتب خانہ مسجد غسل خانہ اور بیت الخلاء سب موجود ہیں بیت الخلاء کے لئے کچھ ٹوٹے چھوٹے ہونے بھی پڑے رہتے ہیں اس طرح بعض اوقات شیخ کو ہفتوں اور مہینوں اپنا جوتا استعمال کرنے یا نیا جوتا خریدنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئی۔

شیخ فرماتے ہیں "ایک مرتبہ رانیا جوتا مدرسہ میں سے کسی نے اٹھایا تو تقریباً چھ ماہ تک مجھے دوسرا جوتا نذرینے کی ضرورت نہیں ہوئی، کیونکہ اس مدت میں مجھے مدرسہ سے باہر قدم نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی، مدرسہ کی مسجد میں جبر نہ ہوتا تھا، اور مدرسہ کے بیت الخلاء میں ایک دو جوتے جو کسی کے پڑنے ہو جاتے ہیں وہ ڈال دیتا جواب تکلیف دہ نہ تھا اس وجہ سے مجھے کسی ضرورت کے واسطے بھی مدرسہ کے دروازے نہ تو باہر قدم رکھنا پڑا نہ جوتے کی ضرورت ہوئی" (الاعتدال ص ۳۱-۳۲)

## حدیث کا آغاز

بالآخر وہ مبارک دن اور وہ مبارک ساعت آئی کہ اس علم کی تعلیم کا آغاز ہوا جس کے دامن سے ساری عمر وابستہ رہنے اور اسی کی خدمت کے لئے وقف ہو جانے کا فیصلہ تھا۔ وہ وقت میں ہو چکا تھا، اور جس کی نسبت پیدائشی نام پر اس طرح غالب ہو کر رہنے والی تھی کہ شیخ الحدیث نام کا قائم مقام اور نام سے بھی زیادہ شہور ہوا، اس دن حدیث کے خادموں اور اس کے ناشرین اور شارحین کی صف میں ایک وقیع اضافہ ہونے والا تھا، اور کیا عجب ہے کہ اس "نو وارد" کی آمد پر اس فن اور اس کے خلص خدمت گزاروں کی روح نے کہا ہو کہ۔ حج، آمد آں یارے کہ مای خواستیم

اس سلسلہ کا آغاز بھی بڑے اہتمام کے ساتھ ہوا، ۳۲ محرم کو ظہر کی نماز کے بعد مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی، پہلے مولانا محمد یحییٰ صاحب نے غسل فرمایا، پھر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ کرائی، خطبہ پڑھا، پھر روقہ قبلہ ہو کر دیر تک دعا کی، شیخ فرماتے ہیں کہ یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ والد صاحب نے کیا کیا دعائیں کیں، لیکن میری ایک ہی دعا تھی، اور وہ یہ کہ حدیث کا سلسلہ دیر میں شروع ہوا، خدا کرے کبھی چھوٹے نہیں!

مولانا محمد یحییٰ صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے شاگرد تھے کہ استاد کو کبھی اپنے اس شاگرد پر ناز تھا، حضرت کے عمیق مطالعہ، دقیق فہم، اور خصوصی تحقیقات علیہ کے اسوا کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے ان کو قلم بند بھی کیا، اور ان کی شرح و وضاحت بھی فرمائی، وہ اپنی لہ اس دعا کی قبولیت کے آثار کے سامنے ہیں، عیاں راچہ بیاں ملے ملاحظہ ہو ترمذی کی تقریر درس و تعلیمات موسوم بہ "الکوکب الدرر" اور بخاری کی تعلیقات معروف بہ "علامہ الداری"۔

خدا داد علیٰ مناسبت و ذکاوت، فنِ حدیث سے شغف و انہماک اور اپنی نکتہ رس طبعیت اور ذوقِ سلیم کی وجہ سے حدیث کی تدریس اور (فقہ و حدیث کی تطبیق میں) خاص مقام رکھتے تھے، اور ان کے شاگرد و رشیدان کے درس کے بعد کم کسی کے درس حدیث کے قائل ہوتے تھے۔

### دورۂ حدیث

۳۳۳ھ میں دورۂ حدیث کی ابتدا ہوئی، یہی سال تھا جب حضرت سہارنپوری نے طویل قیام کے ارادہ سے حجاز کا قصد کیا، شیخ کا خیال تھا کہ مجھے نہ ملازمت کرنی ہے اور نہ کوئی عجلت ہے ایک سال میں دورۂ حدیث مکمل کرنے کی کوئی پابندی نہیں، اس لئے اپنے والد و لانا عجیبی صاحب کے درس میں ابو داؤد شریعہ کر دی، ترمذی شریف کو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی واپسی پر ملتوی رکھا تھا لیکن بعض اسباب کی بناء پر ترمذی، بخاری اور (ابن ماجہ کے سواء) بقیہ کتب صحاح والد صاحب ہی سے پڑھیں، یہ سال بڑی محنت اور انہماک کا تھا، اس کا بڑا اہتمام تھا کہ کوئی روایت بھی بے وضو نہ پڑھی جائے، مسلسل پانچ گھنٹے سبق ہوتا تھا، اس میں کبھی بھی ہفتہ عشرہ میں سبق کے درمیان وضو کی ضرورت پیش آتی تھی، اور اتنی دیر کے لئے اٹھنا ہوتا تو ہم درس و ہم مذاق رفیق کو شش کرنے کے حوج نہ ہوا اور سبق آگے نہ بڑھنے پائے۔

### حضرت سہارنپوری سے بیعت

شوال ۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب طویل قیام کے ارادہ سے حجاز کا

قصد فرمایا ہے تھے، اور لوگ کثرت سے بیعت ہو رہے تھے، شیخ فرماتے ہیں کہ بچوں کی طرح سے دیکھا دیکھی اپنے اندر بھی جذبہ پیدا ہوا، حضرت سے عرض کیا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب میں مغرب کے بعد نفلوں سے فارغ ہو جاؤں، اس وقت آجانا، مولانا عبد اللہ رحمۃ اللہ کو بھی جو خلافت سے سرفراز ہو چکے تھے، انھوں نے بھی تجدید کی درخواست کر رکھی تھی، حضرت نے فراغت کے بعد دونوں کو قریب بلایا، اور اپنے دونوں ہاتھ دونوں کے ہاتھوں میں پکڑ لیے اور بیعت کے الفاظ کہلوانا شروع کئے، مولانا عبد اللہ صاحب نے، بچکیوں کے ساتھ دھاڑیں مار کر رونا شروع کیا، جس کا اثر حضرت پر بھی تھا، حضرت کی آواز بھر اگئی، اس وقت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اوپر بیٹھے ہوئے تھے، وہ یہ آواز سن کر منڈیر پر دیکھنے کے لئے آئے، دیکھا تو شیخ بھی بیعت ہو رہے ہیں، اس پر مولانا کو تعجب اور احساس ہوا، کہ بلا علم و اطلاع کے انھوں نے اتنا بڑا کام کر لیا، لیکن حضرت رائے پوریؒ نے اس جرأت کی بڑی تصویب فرمائی، اور بہت دعائیں دیں۔

### مولانا محمد یحییٰ صاحب کی وفات پر شیخ کی بلند ہمتی

بالکمال مشفق و مری والد ماجد کی وفات کے ساتھ عظیم کو شیخ نے اپنی نوعمری کے باوجود ضبط و تحمل اور قوت ایمانی سے نہ صرف برداشت کیا، جو اہل یقین اور اصحاب نسبت کی شان ہے، بلکہ پورے خاندان اور غمزدہ گھر کے لئے تسکین و تقویت کا ذریعہ بن گئے، مولانا نے آٹھ ہزار کا قرض چھوڑا تھا، شیخ نے اس موقع پر بڑی مردانگی اور بلند ہمتی کا ثبوت دیا، جن کا بھی علم ہو سکا، ان کو فوراً یہ خطوط لکھ دیئے کہ مرحوم قرضہ سے بری ہیں، وہ قرضہ میرے ذمہ ہے، اس وقت شیخ کی عمر انیس سال کی تھی، عام طور پر سب قرض خواہوں کو

قدرتِ نایہ فکر دامن گیر ہوئی کہ رقم ضائع ہو جائے گی، اس لئے بہت شدت کے مطالبے شروع ہو گئے، شیخ ایک سے لے کر دوسرے کو ادا کر دیتے تھے، یہ سال بہت شدت کا گزرا، مولانا مرحوم کا قرض تو دو تین مہینے میں ختم ہو گیا، اور وہ اس سے بالکل سبکدوش ہو گئے، البتہ شیخ مقروض ہو گئے، ۱۳۳۲ھ تک اس قرضہ کا جو مولانا کے قرض کی ادا دے گی میں ہو گیا تھا، ایک ہزار شیخ کے ذمہ باقی تھا جس کی ادائیگی ۱۳۳۲ھ میں حج کے سفر کے موقع پر مولوی نصیر الدین صاحب کے حوالہ کر کے گئے، جو اس وقت ناظم کتب خانہ تھے۔

### طالب سے زیادہ مطلوب

ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ میں مولانا محمد یحییٰ صاحب نے انتقال فرمایا تو صدمہ کی شدت اور محبت کے جذبہ سے لائق فرزند کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ بس اب دوبارہ بخاری ترمذی پڑھنے کی ضرورت نہیں لیکن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے واپسی پر حکم فرمایا کہ ترمذی، و بخاری دوبارہ پڑھنی ہے، شیخ فرماتے ہیں کہ طبیعت بالکل نہیں چاہتی تھی، لیکن انکار کی کوئی صورت نہ تھی، اسی دوران میں خواب دیکھا کہ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن دہلوی) فرماتے ہیں کہ مجھ سے بخاری پڑھ لو، سوچتا رہا کہ حضرت مالٹا میں اسیر ہیں، ان سے پڑھنے کہاں جاؤں؟ حضرت نور الشہر مقدس نے خواب سنا تو فرمایا کہ اس کی تعبیر یہی ہے کہ مجھ سے دوبارہ پڑھو۔

بالآخر حضرت کے یہاں کتابیں شروع ہوئیں، یہ سال انتہائی اہٹاک کا دور تھا، فرماتے ہیں جہاں تک مجھے یاد ہے، شب روز میں دو ڈھائی گھنٹے سے زیادہ سونا نہیں ہوتا تھا، ساری رات شرفِ حدیث کا مطالعہ کرتے اور سبق میں پورے طور پر تیار ہو کر جاتے،

اس محنت و انہماک اور فطری سعادت اور خوش بختی نے حضرت کی نظر انتخاب کو متوجہ کر لیا اور وہ تقرب پیدا ہوئی جو شیخ کمال کے قرب و اختصاص اور اتنا ذفاصل کے انتخاب و اعتماد کی موجب ہوئی، اور اس سے شیخ کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، جو انک مستقبل کی کامیابیوں اور اقران و ائٹل میں خصوصیت و امتیاز کا راز ہے۔

## ”بذل الجہود“ کی تالیف میں اعانت و شرکت

درس میں شرکت کو دو مہینے گزرے تھے، حضرت ایک دن سبق پڑھا کر دارالطلبہ سے مدرسہ قدیم آئے تھے، شیخ صاحب محمول ساتھ تھے، راستہ میں ایک جگہ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:۔

”الوداؤد پر ہمیشہ کچھ لکھنے کی خواہش رہی، تین مرتبہ شروع کر چکا ہوں، لیکن

مشاغل کے ہجوم نے چلنے نہ دیا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں بار بار شروع

کیا یہ جی چاہتا رہا کہ کسی طرح لکھ لوں، اور جو اشکال ہو حضرت قدس سرہ سے حل کروں

حضرت کے وصال کے بعد یہ جذبہ سر د ہو گیا، لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ ہمارے مولانا کی جگہ

توحیات ہیں، ان سے بحث و مباحثہ کرتے رہیں گے، مگر ان کی وفات پر یہ ارادہ بالکل کالایا

نہا، اب مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ اگر تم دونوں میری مدد کرو تو میں شاید لکھ لوں“

شیخ نے بے ساختہ جواب دیا کہ حضرت ضرور شروع کریں، اور یہ میری دعا کا اثر ہے“

حضرت نے فرمایا، کیسی دعا، شیخ نے کہا کہ میں نے مشکوٰۃ شروع کرتے وقت یہ دعا کی تھی کہ

یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا ہے، یہ اب مجھ سے چھوٹے نہیں، مگر اس کو

لے یعنی شیخ الحدیث اور ان کے رفیق قدیم مولوی حسن احمد مرحوم جو عملہ کھالے پار بہانپور کے رہنے والے تھے،

اور نہایت خاموش متین اور سنجیدہ مسکین طبع و جوان تھے، جو ان ہی میں انتقال ہو گیا، رحمہ اللہ۔



میں محالات سے سمجھتا تھا، اور یہ سوچتا تھا کہ اگر میں پڑھنے کے بعد مدرس بھی ہو گیا، تو حدیث تک نہ معلوم کتنے سال میں پہنچوں گا، اس لئے کہ قدیم مدرسین جو کئی سال سے پڑھا رہے ہیں ان کو حدیث ابھی تک پڑھانے کی نوبت نہ آئی، اب صورت سمجھ میں آگئی، حضرت کی شرح میں اس ناکارہ کا اشتغال رہے گا، اور جب تک وہ مکمل ہو گیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ حدیث کی تدریس تک پہنچا دے، یہ واقعہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کا ہے، یہی شرح بذال مجہود کی ابتدا ہے۔

حضرت نے اسی وقت شرح حدیث کی ایک لمبی چوڑی فہرست بتادی، اور کتب خانہ سے لینے کا حکم فرمادیا۔



# باب سوم

## تدریس و تصنیف چند نازک امتحانات و اجازت تکمیل

تدریس پر تقرر

یکم محرم ۱۳۵۵ھ کو حضرت شیخؒ کا بحیثیت مدرس مدرسہ مظاہر العلوم میں تقرر ہوا، اور ۵۱ روپے تنخواہ مقر ہوئی۔

ابتداءً اوسبق (اصول الشاشی) جو پہلے مولانا محمد اباس صاحب کے یہاں پوری تھی اور علم الصیغہ جو مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے پاس تھی منقل ہو کر آئے اس کے علاوہ چار پانچ سبق خود منظر اور فقہ اور عربی کی ابتدائی کتابوں کے تھے اس وقت شیخ کی عمر

اس زمانہ کے قدیم مدارس میں تنخواہوں کا معیار آج سے بہت مختلف تھا خصوصاً ابتدائی مدرسین کی تنخواہیں اتنی کم ہوتی تھیں جو آج کل کے لوگوں کے قیاس میں مشکل سے آئیں گی چنانچہ مولانا منظور احمد صاحب کی جو بعد میں مدرسہ کے بڑے اساتذہ میں سے ہوئے ابتدائی تنخواہ ۱۵ روپے تھی بہت عرصہ کے بعد وہ ۲۵ تک پہنچے شیخ فرماتے ہیں کہ میری (۵۵ روپی) تنخواہ پر سب کی انگلیاں اٹھتی تھیں حضرت شاہ عبدالرحیم صائے پوری قدس سرہ نے جو مدرسہ کے سرپرستوں میں سے تھے بحیثیت سرپرست کے فرمایا کہ شیخ پر اللہ صاحب کے انتقال کے بعد جو بارہ اس کے لحاظ سے یہ تنخواہ کم ہے، کم سے کم پچیس روپے ہونی چاہئے تھی لیکن شیخ سے فرمایا کہ جب اللہ توفیق دے تو یہ تنخواہ چھوڑ دینا، چنانچہ شیخ نے اس پر عمل کیا، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

بیس سال تھی، اور مدرس کی روایات اور دستور کے لحاظ سے ان کو اصول التاشی گو یا قبل از وقت مل گئی تھی، لیکن بہت جلد شیخ نے اپنی محنت، ذہانت اور مطالعہ و تیاری سے اپنی غیر معمولی اہلیت اور استحقاق کا ثبوت دیا، اور طلبہ اتنے مطمئن اور گردیدہ ہوئے کہ انھوں نے پڑھا ہوا حصہ بھی شیخ سے دوبارہ پڑھنے کی خواہش کی۔

اگلے تعلیمی سال شوال ۱۳۵ھ میں پہلے سال سے اونچی اور درسی و فنی لحاظ سے اہم کتابیں پڑھانے کو ملیں، تیسرے سال شوال ۱۳۶ھ میں مقامات حریری اور سبع معلقہ بھی درس میں آئے، سبع معلقہ تنظیمین نے بڑے شک و تذبذب کے ساتھ دیا تھا، اس عجت میں وہ طلبہ بھی تھے، جو حدیث کے بعض اسباق میں شیخ کے ہم درس رہے تھے، لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد مدرس کے قابل احترام اور مخلص ناظم مولانا غایت الہی صاحب نے ان لفظوں میں شیخ کی کامیابی کا اعتراف کیا کہ ”مولوی زکریا اتم نے تو میری آنکھیں نیچی کر دیں“ ۱۳۷ھ میں ہدایہ اولین، حماسہ وغیرہ اور رجب ۱۳۸ھ میں بخاری شریف کے تین پارے بھی حضرت سہارنپوری کے حکم و اصرار سے منتقل ہو کر آئے، اور ان کے پڑھانے میں بھی شیخ سے غیر معمولی اہلیت، قوت مطالعہ اور فنی مناسبت کا اظہار ہوا، اس کے بعد آپ کو مشکوٰۃ مل گئی، ۱۳۸ھ تک مشکوٰۃ آپ کے زیر درس رہی۔

بندال مجہول کے کام کا انہماک اور حضرت سہارنپوری کی خصوصی شفقت و اعتماد

شیوخ کا ملیں سے استفادہ اور باطنی ترقیات میں اس بات کو بڑا دخل ہے کہ ان کی مفوضہ خدمت کی تکمیل، اور ان کے ذوقی مشغلہ میں (جو ان کو دلی و جان سے عزیز ہوتا ہے) نہ ہی خود فراموشی، اور جانکاہی سے رفاقت و اعانت کی جائے، اہل بصیرت

نزدیک ایک مسترشد کو اس سے اپنے شیخ کی جو محبوبیت و اعتماد حاصل ہوتا ہے اور اس سے جو باطنی ترقیات حاصل ہوتی ہیں اور جس سرعت کے ساتھ سلوک کے مدارج طے ہوتے ہیں وہ عام طور پر کسی اور راہ سے اور بعض اوقات بڑے بڑے مجاہدات سے بھی طے نہیں ہوتے، اس زمانہ میں حضرت سہارنپوری ہمہ تن بدل الجھوڑ کی تالیف کی طرف متوجہ تھے اور اس کی تکمیل کا جذبہ اور ذوق ہر چیز پر غالب تھا یہ شیخ کی بڑی خوش قسمتی اور اس کے ساتھ ان کی بڑی ذہانت اور حقیقت شناسی تھی کہ انھوں نے اپنے کو اس کام کے لئے وقف کر دیا، اور دنیا و مافیہا سے بے خبر اور بے تعلق ہو کر اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ اس میں لگ گئے، تالیف کا طرز یہ تھا کہ حضرت شرح حدیث اور اخذ کی نشاندہی فرمادیتے، شیخ ان کا مطالعہ کر کے متعلقہ مواد جمع کر لیتے اور حضرت کی خدمت میں اس کو پیش فرمادیتے، حضرت اپنے الفاظ میں اس کو منتخب اور مرتب کر کے مصنفانہ حیثیت سے لکھواتے، اسبید اور تحریر کا یہ کام شیخ انجام دیتے، اس نتیجہ میں حضرت کا قرب اختصاص روز بروز بڑھتا چلا گیا۔

انسانی فطرت کے مطابق اس چیز نے شیخ کے ہم عمروں اور ان نوجوان علماء یا ان کے سرپرستوں کے دل میں رشک و منافست کا جذبہ پیدا کیا، جو حضرت کا قرب و اختصاص چاہتے تھے، ان میں سے بعض حضرات نے کہا کہ اس مشغولیت سے تدریس پر اثر پڑتا ہے اس کے لئے کسی ایسے معین کا انتخاب ہونا چاہئے جس پر تدریس کا بار نہ ہو، اور وہ مدرسہ کا ملازم نہ ہو، چنانچہ ایک دوسرے صاحب اس کام کے لئے مقرر ہوئے، لیکن جن کو مقرر کیا گیا، وہ جلدی جلدی گھر جاتے تھے، حضرت کو اس سے گرانی ہوتی، اس پر شیخ نے پھر اپنی خدمات کی پیش کش کی، حضرت نے ارشاد فرمادیا کہ میرا کام دوسرے سے نہیں جلتا،

اس طرح وہ خدمت پھر شیخ کے سپرد ہو گئی، دوسری مرتبہ تسوید و تحریر کے لئے ایک ایسے صاحب کو مقرر کیا گیا جو زیادہ خوش خط تھے لیکن کاپی نویس نے کہہ دیا کہ مجھے شیخ کے خط سے نقل کرنے میں زیادہ آسانی ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں نقطوں وغیرہ کا اہتمام رہتا ہے اس طرح گھوم پھر کر یہ خدمت شیخ ہی کے پاس آ گئی۔

شیخ نے اس عرصہ میں سوائے شدید مجبوری کے ہر طرح کے سفر، نقل و حرکت اور ہر اس چیز سے جس سے اس کام میں حرج واقع ہو کر نہ گیا، ان کو پہلے بھی سفر سے وحشت اور عدم مناسبت تھی، اس زمانہ تالیف میں تو انھوں نے اپنے کو گویا بالکل پابند زنجیر بنایا، بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ بعض بزرگوں اور عزیزوں کے اصرار سے حضرت نے کسی سفر میں اپنے ساتھ لے لیا، شیخ نے موقعہ دیکھ کر راستہ میں عرض کیا کہ اگر اس سفر میں ہم رکابی رہی تو بذل کی کاپیوں کی تصحیح میں حرج واقع ہو گا، اس لئے راستہ ہی سے واپسی کی اجازت دی جائے، حضرت نے یہ سن کر بخوشی اجازت دے دی اور شیخ راستہ ہی کسی اسٹیشن سے واپس آ گئے۔

جب بذل کی طباعت کا مرحلہ شروع ہوا تو پہلے اس کا انتظام میرٹھ میں کیا گیا، اس کے بعد تھانہ بھون میں مولانا شبیر علی صاحب کے پرس میں اس کو منتقل کر دیا گیا، اس وقت شیخ کا معمول تھا کہ جمعرات کی شام کو تھانہ بھون جاتے اور سنیچر کی صبح کو واپس آنے، یہ سفر ہر ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک مرتبہ پیش آتا، اس میں بھی کبھی جو انوار کو پرس کو بچھٹی نہ ہوتی تو ایک آدھ دن بڑھ جاتا، عرصہ تک یہ معمول رہا، اس کے بعد ۱۳۲۲ھ سے ۱۳۲۷ھ تک دہلی کے ہندوستانی پرس میں طباعت کا کام ہوتا رہا، اس زمانہ میں اکثر ہفتہ وار اور کبھی پندرہ دن میں دہلی جانا ہوتا تھا، جمعہ کی شب میں بارہ بجے کی گاڑی سے روانہ ہوتے،

بارہ بجے تک اپنا کام کرتے، پھر تنہا پیادہ پاسبانیش جاتے، بذل کی کاپیاں سینہ سے لگا کر سو جاتے، دہلی اسپتال سے سیدھے مطبع جاتے، شام کو مطبع کے بند ہونے کے بعد شیخ رشید احمد صاحب مرحوم کے یہاں تشریف لے آتے، اور دوسرے دن انوار کی شب میں دہلی سے روانہ ہو کر ایک بجے سہارنپور پہنچ جاتے، یہ ان دو تین سال کا مستقل معمول رہا، شیخ فرماتے ہیں کہ ”انوار کو پولیس کی چھٹی ہوتی تھی، لیکن ہندوستانی پولیس کے مالک جو ایک شریف اور خلیق ہندو تھے، اس ناکارہ کے ساتھ ضرورت سے زیادہ مدارات کرتے، وہ کبھی کبھی میرے کام کا ان اہمیب کی وجہ سے ایک دو مہینوں کی چھٹی موقوف کرتے تھے، اور کارکنوں کو اور ٹائم (OVER TIME) دیتے، اس صورت میں بجائے انوار کی شب کے پیرنگل کو واپسی ہوتی، شامل ترمذی کا ترجمہ خصائل نبوی انھیں ایام میں صرف دہلی کے قیام میں لکھا گیا، جب دہلی جاتا تو حاجی محمد عثمان صاحب مرحوم کی دکان سے جو پولیس کے بالکل قریب تھی یہ اوراق اٹھا لیتا، اور پروفوں کی تصحیح سے جو وقت بچتا اس میں ایک دو صفحوں کا ترجمہ لکھ لیتا، اور جب واپس آتا تو ان اوراق کو انھیں کی دکان پر رکھ کر چلا آتا، گویا یہ تالیف صرف ایام سفر کی ہے، البتہ نظر ثانی میں طباعت کے وقت کچھ اضافے ہوئے۔

### عقد نکاح

مولانا محمد یحییٰ صاحب کے انتقال پر معاشی کی والدہ صاحبہ کو بجا شروع ہو گیا تھا، اور اس نے بڑھتے بڑھتے تپہ کی صورت اختیار کر لی، انھوں نے مولانا کے انتقال کے بعد ہی سے شدت سے شیخ کی شادی کا تقاضہ کیا، اور فرمایا کہ میں جلد ہی

جانے والی ہوں، میرا دل چاہتا ہے کہ تیرا گھر کھلا ہے، شیخ کی نسبت مولانا روثؒ ان صاحبزادی بی بی امہ المتین صاحبہ سے تعلق رکھتی تھیں، انھوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار حضرت سہارنپوریؒ کیا، حضرت نے کا ندھلہ لکھو دیا کہ میرا خیال ہے کہ عزیز زکریا کا نکاح جلد ہو جائے، انتقال حکم میں ان حضرات نے لکھ دیا کہ جب چاہیں تشریف لے آئیں، چنانچہ حضرت چند آدمیوں کو لے کر کا ندھلہ تشریف لے گئے، نکاح کے بعد شیخ نے کہلوایا کہ کا ندھلہ تو میرا وطن ہے، رخصتی کر کے لے جانے کی ضرورت نہیں، میں دو تین روز کا ندھلہ ٹھہر کر چلا آؤں گا، کا ندھلہ والوں نے قدرتا اس کو بہت پسند کیا، لیکن جب حضرت کو یہ فقرہ پہنچا تو فرمایا، کہ وہ کون ہے لے جانے والا؟ باپ بن کر تو میں آیا ہوں، رط کی کل گیرے ساتھ جائے گی، چنانچہ دوسرے دن رخصتی ہو گئی، اور یہ حضرات سہارنپور واپس آئے، ۲۷ رمضان ۱۳۳۵ھ کو والدہ ماجدہ نے انتقال کیا، حضرت سہارنپوری نے نماز جنازہ پڑھائی۔

۱۔ ایک صاحبزادی مولانا محمد الیاس صاحب کے نکاح میں تھیں، جو مولانا محمد یوسف صاحب کی والدہ تھیں، اس طرح شیخ اور مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم زلف بھی تھے، ان اہلیہ سے شیخ کی پانچ صاحبزادیاں تولد ہوئیں (۱) زکیہ۔ زوجہ اولیٰ مولانا محمد یوسف صاحب (۲) ذاکرہ۔ زوجہ مولانا انعام صاحب (۳) شاکرہ۔ زوجہ مولوی محمد حسن صاحب (۴) راشدہ۔ زوجہ مولوی سعید الرحمن بن لانا علیہ الرحمۃ (مولوی سعید الرحمن کی وفات کے بعد ان کا نکاح مولانا محمد یوسف صاحب کی زوجہ اولیٰ کے انتقال کے بعد ہوا) (۵) شہزادہ زوجہ مولانا حکیم محمد الیاس سہارنپوری۔ ۱۷ حضرت شیخ کے ساتھ جو پیرانہ اور سرپرستانہ تعلق تھا، اس کی مزید تصدیق اس واقعہ سے ہوگی جو شیخ نے لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ:-

”ایک اجنبی نے میرے ہر وقت کی حاضری پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے کہا چہرے کے صاحبزادہ ہیں، حضرت نے ارشاد فرمایا صاحبزادہ سے بڑھ کر“ (رسالہ انصاف زبان عربی ص ۷)

## عقد ثانی

شیخ کی پہلی اہلیہ محترمہ کی وفات جو مولانا رؤف احسن صاحب کی صاحبزادی تھیں، ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (۱۴ فروری ۱۹۳۷ء) میں ہوئی، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کے قلب پر اس کا طبعی اثر تھا، اور ان کی طبیعت اب بالکل میکسوئی اور علمی و تصنیفی انہماک کی طرف مائل تھی، اور عقد ثانی کا کوئی خیال نہیں تھا، لیکن شفیق چچا نے جو باپ کے قائم مقام تھے، شیخ کے اس تجرد کو پسند نہیں کیا، دوسرے شفیق بزرگوں اور بہی خواہوں کی بھی خواہش تھی کہ شیخ کا گھر پھر آباد ہو، اس لئے چار مہینے بھی پورے نہیں گزرے تھے کہ شیخ کا عقد ثانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی صاحبزادی (مولانا محمد یوسف صاحب کی ہمیشہ) عطیہ صاحبہ سے ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ (۱۸ جون ۱۹۳۷ء) کو ہو گیا۔ نکاح نظام الدین دہلی میں ہوا، اس موقع پر حضرت مولانا عبد القادر صاحب نے پورے بھی تشریف لے آئے، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو سہارنپور اسٹیشن پر معلوم ہوا تو پیغام بھیجا کہ نکاح میں ہی پڑھوں گا، چنانچہ دہلی تشریف لائے، اور بعد نماز جمعہ نکاح پڑھایا۔

## پہلا حج

۱۳۳۸ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے پھر حج کا عزم فرمایا،

لے اپنی "آپ بیتی" میں لکھتے ہیں کہ مرحومہ کے انتقال کے بعد میں اپنے مشاغل علیہ کی وجہ سے بالکل ہی بیٹے کر چکا تھا کہ دوسرا نکاح نہیں کروں گا کہ بڑا حرج ہوگا۔ (آپ بیتی ص ۷۷) لے ان اہلیہ محترمہ سے شیخ کے فرزند ارجمند مولوی محمد طلحہ سلمہ اللہ تعالیٰ اور دو صاحبزادیاں، صفیہ، خدیجہ ہوئیں۔



شیخ کو اب تو یہ یاد نہیں کہ ان پر حج فرض تھا یا نہیں؟ لیکن بیت اللہ کا شوق اور مشرک کا ہم رکابی کا جذبہ رفاقت کا محرک ہوا، یہ شیخ کا حج اسلام (پہلا حج) تھا، شعبان ۱۳۳۵ھ کی کئی تاریخ کو روانگی ہوئی، حضرت نے ممبئی میں اعلان فرما دیا کہ جس کو جس سے مناسبت ہو وہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو، شیخ مولوی مقبول صاحب کی اجازت و منظوری سے جو حضرت کے منظم کا رہے، حضرت ہی کے شریک طعام، اور خادم خاص رہے، جس کو حضرت نے بخوشی منظور کر لیا، شیخ نے مصارف کے لئے اپنی پوری رقم بلا حساب کتاب مولوی مقبول صاحب کے حوالہ کر دی، جہاز ہی میں رمضان شروع ہو گیا، تراویح کا انتظام ہوا، حضرت اور شیخ دونوں قرآن شریف سنانے لگے، مکہ معظمہ حاضری ہوئی تو مولانا محبت الدین صاحب نے جلد ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا، اور فرمایا کہ یہاں تو ایک قیامت آنے والی ہے۔

رمضان مبارک میں شیخ کا معمول تھا کہ تراویح سے فراغت کے بعد روزانہ احرام کی چادریں لے کر بمیدل اپنے چند ہم عمر نوجوان ساتھیوں کے ساتھ "منعم" جاتے اور "عمرہ" لاتے، ساری رات اسی مبارک معمول میں گزرتی، اس زمانہ میں حجاز میں سخت بد امنی تھی، قافلے لٹتے تھے، اور حجاج سخت خطرات اور مصائب سے گزر رہے تھے، مدینہ طیبہ پہنچتے تھے، شوال کا مہینہ شروع ہوا، تو حضرت نے فرمایا کہ میں تو مدینہ طیبہ کئی بار حاضری دے چکا ہوں، معلوم نہیں تم لوگ پھر حاضر ہو سکو یا نہیں، اس لئے مدینہ طیبہ کی زیارت کراؤ، شیخ کو یہ کہہ کر کہ "اللحمة من قریشی" قافلہ کا امیر بنا دیا، خدا کے فضل و کرم سے راستہ لے آئے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلیفہ، اور بڑے صاحب کشف و ادراک بزرگ تھے، لہٰذا شریف حسین کی بغاوت اور نجدیوں کے حملہ کی طرف اشارہ ہے۔

بڑے امن و اطمینان کے ساتھ طے ہوا، رفقائے سفر اور عرب جمال، شیخ سے بہت مانوس اور بے تکلف رہے، اور انھوں نے بڑی خدمت کی، مدینہ طیبہ میں صرف تین دن کا قیام کا ارادہ تھا، لیکن بعض غیبی اسباب کی بنا پر ایک ماہ کا قیام رہا، اس زمانہ میں مدت مقررہ سے زائد رہنے پر فی یوم ایک گئی ادا کرنی پڑتی تھی، لیکن یہ مدت قیام نہ صرف مفت، بلکہ امیر مدینہ کی محذرت کے ساتھ پوری ہوئی، اس سفر میں اور بھی غیبی مدد دیں اور عنایات خاص رہیں، جن کے واقعات شیخ بڑے لطف اور کیفیت سے بیان فرماتے تھے۔

## شیخ کے منشا کی تکمیل میں سعی و جانفشانی

اسی سفر (۳۸-۳۹ھ) میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے علی جان والوں کے یہاں مصنف عبدالرزاق کا قلمی نسخہ دیکھا، حضرت نے مدرسہ مظاہر العلوم کے لئے اس کے خریدنے کی خواہش ظاہر فرمائی، انھوں نے شکر گئی اس کی قیمت بتلائی، قیمت بہت زیادہ تھی، حضرت نے اس کے خریدنے کا ارادہ ترک فرمادیا، شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کی اجازت لے تو شاید ہم لوگ اس کو نقل کر لیں، حضرت نے فرمایا واپسی کے چند دن باقی ہیں، اتنے میں کیسے نقل ہوگی؟ میں نے عرض کیا کہ انشاء اللہ ضرور ہو جائے گا، آپ اجازت لے لیں، حضرت نے اُن سے نقل کی اجازت مانگی، انھوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے، دس بارہ دن واپسی کے رہ گئے ہیں، کیوں انکار کریں، یہ کہہ دیا کہ بڑے شوق سے نقل کر آئیں، شیخ نے قیام گاہ پر لا کر اس کی جلد توڑ دی، اس کا زیادہ حصہ اپنے ذمہ اور بقیہ رفقائے ذمہ تقسیم کر دیا، جو اس سفر میں ساتھ تھے، صبح سے لے کر ظہر تک سب اس کو نقل کرتے، اور عصر سے مغرب تک شیخ اور حضرت اس کا مقابلہ کرتے،

دش پندرہ دن میں نقل مکمل ہو گئی، اور واپسی سے ایک دو دن پہلے اس کی جلد بندھوا کر کتاب واپس کر دی گئی تھی۔

ظاہر ہے کہ شیخ کی اس عالی ہمتی، جفاکشی اور حضرت کی دلی خواہش کی تکمیل میں اپنی راحت و آرام اور دوسرے مشاغل کو قربان کرنے سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو کیسی دلی مسرت ہوئی ہوگی، اور ان کے دل کی گہرائی سے کیسی دعائیں نکلی ہوں گی۔

محرم ۱۳۳۹ھ میں سہارن پور واپسی ہوئی۔

### چند نازک امتحان، اور توفیق الہی

شیخ کو شروع سے پے درپے ایسے نازک امتحانات پیش آئے جن میں اچھے اچھے لوگوں کے قدم ڈگمگاتے ہیں، اور کوہ گراں بھی اپنی جگہ سے جنبش کر جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے شیخ کو ثابت قدم، اور راسخ العزم رکھا، ایسے امتحانات، اور توفیق الہی سے ان میں ثابت قدمی، بعض اوقات پوئے متقبل کا فیصلہ کر دیتی ہے، اس عالم اسباب میں اس کے بڑے دور رس نتائج نکلتے ہیں، ایک چھوٹا سا واقعہ بعض اوقات زندگی میں حد فاصل کا کام دے دیتا ہے، اور بہت سی ترقیات، اور فتوحات کا مستحق بنا دیتا ہے۔

(۱) مولانا محمد یحییٰ صاحب کے انتقال کے تیسرے ہی دن حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے جن کو معلوم تھا کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب پرتھوی کا بڑا بار تھا، ذرا لے آدنی اور تزک میں وہ ایک چھوٹا سا کتب خانہ چھوڑ کر گئے ہیں، جس کی بکری نہ ہونے کے برابر ہے اپنی والدہ اور ہمیشہ کی کفالت اس نوعمر یتیم (شیخ الحدیث) کے ذمہ ہے ارشاد فرمایا کہ

یہ امور بہت قابل فکر ہیں تم ابھی بچے ہو تجارت کا تجربہ نہیں، مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی کو تجارت کا بڑا تجربہ ہے، تم اپنا کتب خانہ لے کر میرٹھ منتقل ہو جاؤ، اور مولانا عاشق الہی صاحب کے زیر نگرانی مکتبہ جلاؤ، انشاء اللہ قرض بھی جلد ادا ہو جائے گا، اور متعلقین کی کفالت بھی سہولت سے ہو جائے گی، شیخ فرماتے ہیں کہ مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت میرے پاؤں کے نیچے کی زمین نکل گئی، میں نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت حکیم ہے تو میرے سر آنکھوں پر اور اگر مشورہ ہے تو میری تنہا تو یہ ہے کہ حضرت سہانپوری کی زندگی میں کسی دوسری جگہ نہ جاؤں، حضرت رائے پوری نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ بس بس آگے کچھ کہنا نہیں ہے، میری بھی یہی خواہش تھی، مگر مولانا عاشق الہی صاحب نے فرمایا کہ میرے کہنے کا تو اثر نہ ہوگا آپ حکم فرمائیں، اس کے ساتھ بڑی دعائیں دیں۔

(۲) شیخ کے خاندان کا تعلق مدرستہ العلوم علی گڑھ سے (جو بعد میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام سے مشہور ہوا) بہت قدیم اور گہرا تھا، علی گڑھ تحریک کے بانی سر سید احمد خان مولانا نور احسن صاحب کا بدھلوی کے شاگرد تھے، اور انھوں نے اس تلمذ کا ہمیشہ بڑا احترام کیا جس کے نتیجے میں اس خاندان کے ذہین اور شریف نوجوان مختلف دوروں میں علی گڑھ کالج سے استفادہ کرتے رہے، ان میں بیسویں صدی کے ابتداء میں دو بھائی مولوی بدر احسن صاحب (جو سب حجاز کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے) اور مولوی علاء احسن صاحب (جو ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے) خاص طور پر ممتاز و نامور ہوئے، شیخ کے اکثر اہم عمر، اور قریبی عزیز ۱۷ آپ بیتی ۲۵ حضرت سہانپوری اس وقت حج سے واپس آئے تھے، اوزینی تال جیل میں

تحقیقات کے سلسلہ میں قیم تھے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "حیات خلیل" ۲۲۱-۲۲۲  
۳۷ یاد رہے کہ اس وقت شیخ کی عمر انیس سال تھی۔

علی گڑھ میں تعلیم پاتے تھے، مولوی بدر احسن صاحب نہ صرف علی گڑھ کے اولڈ بوائے (OLD BOY) تھے، بلکہ کالج کے ٹرسٹی، اور اس کے اہم ارکان میں سے تھے، اس وقت لکھنؤ میں سب جج تھے، شیخ کی تنخواہ ۵۰۰ روپے پر ماہانہ تھی، آئندہ کی ترقیات کا بھی حال معلوم تھا، والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا، خاندان کا معیار زندگی 'زمینداری' اور اعلیٰ سرکاری عہدوں کی وجہ سے خاصا بلند تھا، مولوی بدر احسن صاحب نے ازراہ شفقت مینصوبہ بنایا کہ شیخ جن کی ذہانت اور ادبیت خاندان میں مشہور اور مسلم تھی، پرائیویٹ طریقہ پر علوم مشرقیہ کا اور اس کے ذریعہ یونیورسٹی کا امتحان دیدیں، اس کے بعد کالج میں تین سو روپے کی ملازمت یقینی ہے، خاندان کے بزرگوں کی طرف سے اس بارے میں نہ صرف ناپسند تھی، بلکہ اصرار تھا، جو ناراضگی کی حد تک پہنچ گیا، لیکن شیخ نے ادب، مگر شدت کے ساتھ اس سے انکار کیا، اور فرمایا کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور اس میں کمی وبیشی کا تعلق صرف تقدیر سے ہے، اگر اللہ کو رزق کی کثائش اور روزی کی فراخی منظور ہے تو ہمیں بیٹھے بیٹھے وہ حاصل ہوگی، ورنہ ہزار جتن کرنے کے بعد بھی اس کی کوئی ضمانت نہیں، شیخ کا یہ جواب سن کر خاندان کے ایک بزرگ (مولوی سراج حسن صاحب) نے جو شیخ کو سمجھانے آئے تھے، بڑی مسرت کا اظہار کیا اور بڑی داد دی۔

(۳) اس سے بڑا امتحان چند دنوں کے بعد پیش آیا، کرناٹ میں نواب غفلت علی خاں مظفر جنگ کے مشہور وقت کی جانب سے ایک بڑا تبلیغی دارالعلوم قائم کیا گیا، جس کی خصوصی غرض وغایت یہ تھی کہ اسلام کی تبلیغ، اور اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے، نیز جدید شبہات اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے ہو، اس وقت

اپنی تبلیغی کوششوں میں بہت سرگرم تھے، ایسے فضلاء تیار کئے جائیں، جو عربی و انگریزی دونوں سے واقف اور علوم قدیم و جدید دونوں کے جامع ہوں، اس کے لئے یہ تجویز ہوئی کہ بڑے وظائف دے کر مستند عربی مدارس کے فضلاء کو انگریزی اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فارغین کو عربی پڑھائی جائے، مولانا سرجم بخش صاحب مرحوم، جو ریاست بہاولپور کے صدر کونسل اور ریجنٹ تھے، اس تحریک کے بڑے سرپرستوں میں سے تھے، ان کا تعلق گنگوہ، رائے پور، اور سہارن پور سے خادمانہ اور مخلصانہ تھا، اور وہ مظاہر العلوم کے بھی سرپرستوں میں تھے، انھوں نے ابتدائی مدرس حدیث کے لئے شیخ کا انتخاب کیا، اور اس کے لئے سہارن پور کا مستقل سفر کیا، ضابطہ کی تین سو ماہانہ تنخواہ کے علاوہ انھوں نے زیادہ سے زیادہ سہولتیں دینے کا وعدہ فرمایا، مثلاً رمضان کی چھٹی، حضرت کی خدمت میں رہنے کے لئے ہر سال تین ماہ کی چھٹی بلا وضع تنخواہ، اجناس کی سہولت، ان سب کے ساتھ ان کی صرف ایک شرط یہ تھی کہ حضرت پر ظاہر نہ ہو کہ یہ تحریک ان کی ہے، اس لئے کہ مظاہر العلوم کے ایک سرپرست کی حیثیت سے ان کے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ مدرسہ کے مدرس کو کسی اور جگہ کے لئے آمادہ کریں، انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دو سال کی چھٹی لے لو، اور یہ کہو کہ قرض کا بار زیادہ ہے، شادی بھی ہو چکی ہے اور بچے بھی ہیں، مدرسہ کی تنخواہ میں گزارا نہیں ہوتا۔

اس وقت شیخ کی تنخواہ بیس روپے تک پہنچی تھی، مولانا سرجم بخش صاحب کے دیرینہ تعلقات ان کی بزرگانہ و مخدومانہ حیثیت، ان کا پر خلوص اصرار قرض کا بار تنخواہ کی قلت، اور ترقی کے امکانات کا فقدان، یہ سب وہ "حقائق" تھے، جو اس پیش کردہ مدرسہ کزنال کی ملازمت کی پیش کش کا قصہ ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان کا ہے۔

قبول کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے، اور ان کے لئے شرعی، اخلاقی، علمی دلائل بھی پیش کرتے تھے، یہ ایک نوجوان عالم کے لئے جو ذہانت کے جوہر سے آراستہ، اور حدیث و ادب میں شہرت یافتہ تھا، ایک بڑی آزمائش تھی، شیخ اس وقت حقیقتاً ایک دوراہے پر کھڑے تھے، اگر وہ اثبات میں فیصلہ کرتے، تو ان کی زندگی کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، اور آج شاید ان سطور کے کھینچنے کی نوبت نہ آتی کہ عرصہ ہوا کہ وہ اسکیم فیل ہو چکی، مدرسہ کا نام و نشان باقی نہیں رہا، اس کے لائق مدرسین کچھ تو پیوند خاک ہو گئے، اور کچھ گمنامی کی زندگی گزار رہے ہیں، نظر بہ اسباب ظاہر شیخ کا معاملہ اس سے کچھ مختلف نہ ہوتا۔

لیکن توفیق الہی نے دست گیری فرمائی، اور جس کو شیخ احمد ریت کے لقب سے مقبول خاص و عام ہونا تھا، اور جس سے خدا کو حدیث کی خدمت، طلباء علوم دینیہ کی تربیت، اور ایک عالمگیر دینی تحریک (تبلیغ) کی سرپرستی، اور مشائخ عصر کی ناشینی کا اہم کام لینا تھا، اس کو اس معاملہ میں صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی گئی، شیخ کے الفاظ ہی میں سنئے، فرماتے ہیں:-

”اس ناکارہ نے مولانا مرحوم سے کہا کہ آپ کے مجھ پر احسانات بہت زیادہ ہیں، ان احسانات کے مقابلہ میں مجھے آپ سے معذرت کرنی، نہایت ہی نامناسب ہے، لیکن اس سب کے باوجود آپ تو مجھ سے یہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سے اجازت لوں، لیکن آپ کے براہ راست کہنے پر، اگر حضرت مجھے حکم بھی فرمائیں گے، تو میں عرض کر دوں گا کہ اس حکم کی تعمیل سے معذور ہوں۔“

عزیمت کا یہ جواب سن کر مولانا رحیم بخش صاحب جو بڑے جوہر شناس، اور جہاں دیدہ تھے، کبیدہ خاطر نہیں ہوئے، بلکہ انھوں نے جواب کی بڑی قدر کی،

اور فرمایا کہ ”میں تمہارا معتقد تو پہلے سے تھا، لیکن اس جواب سے میں اور زیادہ متقد ہو گیا۔“

(۴) ۱۷۶ھ میں جب دورہ کے اسباق شیخ کے ذمہ تھے اور خاص طور پر البدوؤ کی سال سے بڑی قابلیت سے پڑھا ہے تھے، ان کے ایک شاگرد مولوی عادل قدوسی گنگوہی کا جو دائرۃ المعارف حیدرآباد میں تصحیح کے کام پر ملازم تھے، ایک طویل خط آیا، اس میں لکھا تھا کہ دائرہ میں پہنچنے کے اسماء رجال پر متقل تالیف کا فیصلہ ہوا ہے، یہاں کی مجلس کی نظر اس کام کے لئے دو فاضلوں پر پڑی ہے ایک مولانا نور شاہ صاحب پر، ایک آپ پر کام چونکہ پرمشقت اور طویل ہے، اس کے لئے جفاکش و جوان عمر آدمی کی ضرورت ہے اس لئے دائرہ کار حجان آپ کی طرف ہے، تنخواہ آٹھ سو روپے ماہوار ہوگی، سرکاری موٹر بھی ملے گی، اور مکان بھی دیا جائے گا، ملازمت صرف چار گھنٹے کی ہوگی، باقی آپ آزاد رہیں گے، کتب خانہ آصفیہ سے استفادہ کی بھی آزادی ہے گی (یاد ہے کہ شیخ اس وقت ”وجہ المسالک“ کی تالیف میں مشغول تھے، جس کے لئے وسیع کتب خانہ کی ضرورت تھی) اس پیش کش میں متعدد اقتصادی، اخلاقی و علمی ترغیبات تھیں، جن میں سے ہر ایک کے ساتھ بڑے قوی دلائل اور وجوہ جواز تھے، لیکن شیخ نے مسئلہ کو قابل غور اور لائق مشورہ بھی نہیں سمجھا اور اس کے جواب میں برحسب ایک کارڈ لکھ دیا جس میں صرف یہ مصرعہ تھا۔

مجھ کو جینا ہی نہیں بندہ احسان ہو کہ

نیچے دستخط تھے۔

(۵) اس سے بڑا امتحان یہ پیش آیا کہ چال گام یا ڈھاکہ کے مدرسہ عالیہ سے

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”آپ بیتی“ ص ۱۰۹۔ ۱۱۰ لے شیخ نے خود اس بارے میں تردد کا اظہار کیا۔



والہی کا کوئی ارادہ نہ تھا، رفقاء سے خاص کو اس کا علم تھا، اور کہتے تھے کہ آپ تو بیہا  
 یقین میں آسودہ خاک ہونے کے لئے آئے ہیں، مدرسہ کے شیرازہ کو مجتمع رکھنے، اور  
 اس دورِ پرفتن کے آفات و شرور سے اس کو الگ رکھنے کے لئے، نیز ارشاد و تربیت  
 کے اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے جو حضرت کی ذات سے وابستہ تھا، شیخ کی والہی  
 ہندوستان ہی کو مناسب تھی، مولانا سید احمد صاحب مدنی نے اپنے مدرسہ شرعیہ کے لئے  
 شیخ کو روکنے کی بڑی کوشش فرمائی، ان کا اصرار تھا کہ والہی نہ جائیں، وہ حضرت  
 مولانا محمد ایسا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کراہی کی رقم بھیج دیں گے، تاکہ وہ شیخ  
 کے متعلقین کو مدینہ طیبہ پہنچا دیں، لیکن حضرت سہارنپوری نے مظاہر العلوم کی اہمیت  
 کے پیش نظر اس کو قبول نہیں فرمایا، بلکہ شیخ کے لئے ”شیخ الحدیث“ کے عہدہ اور  
 ”نائب ناظم“ کے منصب کی تحریر لکھ کر دے دی، جس پر شیخ نے بڑی عرض و معروض کی،  
 آخر میں حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری کو بیچ میں ڈالا، مولانا نے  
 ایک لطیف عنوان سے خدمت میں عرض کر کے ”نائب ناظم“ کی ذمہ داری سے ان  
 سبک دوش کر دیا، شیخ الحدیث کے منصب کے لئے حضرت نے اپنے دست مبارک سے  
 تحریر لکھ کر کتاب میں رکھ دی، اور ایسا انتظام فرمایا، کہ شیخ کی نظر اس پر پڑ جائے۔

رخصت کرنے سے پہلے چاروں سلسلوں میں بیعت و ارشاد کی عام اجازت عطا فرمائی  
 اور اس کے لئے بڑا اہتمام فرمایا، اپنے سر سے عمامہ اتار کر مولانا سید احمد صاحب کو دیا کہ  
 شیخ کے سر پر باندھیں جس وقت وہ عمامہ شیخ کے سر پر رکھا گیا، شیخ پر ایسی رقت  
 طاری ہوئی کہ چیخیں نکلی گئیں، حضرت بھی آبدیدہ ہو گئے، شیخ نے بعض مجلسوں میں فرمایا کہ

لے برادر اکبر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، جو بانی مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ۔

عامہ رکھتے ہی مجھے اپنے اندر کوئی چیز آتی محسوس ہوئی، اس سے میں سمجھا انتقالِ نسبت کی شاید یہی حقیقت ہے، شیخ نے اس اجازت کو بہت پوشیدہ رکھا اور شاید عرصہ تک ہندوستان میں اہل تعلق کو اس کا علم نہ ہوتا، لیکن حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشہیر کر دی، پھر بھی عرصہ تک بیعت لینے سے انکار کرتے رہے، لیکن عم معظم مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اس کا سلسلہ شروع کیا، اس کے پہلے خاندان کی چند بیبیوں نے بیعت کی درخواست کی، شیخ نے حسب عادت انکار و معذرت کی، انھوں نے مولانا محمد الیاس صاحب سے عرض کیا مولانا نے شیخ کو بٹھایا اور حکم دیا کہ وہ بیعت کریں، شفقتاً اپنا عامہ بھی سر پر رکھ دیا، رفتہ رفتہ اہل صلاح و علم کا رجوع ہوا، اور وہ بڑھتا ہی چلا گیا۔



## باب چہارم

سہارنپور کا مستقل قیام، تدریس و تصنیف، ارشاد و تربیت

حج کے اسفار اور چند اہم واقعات

حجاز سے واپسی اور سہارنپور کے مشاغل

حجاز سے واپسی پر آپ ہمہ تن تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے، واپسی کے بعد سے ابوداؤد کا درس بھی آپ ہی کے پاس آگیا، "بذل" کی ترتیب میں شریک رہنے اور حضرت سہارنپوری کی خصوصی توجہ کی وجہ سے اس کی تدریس میں قدرتی طور پر آپ کو امتیاز حاصل تھا، "اوجہ" کی تالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا، حضرت گنگوہی اور والد ماجد کی تحقیقات و تقریرات کی اشاعت کا بھی شغل رہتا تھا، اس کے علاوہ دوسرے دینی و تبلیغی رسائل جو زیادہ تر بزرگوں و سرپرستوں بالخصوص عم بزرگوار حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے ارشاد و تاکید سے لکھے گئے، تحریر میں آتے رہے۔ ان تدریسی و تصنیفی مشاغل کے علاوہ مدرسہ کے انتظام میں آپ شریک غالب اور مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کے قوتِ یاز و درست راست تھے بحث طلب مسائل و امور میں اکثر آپ ہی کی رائے فیصلہ کن اور قطعی ہوا کرتی تھی، پھر مشائخ عصر اور اکابر سلسلہ حضرت مولانا حسین احمد صدیقی، حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب

کاندھلوی، حضرت مولانا عاشق الہی صاحب ریٹھی، حضرت حافظ فخر الدین صاحب پانی پتی اور شاہ محمد سلیم صاحب گنگوئی، سب کی بکثرت آمد و رفت رہتی تھی، اور آپ سب کے معتقد علیہ محبوب، مشیر، اور محرم راز تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فطری جامعیت، اعتدال و توازن اور بے ہمہ اور باہمہ ہونے کی صفت عطا فرمائی تھی، اس کی وجہ سے آپ کی ذات اور آپ کا مستقر سب کا مرکز اور سب کے لئے ”نقطۂ جامعہ“ تھا، اور کلیات سے لے کر جزئیات تک آپ اکثر مشیر و ذخیل رہتے۔

اس سب کے اسواہماؤں کا ہجوم جو اس مقبولیت کا قدرتی نتیجہ تھا، واردین اور صادرین کی کثرت، اور دسترخوان کی وسعت بڑھتی چلی گئی، اور اس نے آپ کی مشغولیت میں روز افزوں اضافہ کیا یہاں تک کہ وہ آپ کا ایک ایسا امتیاز بن گیا، اور اس نے ایک ایسی شہرت حاصل کر لی، جو بہت سے لوگوں کے لئے موجب حیرت ہے، مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کی وفات کے بعد جو ایک بہن سال، اور تجربہ کار مخلص اور مستعد ناظم تھے، مدرسہ کے انتظام اور انصرام، اور اس کی بقا و قیام کا سب سے بڑا بوجھ آپ پر پڑ گیا، اگرچہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سابق صدر مدرس اپنے علم و فضل، اور اخلاص و دلہیت کی بناء پر مدرسہ کے قدیم شیوخ و اکابر اور ذمہ داروں کے صحیح جانشین تھے، اور ان کا وجود مدرسہ کے لئے ایک بڑی نعمت تھی، لیکن ان کے گونا گوں امراض، بڑھتی ہوئی معذوری، اور طبی ضعیف کی بناء پر شیخ کو مدرسہ کے نظم و نسق اور جزئیات و کلیات کے لئے خاصہ وقت دینا پڑتا، اور ان کی ذات، ان کی قوت فیصلہ اور ان کا شخصی اثر ہی مدرسہ کا پشت پناہ تھا۔

ادھر خدا کا ان کے ساتھ خاص معاملہ یہ تھا کہ جو شیخ و مرتبی دنیا سے جاتا وہ اپنے مسٹر شذین و تعلقین کو یا تو خود شیخ کے سپرد کر جاتا، یا وہ خود کسی اشارہ غیبی سے، یا اس

شیخ احمد ریش کے منصب کی پیش کش ہوئی، جس کی بارہ سو روپے تنخواہ تھی، اور صرف ترمذی اور بخاری پڑھانا تھا، پہلے خط آیا پھر اجنبی تارک خط کے جواب کا سخت انتظار رہا، شیخ فرماتے ہیں کہ تارک کے جواب میں میں نے صرف یہ لکھ دیا کہ معذوری ہے، خط میں مفصل لکھا کہ جن دوستوں نے آپ کو میرا نام دیا ہے، انھوں نے محض حسن ظن سے کام لے کر غلط روایات پہنچائی ہیں، یہ ناکارہ اس کا اہل نہیں ہے۔

اس کے بعد پھر غالباً کوئی اور ایسا امتحان پیش نہیں آیا، اور نہ اس کا کوئی موقع تھا کہ شیخ کی بلند ہمتی، ان کا طرز زندگی، خدا داد مقبولیت، اور خدا کی سبب الاسبابی کا غیبی مشاہدہ، جو ہر جانے والے اور ہر آنے والے کو کھلی آنکھوں ہوتا رہتا تھا، کسی اندر اس کا خیال بھی نہیں ہونے دیتا تھا کہ ایسا مشورہ دیا جائے، یا کوئی ایسی پیش کش کی جائے، نوعمری اور مدرسہ کے آغاز ہی میں ان کی بلند ہمتی، اور عالی حوصلگی ایسے سب لوگوں کو یہ کہہ کر مایوس کر دیتی۔

برو ایں دام بر مرغِ دگر نہ

کہ عشق را بلند است آشیانہ

اور اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی نصرت اور کفالت کا اور بھی مشاہدہ اور تجربہ ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے مدارج عالیہ سے سرفراز فرمایا، اور اپنی محبت و رضا کی دولت سے نوازا، تو اب تو زبان حال، ابیخسرو کی زبان میں اس طرح گویا ہے کہ

ہر دو عالم قیمتِ خود گفستئ

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز!

(۶) ان امتحانات کے علاوہ جن کا تعلق معاشیات، زہد، وقاحت اور فراغت و وسعت میں سے کسی ایک کے انتخاب سے تھا، ایک امتحان ابتدائے عمر میں اور بھی پیش آیا تھا، اور اس زمانہ کے حالات اور عمر کے لحاظ سے آسان امتحان نہ تھا، وہ یہ کہ مرزا ثریا جاہ کی صاحبزادی قیصر جہاں بیگم سے مولانا محمد یحییٰ صاحب کے رشتہ کو جب خود مولانا محمد اسماعیل صاحب اور مولانا محمد یحییٰ صاحب نے قبول نہیں کیا، اور ان کی شادی اپنے گھر نہ میں ہو گئی، تو اس خاندان سے تعلق و عقیدت کی بناء پر ان کی تنہا ہوئی کہ وہ اپنی لڑکی کا نکاح شیخ الحدیث سے کر دیں، جن کی اس گھر میں بچوں کی طرح آمد و رفت تھی، مولانا محمد یحییٰ صاحب نے اس کو پسند نہیں کیا، مگر ان کے شدید اصرار پر ایک مرتبہ امتحان شیخ سے دریافت کیا، شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ پاندان لئے لئے پھرنا میرے بس کا نہیں، اس لئے کہ وہ مینظر اور قیصر جہاں مرحومہ کے شوہر مرزا شاہ مرحوم کا ان سے یہ والہانہ اور نیا زندانہ معاملہ دیکھتے تھے، اس طرح وہ آزمائش سے بچ گئے، جو بہت سے غریب یا متوسط الحال مشرف گھرانوں کے نوجوانوں کو کسی رئیس خاندان کا داماد بننے سے بارہا پیش آئی ہے، اس عمر میں ایسا خود دارانہ اور مبصرانہ جواب ایک غیر معمولی مستقبل کی پیشین گوئی کرتا تھا، اور فارسی کے اس شعر کی تفسیر تھا۔

بالائے سرش ز ہوش مندی

می نافست ستارہ بلندی

## دوسرا سفر حج، حضرت کی رفاقت اور مدرسہ کی تنخواہ کا معاملہ

۱۳۴۲ھ میں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حج کا قصد فرمایا، اپنی پیروی و رگی میں مدرسہ کا انتظام اس طرح کیا کہ مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کو مدرسہ کا ناظم اور شیخ کو صدر مدرس مقرر کیا، مظاہر العلوم کے صدر مدرس کی ذمہ داریوں اور روایات میں بھی شامل ہے کہ وہ مختلف شہروں میں ہونے والے ان تبلیغی اور دینی جلسوں میں شرکت بھی کرے جہاں سے دعوت آئے، نیز مدارس کے سالانہ اجتماعات وغیرہ میں بھی شریک ہو، شیخ کو سفر سے شروع ہی سے وحشت اور عدم مناسبت تھی، یہ معلوم کر کے کہ حضرت نے صدر مدرس کے لئے ان کو نامزد فرمایا ہے اس عہدہ کی جلالت شان اور اس کی ذمہ داریوں کے خیال سے شیخ کو فکر پیدا ہوئی، انھوں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت "بذل" کے کام کا کیا ہوگا؟ اس کا سلسلہ تو سفر میں منقطع ہو جائے گا، فرمایا، ہاں! مجھے بھی اس کا خیال ہے عرض کیا کہ میں ساتھ چل سکتا ہوں، اس خدمت کو انجام دوں گا، فرمایا، مصارف سفر کا کیا انتظام ہوگا؟ عرض کیا کہ قرض لے لوں گا، فرمایا! تمہاری تنخواہیں بھی تو باقی ہیں میں نے عرض کیا کہ میں نے تو یہ اجارہ فسخ کر دیا، فرمایا، فسخ دونوں طرف سے ہوتا ہے، تم نے تو فسخ کیا، ہم نے تو منظور نہیں کیا، حضرت کے اس حکم پر شیخ نے ان مہینوں کی تنخواہیں وصول کیں، جن کو وصول نہیں کیا تھا، جن کی مجموعی رقم ۹۴۰ یا ۹۲۶ ہوتی تھی، شیخ نے اس حکم کی تعمیل تو کی، اور اس سے سفر کا باآسانی انتظام ہو گیا، لیکن حجاز پہنچ کر ایک ہزار کا وصیت نامہ

لے بعض دوسرے عربی مدارس میں مہتمم کی اصطلاح مروج ہے، بلکہ دوران ملازمت میں شیخ کبھی تنخواہ لیتے تھے، کبھی نہیں لیتے تھے، جن مہینوں کی تنخواہیں لیتے تھے، ان کے متعلق بھی یہی نیت تھی کہ واپس کر دیں گے

مدرسہ کو بھیج دیا کہ میری واپسی تک مولوی نصیر الدین صاحب میرے کتب خانہ سے بلا قسط ادا کرتے رہیں، چنانچہ اس پر عمل ہوا، واپسی پر شیخ نے یہ حساب معہ اس اضافہ کے جو بعد میں ہوا، اور جس کی میزان ۲۷۱۷ (دو ہزار سات سو سترہ روپیہ) ہوتی تھی، ادا کر دی۔

حج کا سفر، اور اتاد و مرشد کی مسلسل وہمہ وقت رفاقت ایک عالی استعداد، سرتاپا محبت و اطاعت مسترشد کے لئے جس کے سفر کا اصل مقصد ہی شیخ کی خدمت و اعانت اور استفادہ تھا، جیسی روحانی اور باطنی ترقیات اور حصول کمالات کا ذریعہ بنی ہوگی، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں، شیخ نے مدینہ طیبہ کے طویل قیام میں بھی حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے "بذل" کی تالیف میں مدد دینے کے علاوہ کسی شغلہ اور دل چسپی سے سروکار نہیں رکھا، اس مصروفیت و انہماک کی وجہ سے وہ مسجد نبویؐ کی حاضری اور لقیع کی زیارت کے علاوہ کہیں آجا نہیں سکے۔

"بذل" کے کام کے علاوہ انھوں نے (غالباً مدینہ طیبہ کی رعایت سے) امام دارالہجۃ امام مالکؒ کی مشہور و مقبول کتاب "موطا" کی شرح لکھنی شروع کی، جو "اوجز المسالك" کے نام سے بعد میں چھ جلدوں میں مکمل ہوئی، مگر مکرمہ کے قیام میں بھی اگر حضرت نے کسی کتاب کی نقل یا کوئی علمی خدمت سپرد کر دی تو شیخ نے اس کی تکمیل کو بھی اپنا وظیفہ اور اپنی ترقی کا ذریعہ سمجھا، اور اس میں پورے انہماک سے کام لیا۔

### اجازت و رخصت

حضرت سہارنپوری مدینہ طیبہ میں مستقل قیام کے ارادہ سے گئے تھے، آپ کا لے شیخ فرماتے ہیں کہ اس کی تصنیف کا کام مواجہ شریف کے قریب ہوتا تھا، اور جتنا حصہ مدینہ طیبہ کی مختصر مدت قیام میں لکھا گیا، وہ ہندوستان کے ہمینوں اور بریسوں کے قیام میں بھی نہ ہو سکا۔



جس پر ۲۵-۳۰ سے لے کر ۴۵ سو سو تک کا مجمع نہ ہو، چونکہ ایک کنڈیشنڈ کی وجہ سے اس کی گھر لکیاں نہیں کھل سکتی تھیں، اس لئے ہر اسٹیشن پر اٹھ کر دروازہ تک آنا پڑتا تھا، مجھے تو رات میں لیٹنے کی بھی ذہانت نہ آئی، سنا ہے کہ اس ہجوم میں میرا پاکستان میں پہلی آمد کو بھی دخل ہے۔

حرمین شریفین تو جاکر معلوم ہوا تھا کہ یہ سیاہ کار محدث ہے، ہر دو جگہ کے شاخ و اساتذہ کا اجازت حدیث کا اتنا زور بندھا کہ میں اپنی نااہلیت کی وجہ سے معذرت اور رمل و سوف کرتا تھا، گیا، پاکستان آکر معلوم ہوا کہ یہ رویہ پر بھی ہے، متفقین کے ہجوم نے ایسا محبوس رکھا کہ زیادہ اوقات چاروں طرف کے کوڑ بند کئے اندر بند رہنا پڑا، بدھ کو عصر کے بعد لائل پور سے سرگودھا روانگی ہوئی، اور جمعرات کی شام کو عصر کے بعد سرگودھا سے ڈھڈیاں شریف لائل پور اور سرگودھے کی گرمی اس قدر ناقابل برداشت تھی کہ باوجود چاروں طرف برف کی سیلیوں اور کئی کئی بجلی کے پنکھوں کے اس کم بہت کو سکون نہ ہوتا تھا، لائل پور میں ۱۱۷ اور سرگودھا میں ۱۲۱ درجہ بتایا جا رہا تھا ڈھڈیاں سے ہر شخص ڈرنا تھا کہ وہاں بجلی ہے نہ پنکھا اور وہ گرمی میں سرگودھا کا تاب ہے اس نے اپنے کو بھی بہت ہی فکر تھا، مگر حضرت نور اللہ مرند کو زندگی میں ہمیشہ اس ناکارہ کی راحت کی فکر رہی اور اب بھی اس کا ظہور ایسا ہوا کہ ڈھڈیاں کے ۳ دن منصوری بلکہ چکر دتہ کے حکم میں تھے، رات کو کپڑا اوڑھنا پڑتا تھا، دن کو بھی عین دوپہر میں وہ ٹھنڈی ہوا میں زوردار چلتی تھیں کہ نطف آجاتا تھا، اوقات ایسے آخر تک گھرے ہوئے ہیں کہ وہاں کے ۳ دن بھی بہت سے احباب کا دل برا کر کے تجویر ہوئے تھے اس لئے اضافہ کی

گنجائش نہیں تھی، وہاں کے ۳ دن تو بلا مبالغہ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے روانگی پاکستان کے آخری ایام تھے، کھڑکیوں اور دروازوں پر پور توں اور مردوں کا سارا دن اس قدر ہنگامہ رہتا کہ بار بار کواڑ لگانے کی نوبت آتی تھی، لیکن پھر بھی صحیح بند کواڑوں پر مسلط رہتا، بھائی اسماعیل لائل پوری بہت زور لگا کر ان کو چننا کرتے تھے، کواڑ کھلنے پر پھر ہجوم کا وہی حال، حضرت مولانا فضل احمد صاحب کئی دن پہلے ڈھڈیاں پونچھ چکے تھے، حضرت حافظ عبد العزیز صاحب گتھلوی جمعہ کی صبح کو ڈھڈیاں تشریف لے گئے تھے، شام کو واپس آگئے تھے، اس کے بعد اتوار کی صبح کو تشریف لے گئے تھے، اور سیر کی صبح کو ہمارے ساتھ ہی واپس ہوئے، مولانا عبد العزیز صاحب رائے پور کو جہاں ان کے بھائی مفتی عبدالرشید صاحب، ماسٹر منظور صاحب، مولوی سعید احمد ڈونگہ بونگہ تو کراچی ہی خیر سن کر پہنچ گئے تھے، آزاد صاحب بھی ہمارے ساتھ سرگودھے سے گئے، اور ساتھ ہی واپس ہوئے، اور بھی حضرت کے مخصوص چھترائے میں سے ایک بڑا مجمع جمع رہا، دسمبر میں جو اجتماع رائے پور میں چاہا تھا، ہمارا مقدر وہاں تو نہ ہو سکا، بلکہ وہ ایک طوفان بن گیا، لیکن ڈھڈیاں مین مین روئے، ذکرین کا خوب ہجوم رہا، یہاں رات پہنچے، جمعہ کی صبح کو یہاں سے لاہور روانگی ہے، وہاں سے ایک شب رائے ونڈ کی ہے، اور ۵ ارجو لائی کو بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی، دہلی کا ارادہ آپ حضرات بالکل نہ کریں، بڑا ہجوم ہوگا، ملاقات بھی نہ ہو سکی گی، انشاء اللہ دیوبند کے کسی اجتماع میں اس ناکارہ کے لئے وقت نکال لیں، اطمینان سے ملاقات ہو جائے گی، بخدمت مولانا منظور احمد صاحب

مضمون واحد۔ فقط محمد زکریا پنڈی ۷ جولائی منگل بقلم احسان۔

## چوتھا جج

مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ایک سال خالی گیا،  
گلے سال ۱۳۸۶ھ (۱۹۶۷ء) حجاز میں کام کرنے والوں کا تقاضا ہوا کہ حجاز، نیز  
بیرونی مالک میں کام اور کام کرنے والوں کی ضرورت و مصلحت کا اقتضا ہے کہ مولانا  
کے جانشین اور تبلیغی دعوت کے موجودہ ذمہ دار مولانا انعام الحسن صاحب اپنے خاص  
رفقاء کے ساتھ اس سال حج کو آئیں، تاکہ دعوت میں نئی طاقت و استحکام، اور مزید وسعت  
و عمومیت پیدا ہو، بڑے غور و خوض اور حالات و ضروریات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت  
شیخ الحدیث کے مشورہ اور تائید سے اس کو منظور کر لیا گیا، یہ مولانا انعام الحسن صاحب  
کا مولانا محمد یوسف صاحب کے بعد اور ان کے بغیر حج کا پہلا سفر تھا جس میں ہندوستان  
اور پاکستان کے علاوہ اسلامی و غیر اسلامی مالک کے بکثرت رفقاء، احباب و کارکن،  
اور علماء و خواص کا اجتماع متوقع تھا، قدرتنا مولانا انعام الحسن صاحب کی طبیعت  
پر اس سفر کی اہمیت، اور اپنی تنہائی کا احساس غالب تھا، اور ان کا قلبی طبعی تقاضا  
تھا کہ حضرت شیخ الحدیث کی محبت ان کے لئے اس عظیم سفر میں تقویت و طمانیت کا  
موجب ہو، دوسری طرف حجاز کے اہل تعلق اور جماعت کے رفقاء، اور کارکنوں کے  
پیہم خطوط، اور متواتر تقاضے آ رہے تھے کہ شیخ اس سفر میں ضرور ساتھ ہوں، حجاز اور  
پاکستان کے اہل تعلق کو صرف اسی سفر کے یہانے، اور اسی سفر کی تقریبی زیارت  
و صحبت کا موقع مل سکتا تھا۔

بشروع میں جماعت کے نظم و نسق کی نگرانی، اور مولانا انعام احسن صاحب کے باہر چلے جانے کی وجہ سے جو خلا پیدا ہوتا تھا، اس کے پیش نظر شیخ الحدیث کا نہ جانا سہاڑپو میں طے کر دیا گیا، اور اس کی اطلاع بھی دے دی گئی، لیکن ہوں ہوں مولانا انعام احسن صاحب کی روانگی کی تاریخ قریب آتی جا رہی تھی، سائے ہندوستان میں شیخ کے جانے کی خبر بھی گرم ہو رہی تھی، اور استفساری خطوط کا تانتا بندھ رہا تھا، اور مقررہ تاریخ پر دہلی اور بمبئی زائرین اور رخصت کرنے والوں کے پہنچنے کی اطلاعاتیں آرہی تھیں، بالآخر ۱۹ فروری ۱۹۶۷ء کو شیخ دہلی تشریف لے آئے، اور ابھی تک روانگی طے نہ تھی، کسی وقت جانے کی خبر گرم ہو جاتی تھی، کسی وقت نہ جانے کی، راقم السطور مولانا محمد منظور صاحب، اور مولوی معین اللہ صاحب ندوی رخصت کرنے کی نیت سے ۲۰ فروری کو دہلی پہنچے، شیخ نے فوراً یاد فرمایا، اور تخلیہ کا حکم دیا، اس وقت صرف مولانا انعام احسن صاحب مولانا منظور صاحب، اور یہ ناچیز تھا، شیخ نے اپنی ذہنی کشمکش اور تردد کا اظہار فرمایا، اور بعض غیبی اشارات و مبشرات، دوستوں کے انتظار و اشتیاق سفر کے محرمات اس کے مقابلہ میں قیام کے اسباب و موجبات کا ذکر فرماتے ہوئے رائے طلب کی، ہم لوگوں نے قیام کا رجحان ظاہر کیا، اور اس کے مصالح عرض کئے، شام تک کوئی ایک پہلو غالب اور قطعی نہیں معلوم ہوتا تھا، رات کو جب سعودی سفیر محمد احمد الشبیلی ملنے کے لئے تشریف لائے، اور اس موقع پر مجلس خاص میں حاضری ہوئی تو جانے کا فیصلہ معلوم ہوتا تھا، چنانچہ یہ اندازہ ہو گیا کہ سفر طے ہو گیا ہے۔

ملاقات اور رخصت کرنے والوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا، نظام الدین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے اور شیخ تک پہنچنے میں ہزار دقتیں معلوم ہوتی تھیں،

یگانگت واعتماد کی بناء پر جو ان کے شیخ و مرتبی روحانی کو شیخ پر تھا، وہ سب شیخ کی ذہنی کی طرح رجوع کرنے اور بالعموم شیخ سے اپنی تکمیل و تربیت اور مشورہ و رہبری کا کام منعلق کرتے، مولانا محمد الیاس صاحب کا معاملہ تو گھر ہی کا تھا لیکن ان سے پہلے مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی اور ان کے بعد مولانا مدنی؟ پھر حضرت رائے پوری اور سب کے آخر میں مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات کے بعد ان سب حضرات کے اکثر اہل ارادت اور اہل تعلق نے شیخ ہی کو اپنا روحانی سرپرست، مشیر و رہنما، اور اپنے مشائخ کا جانشین اور وارث و امین سمجھا، پھر خصوصیت کے ساتھ مولانا محمد یوسف صاحب کی رحلت کے بعد یعنی حلقہ کا جس نے اب عالمگیر شکل اختیار کر لی ہے، اور ہندوستان سے متجاوز ہو کر ایک طرف مراکش اور دوسری طرف انڈونیشیا تک، اور یورپ و امریکہ تک پھیل گیا ہے، آپ ہی مرجع اور مرکز بن گئے، اس سلسلہ کو باقی رکھنے، اس کو زمانہ کے خطرات اور اس دور کے فتنوں سے بچانے، اس کے مسلک اصول کی حفاظت، اس کے سرگرم کارکنوں کی دینی نگرانی، روحانی تربیت و تکمیل کی ساری ذمہ داری اور نظام الدین کے مرکز، اور اس کے ذمہ داروں کی سرپرستی کا پورا بوجھ آپ ہی کے کاندھوں پر پڑ گیا، اسی کے ساتھ جتنا جتنا حلقہ وسیع ہوتا گیا، کام کی مقبولیت بڑھتی گئی، مشائخ کبار اٹھتے جاتے، آپ کی مرجعیت و مرکزیت اور ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا رہتا، اور ملک کے اندر اور ملک کے باہر سے آنے والی جماعتیں اور وفود کی آمد و رفت بھی بڑھتی رہتی اور اسی کے مطابق آپ کی مشغولیت اور ضیافت و تواضع کا دامن بھی وسیع ہوتا چلا جاتا، یہاں تک کہ اگر کوئی ناواقف یا نوواردان مہمانوں کی کثرت اور دسترخوان کی وسعت دیکھتا تو وہ سمجھتا کہ آج کوئی نئی بات ہے، اور کوئی عظیم تقریب یا غیر معمولی مہمانداری ہے، حالانکہ یہ روزمرہ کا واقعہ تھا، اور اس کی کئی

کوئی خصوصیت نہیں تھی۔

## تیسرا ج

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، شیخ کو سفر سے طبعی عدم مناسبت، بلکہ ایک طرح کی دشت تھی، ان کے لئے دہلی جانا تو بڑی چیز ہے، رائے پور اور دیوبند تک جانا بھی مجاہدہ عظیم تھا، بار بار ایسا ہوا ہے کہ سفر کے ارادہ سے ان کو حقیقتاً بخرا آ گیا، اور واپسی پر تو اکثر کئی کئی دن تک صحت اور اعصاب پر اثر رہا، ایسی حالت میں حج کا سفر خواہ کتنی ہی سہولت و انتہام کے ساتھ ہو، ان کے لئے ایک بڑا امتحان اور ایک شدید مجاہدہ تھا، اب اندازہ ہوتا تھا کہ شاید ۱۳۴۴ھ کا حج آخری حج ثابت ہوگا لیکن دفعتاً غیب سے ایک سامان پیدا ہوا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے (جن کی ہستی اب ان کے لئے عزیز ترین ہستی) اور جن کا ایماء اور خواہش ان کے لئے سب سے زیادہ قابل لحاظ اور قابل رعایت تھی) ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) میں رفقاء اور خدام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج کا عزم فرمایا، اور شیخ سے محبت و رفاقت کی درخواست کی، یہ درخواست ایسے جزم و اصرار اور ایسی محبت و خلوص سے تھی کہ شیخ کے لئے معذرت و انکار ممکن نہیں رہا، قابل فخر اور سرمایہ زرش بھائی کا پرمحبت اصرار، دیار حبیب کی حاضری، حج و زیارت کی سعادت، جس کے شوق اور عشق کی چنگاریاں ہمیشہ سینے میں دہی اور سلگتی رہیں، بقول شاعر ع

اک ڈھیر ہے یاں را کہ کا اور آگ لہی ہے

آپ نے رفاقت منظور کر لی، اور کجلی کی طرح یہ خبر سارے ہندوستان اور پاکستان میں پھیل گئی کہ مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ شیخ بھی حج کو جا رہے ہیں، ہر طرک سے شیعہ حرم کے

پردانوں کا ہجوم ہوا، اور شیخ سے جو لوگ ارادت اور عقیدت کا تعلق، اور تبلیغی جماعت سے محبت و رفاقت کا رشتہ رکھتے تھے، ان کی بڑی تعداد اس زریں موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہو گئی، یہ ایک تاریخی سفر تھا، جس کی تفصیل آپ بتی نمبر میں دیکھی جاسکتی ہے<sup>۱۵</sup> اس سفر میں حضرت شیخ مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ طاٹف بھی گئے، ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ کو سہارنپور سے روانگی ہوئی، چار ماہ کے عرصہ میں پاکستان ہوتے ہوئے وسط ایشیاء میں سہارنپور واپسی ہوئی، واپسی کے سفر میں کراچی، لاہور، سرگودھا، اور ڈھڈھیاں ایک ایک دو دو دن ٹھہرنا ہوا، پاکستان کے ہجور و محروم عقیدت مندوں نے جو سالہا سال زیارت کو ترس رہے تھے، اس موقع کو نعمت خدا داد تصور کیا، شیخ کا مستقل سفر پاکستان کا نہایت دشوار اور بعید از قیاس تھا، سفر حج کی برکت سے ان دور افتادہ خدام و مجیدین کی قسمت جاگ اٹھی، انھوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا، ایک طرف مولانا محمد یوسف صاحب کی کشش دوسری طرف اس نعمت غیر مترقبہ سے فائدہ اٹھانے کا شوق سیکڑوں ہزاروں دیوانہ درمیانی ایشیائیوں پر کھینچ کھینچ کر لانا، ایرکنڈیشننگ گاڑی میں ہونے کے باوجود ساری رات جاگ کر سراپا اشتیاق مجیدین کو مصافحہ و ملاقات کا موقع دیتے، اور گرمی و لو کی پرواہ نہ کرتے۔ شیخ کو ڈھڈھیاں جا کر حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے اور کچھ وقت وہاں گزارنے کا بڑا شوق تھا، اور جیسا کہ بعض خاص مجلسوں میں فرمایا کہ پاکستان کا سفر ہی خاص اسی شوق میں کیا گیا تھا، سرگودھا پہنچے تو سخت گرمی تھی، دونوں طرف برف کی سلیں رکھی جاتیں، اور نیچھا چلتا رہتا، خدام نے ڈھڈھیاں کا پروگرام ملتوی کرنے کی بار بار درخواست کی کہ وہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، نہ وہاں بجلی ہے نہ برف کا انتظام ہو سکتا ہے۔

لیکن شیخ نے کسی طرح اس کو منظور نہیں کیا، خدا کی قدرت کہ وہاں پہنچنے ہی موسم ایسا تبدیل ہوا کہ کسی چیز کی ضرورت پیش نہ آئی، بلکہ رات کو کپڑا اوڑھنے کی ضرورت پڑ گئی، جب تک قیام رہا ایسا ہی خنک و خوشگوار موسم رہا، فرماتے تھے کہ حضرت کو زندگی میں میرا قرآن مجید سننے کا بڑا شوق تھا، لیکن اس کی نوبت نہ آئی، میں نے وہاں قبر مبارک کے پاس پورا قرآن مجید ختم کرنے کا اہتمام کیا، حسن اتفاق سے اس سفر کے سلسلہ میں شیخ کا ایک خط خاکسار راقم کے نام مرقہ خطوط میں محفوظ ہے، اس سے اس سفر کی مزید تفصیلات اور شیخ کے تاثرات اور جذبات کا علم ہوتا ہے، وہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

ع ایس کہ می بینم بیداری ست یارب یا بواب

کرم و محترم مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب مد فوئکم

بعد سلام سنون کراچی بھیرسی کا ایک مختصر کارڈ ۲۶ جون کو ارسال خدمت کر چکا ہوں، غالباً پہنچا ہوگا، آج کی ڈاک سے مکہ مکرمہ سے ایک پیکٹ وصول ہوا جس میں مولانا سلیم صاحب نے میرے اور مولانا یوسف صاحب کے نام کے خطوط جو بعد میں بھیجے تھے، یہاں بھیجے، ان میں جناب کا الفاظ مورخہ ۲۲ محرم الحرام الطات اشفاق او شفقتوں سے بھرپور پہنچا، اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے آپ کے اس حسن ظن اور محبتوں کو طرفین کے لئے دینی ترقیات کا ذریعہ بنائے۔

تین دن کراچی ٹھہرنے کے بعد دوشنبہ کو دوپہر کی ریل سے منگل کی صبح کو ۷ بجے لائل پور پہنچے، لوگوں نے راحت رسائی میں انتہا کر رکھی ہے، فرسٹ کلاس ایر کنڈیشنڈ ریزرو کر لیا تھا، لیکن وہ تو مجھے اور مولانا یوسف صاحب کو اس نہ آیا، اس لئے کہ کراچی سے لائل پور تک کوئی بھی چھوٹا بڑا اسٹیشن ایسا نہیں گذرا



اور نیچے سب بھرا ہوا تھا، عشاء کے وقت سے کھانا کھلانے کا جو سلسلہ شروع ہوا اور آخری  
قسط نے فجر کے وقت کھانا کھایا، تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، صبح نماز فجر کے بعد  
ہوائی اڈے کے لئے رخصت ہوئے، بعض اسباب و قرائن کی بناء پر بہت سے خواص کے  
اندیشہ تھا کہ اب واپسی نہیں ہوگی، ہوائی اڈے پر بھی ایک بڑا مجمع رخصت کرنے کے لئے  
پہنچ گیا، بعض خدام نے ہندوستان کی خصوصیات اور مسلمانوں کے مخصوص حالات کی  
بناء پر واپسی کی مخلصانہ درخواست اور اس کی تمنا کا اظہار کیا، ٹو بجے کے قریب وہاں سے  
بمبئی کے لئے پرواز ہوئی، ۲۱-۲۲ بمبئی قیام رہا، اس مرتبہ مدرسہ رحمانیہ واقع دہلی پورہ  
میں قیام تھا، ۲۳ کو براہ راست بمبئی سے جدہ کو پرواز ہوئی، اور اسی روز صبح انجیر وہاں  
پہنچ گئے، سفیر ہند جناب مرحمت کامل قدوائی صاحب نے جدہ کے ہوائی اڈہ پر استقبال  
کیا، اور اپنے ہی ساتھ اپنے مکان پر لے گئے، وہیں کھانا کھایا، وہاں سے تھوڑی دیر کے بعد  
مولوی محمد شمیم صاحب وغیرہ کی معیت میں مکہ معظمہ حاضری دی، مکہ معظمہ میں قیام حسب سابق  
مدرسہ صولتیہ میں تھا، وہاں کا نظام الاوقات ایک اہم مکتوب سے نقل کیا جاتا ہے :-

۱۰ اس سے پہلے سفر میں صحت بھی بہ نسبت پہلے کے اچھی تھی، اور مولانا محمد یوسف صاحب  
رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے موٹریں بھی ہر وقت کئی کئی موجود رہتی تھیں، اس لئے سالقہ  
سفر میں صبح کی نماز حرم شریف میں ہوتی تھی، اور اگر کسی دن تاخیر ہو جاتی تو نماز  
مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوراً حرم جاتے  
اس لئے کہ نماز کے بعد تین گھنٹے کی تقریر مولانا یوسف صاحب کی ہی ہوتی تھی  
شیخ الحدیث بھی ساتھ تشریف لے جاتے تھے، اور مولانا محمد یوسف صاحب  
رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بھی سنتے تھے، اس کے بعد قیام گاہ پر مولانا محمد یوسف صاحب

کے ساتھ چائے کا وسیع دسترخوان لگتا تھا جس میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو جاتا تھا، اور جلسہ حاضرین پر چائے کے ساتھ ساتھ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شدید گرفت بھی رہتی تھی۔

اس سال صبح کی تقریر تقریباً ڈھائی گھنٹے مولانا محمد عرصاً مولانا سعید خاں صاحب کی ہوتی، حضرت شیخ الحدیث اپنے امراض اور ضعف اور سواری کی عدم فراوانی کی وجہ سے مدرسہ کی مسجد میں نماز ادا فرماتے ہیں، اس کے بعد تقابلاً پرذاکرین کے ذکر کا سلسلہ مجدد الشریعہ و روشد سے رہتا ہے، جس کی پہلے سفر میں نوبت نہ آسکی تھی، اس کے بعد ایک بجے (عربی وقت سے) حضرت شیخ الحدیث اپنی تنہا چائے نوش فرماتے ہیں، مولانا انعام الحسن صفا، اور مولوی ہارون صاحب اس وقت تک اپنے کمرے میں آرام کرتے رہتے ہیں، اور اپنی چائے اپنے کمرے ہی میں پیتے ہیں، اس کے بعد وہ دونوں اور حرم کے اجتماع والے خواص مولانا محمد عمر وغیرہ حضرت شیخ الحدیث کے کمرے میں آجاتے ہیں اور تین بجے تک مختلف مسائل پر گفتگو رہتی ہے، تین بجے سے پانچ بجے تک حضرت شیخ نے مختلف احباب کی ملاقات کے لئے وقت رکھا ہے، اسی دوران میں مدرسہ کی مسجد میں خصوصی حجاج کے اجتماعات ہوتے ہیں، آج ہندوستان پاکستان کے علماء کا اجتماع ہے، کل افغانیوں کا تھا، اس سے پہلے اجرائی وغیرہ کے مختلف اجتماعات ہوتے رہے ہیں، ان میں حضرت شیخ کی بھی شرکت تھوڑی دیر کے لئے ہو جاتی ہے، اور مولانا انعام الحسن صاحب بھی اس میں شریک ہوتے ہیں، اسی وقت ان حضرات کی اپنی تعلیم بھی مدرسہ کے دوسرے کمرے میں

ہوتی رہتی ہے۔

حضرت شیخ کی طبیعت پہلے سے بھی ناساز تھی، یہاں آکر کچھ حرارت کا سلسلہ  
 بھی مسلسل سا ہو گیا، اور اس سے زیادہ پیشاب کا سلسلہ بھی بے قابو ہو گیا، شاید  
 اس میں زہرم کو کبھی دخل ہو، اس لئے کہ یہاں آنے کے بعد اس وقت تک زہرم  
 کے علاوہ دوسرا پانی بجز اس کے کہ جو برت میں ملا ہوا ہوتا ہے، نوبت نہیں آئی،  
 ظہر کی ناز سائے چھ پر ہوتی ہے، ظہر سے متصل کھانے سے فراغت کے بعد  
 عصر تک قیلولہ ہوتا، عموماً کھانے میں ایک گھنٹہ لگ جاتا، لیکن دعوت کے دن  
 جو اکثر ہوتی رہتی ہے، قیلولہ میں ہی دیر ہو جاتی ہے، اگرچہ کھانے کے لئے کہیں جانا  
 نہیں پڑتا، دعوت اپنے مستقر پر ہی ہوتی ہے، عصر ساڑھے نو بجے عموماً ہوتی ہے  
 اس کے بعد حضرت شیخ نے قہوہ شروع کر دیا تھا، جو اچھا معلوم ہوتا، مگر اس سے  
 نیند پر اثر پڑنے لگا، اس لئے بجائے اس کے سبز چائے شروع کر دی، اس دوران  
 میں اجاب بھی آتے رہتے ہیں، ابجے سے حرم کی تیاری کے بعد ساڑھے گیارہ  
 بجے سے ڈھائی بجے تک حرم میں سب کا قیام رہتا، اس دوران میں ان حضرات  
 کے یہاں خصوصی ملاقاتیں عمومی اجتماعات، اردو کے مختلف حلقے اور عربی کے  
 مختلف حلقے ہوتے رہتے ہیں، دوسری زبانوں کے حلقے افغانی، ترکی، انگریزی  
 وغیرہ ہوتے رہتے ہیں، حضرت شیخ الحدیث پیشاب کی کثرت کی بنا پر ایک  
 گوشہ میں تشریف فرما ہوتے ہیں، ڈھائی بجے واپسی کے بعد تمام حضرات کھانا  
 کھاتے ہیں، اور حضرت شیخ کچھ میوے تناول فرماتے ہیں، ابجے حضرت شیخ

لے اس سے مراد غزنی وقت ہے، جو حجاز میں (ناز وغیرہ کے سلسلہ میں) اب بھی رائج و متعارف ہے۔

مخصوص حضرات کے ساتھ حرم میں دوبارہ حاضر ہوتے ہیں اور گاڑی پر بہت معذوری کی وجہ سے تین چار طواف کرتے ہیں، کچھ کچھ حرم سے واپسی پر حضرت شیخ آرام فرماتے ہیں، اور دس بجے تہجد کی اذان اور ایچ کے قریب صبح کی نماز ادا ہوتی ہے۔

ج سے فارغ ہو کر اور کمرہ معظمہ میں مختد بہ قیام کر کے مدینہ طیبہ روانگی ہوئی، وہاں سے ۲۲ مارچ کو کمرہ معظمہ آمد ہوئی، دو دن وہاں قیام کے بعد جدہ، اور ۲۶ مارچ جدہ سے کراچی، وہاں سے ۲۸ مارچ کو دہلی روانگی ہو گئی، وہاں حسب توقع استقبال کرنے والوں کا ہجوم تھا، جمعہ اور سنیچر دہلی قیام کر کے یکشنبہ ۳۰ مارچ کو دس بجے کے قریب سہارنپور تشریف لے آئے، کچھ گھر میں وضو فرما کر مسجد تشریف لے گئے، اوڑھوگانہ ادا فرمانے کے بعد جمع سے مصافحہ فرمایا، اعزہ، اقرباء اور خواص کسی سے بھی نماز سے قبل مصافحہ نہیں کیا، اسی وقت بعد نماز عصر دعا کا اعلان ہوا، چنانچہ دارالطلبہ جدید کی مسجد میں مولانا انعام الحسن صاحب نے دعا کرائی، جس میں شہر اور مصافات کے لوگوں نے شرکت کی، دو شنبہ کو صبح چائے کے بعد ہر دو حضرات مو بعض حضرات گنگوہ تشریف لے گئے، اور کھانے کے وقت تک لوٹ آئے، ظہر کے بعد مولانا انعام الحسن صاحب تو نظام الدین واپس گئے، اور حضرت شیخ نے بخاری شریف کا درس شروع کرادیا۔

شیخ کے معمولات و نظام الاوقات

شیخ کی زندگی اپنے علمی انہماک، خدمت خلق، یکسوئی، اور شدید مصروفیت کے



اور حرج گوارہ نہ فرماتے، اوپر کی نشست گاہ دیدنی تھی نہ کشیدنی، ایک چھوٹا کمرہ جس میں کتابوں کا اس طرح ذخیرہ تھا، گویا درود یواری کے ہیں، ان کتابوں کے دریاں پناہ لیتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی پرندہ جو دن بھر غیر جنس میں رہا ہے، ابھی اپنے آشیانہ میں واپس آ گیا ہے، اس وقت ان کا وہی حال ہوتا، جس کی تصویر خواجہ میر درد نے اس شعر میں کھینچی ہے۔

جا بیٹے کس واسطے اے درد میخانہ کے بیچ

چہ بہ مستی ہے اپنے دل کے پیانہ کے بیچ

اگر کسی کو اس وقت کوئی ضروری بات کہنے کے لئے، یا کسی عزیز مہمان کو ملنے کے لئے جانا پڑتا تو اس کو مثیل بیٹھنے کی جگہ ملتی، چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر، ایک آدھ چمڑہ یا چٹائی کا فرش، کچھ پرانی شیشیاں، اور دواؤں کی بوتلیں، اگر جس میں معلوم نہیں کتنے علم کے جواہر اور اخلاص کی تب و تاب ہوتی ہے، ساڑھے گیارہ بجے تک شیخ پوری یکسوئی کے ساتھ دباں کام کرتے رہتے، اور ان کا جی چاہتا کہ سوائے نہایت ضروری اور فوری کاموں کے خلل واقع نہ ہو، ان اوقات میں ان خاص مہمانوں، اور ذکر و شغل کرنے والے عزیزوں کو اجازت ہوتی کہ صحن میں بیٹھ کر ذکر بہر کرتے رہیں، وہ کام میں مشغول رہیں، اس سے شیخ کی یکسوئی میں کوئی فرق واقع نہ ہوتا۔

ساڑھے گیارہ بجے تشریف لے آتے، دسترخوان بچھتا، مہمانوں کی جماعت کثیر شریک طعام ہوتی، عام طور پر دو اور تین مرتبہ صبح بیٹھتا، شیخ کی اصطلاح میں اس کو پہلی پیڑھی اور دوسری پیڑھی کہتے ہیں، شیخ اول سے آخر تک کھانے میں شریک رہتے، اپنے کھانے کی رفتار اور مقدار ایسی رکھتے کہ آخری کھانے والے کا ساتھ دے سکیں، کھانے میں بالعموم

شروع ہوتا متعدد قسم کے سالن وافر مقدار میں ہوتے اور بڑے اصرار سے مہانوں کو کھلایا جاتا، یہاں تک کہ نووارد اور ناتجربہ کار بعض اوقات اس اصرار سے اپنے معمول سے زیادہ کھا کر تکلیف بھی اٹھاتے، لیکن غور سے دیکھنے والا معلوم کر لیتا کہ شیخ برائے نام شریک ہیں، ان کی خوراک اتنی کم ہوتی کہ اس مقدار کے ساتھ اتنی محنت پر تعجب ہوتا، لیکن دسترخوان پر ایسا سما بندھتے کہ کسی کو پتہ نہ چلنے پاتا کہ کریم النفس اور فراخ دل میزبان خود کس قدر اس کھانے میں شریک ہے۔

کھانے سے پہلے ڈاک آجاتی جس پر ایک سرسری نظر ڈال لیتے، اس ڈاک کی مقدار روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، حجاز روانگی سے قبل کے زمانہ میں ۳۰-۴۰ کے درمیان روزانہ خطوط کا اوسط تھا، بعد میں ۵۰-۶۰ تک پہنچ گیا۔

کھانے کے بعد شیخ آرام کرنے لئے مضطرب ہوتے ساڑھے بارہ، ایک اس میں ضرور بیج جاتا، یہی وقت ان کے آرام کا ہوتا، ظہر کے بعد ایک گھنٹہ وہ ڈاک اور اسی درمیان ہی کسی عزیز مہمان سے گفتگو کی نذر کرتے، گھنٹہ ختم ہونے کے بعد حدیث کے درس کے لئے تشریف لے جاتے، پہلے یہ درس دارالطلبہ کے دارالحدیث میں ہوتا تھا، جو بالائی منزل پر ہے، پھر چڑھتے، بلکہ چلنے تک کی معذوری کی بنا پر دارالطلبہ کی مسجد میں ہونے لگا، مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کی وفات کے بعد سے بخاری شریف آپ ہی پڑھاتے تھے، اس درس کی کیفیت دیدنی تھی، نہ کہ شفیقہ فی حدیث کے احترام، سنت کے شفقت، اور ذات نبوی سے عشق کی کیفیت کا اثر تمام حاضرین پر پڑتا، اور بعض مرتبہ توساری مجلس پر ایک بجلی سی کو نہ جاتی خصوصاً ختم کتاب اور دعا کے موقع پر تو یہ بیانیہ ہزار وسعت و عالی ظرفی کے باوجود چھلک پڑتا، اسی طرح وفات نبوی کی احادیث پر دامن ضبط

ہاتھ سے چھوٹ جاتا، آنکھیں بے اختیار اٹکیاں اور آواز گلو گریہ ہو جاتی۔

عصر کی نماز کے بعد مکان پر عام مجلس ہوتی، سارا صحن زائرین اور حاضرین سے بھرا ہوتا، ان میں مدرسہ کے طلبہ اور بعض اساتذہ بھی ہوتے اور مدرسہ کے یہاں بھی، چائے کا اس وقت بھی دور چلتا، تعویذ لکھنے کا اسی وقت معمول تھا، مغرب کی نماز کے بعد دیر تک مسجد ہی میں رہتے، اگر کوئی خاص مہمان یا عزیز آئے ہوئے ہوتے تو ان کو خصوصی طور پر وقت دے دیتے، عشاء کی نماز سے پہلے دسترخوان پھر کچھ جاتا، لیکن شیخ کا عرصہ سے رات کو کھانے کا معمول نہیں رہا تھا، کوئی خاص عزیز مہمان ہوئے تو ان کی خاطر دو چار قہے تناول فرماتے، عشاء کے بعد پھر کچھ مخصوص و محدود مجلس رہتی، جس میں زیادہ تر بے تکلف اور ہر وقت کے حاضر باش خدام یا عزیز مہمان ہوتے پھر آرام فرماتے۔ جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے مختلف دیہاتوں اور اطراف و مواسعات سے

آنے والے اہل تعلق و ارادت کو مجلس میں شرکت کی اجازت ہوتی، اسی موقع پر نئے طالبین کو بیعت بھی فرماتے، اور ذکر و اصلاح حال کی تلقین بھی، یہ تعداد یوں مافیہ فیما ایسی بڑھ رہی تھی کہ سارا صحن اور اندر باہر سب بھر جاتا، پھر جمعہ کی تیاری ہوتی، جمعہ اب حکیم ایوب صاحب کی چھوٹی مسجد میں جو قریب ترین مسجد ہے ادا فرماتے، کھانا معمولاً و الترتام جمعہ کے بعد ہوتا، عصر کی مجلس عام جمعہ کے دن ملتوی رہتی، شیخ کا برسوں سے جمعہ کے دن مابین عصر و مغرب دعائیں مشغول اور توجہ الی اللہ رہنے کا معمول تھا، فرماتے تھے کہ والد صاحب کا بھی یہی معمول تھا، چائے بھی اس روز مغرب کے بعد ہوتی۔

شیخ کا ان سب علمی و تحقیقی، اور دینی و روحانی مشاغل و معمولات کے علاوہ



(جن کی موجودگی میں فرصت غنقا معلوم ہوتی) ایک قدیم معمول اہم واقعات و حوادث، وفیات اور اپنے بزرگوں، اجداد اور مخصوص خدام کی آمد و رفت، دور و سیر، نقل و حرکت کے قلم بند کرنے کا بھی تھا، جس کی حیثیت ایک مکمل مفصل روزنامہ کی سی ہے، اس روزنامہ میں قمری و شمسی، سنہ و مہینہ اور تاریخ کی قید کے ساتھ گروہ پیش کے اہم واقعات درج ہیں، اسی کی مدد سے حضرت مولانا محمد الیاسؒ حضرت رائے پوریؒ اور سب سے بڑھ کر مولانا محمد یوسف صاحب کی سوانح مرتب ہو سکی، مولانا بدایونیؒ سے تعلق بھی اس میں بہت معلومات و اندراجات ہیں، ان بزرگوں کے علاوہ بہت سے خدام اور اہل تعلق کے آنے جانے اور ان کے تعلق رکھنے والے واقعات کی تفصیل ملے گی، یہ ایک طرح کا "جام جہاں نما" ہے جس میں ہندوستان، ہندوستان سے باہر کے بھی بہت سے واقعات اور شخصیات کی سوانح و سنین اور تاریخیں ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ شیخ کو اتنی شدید مصروفیت میں اس کے لئے وقت کیسے مل جاتا تھا۔

اخبارات کے مطالعہ کا ہمیشہ معمول رہا، بڑے اہتمام سے روزانہ کے اہم اخبارات محفوظ رکھے جاتے، اور شیخ ان کو فرصت سے مطالعہ فرماتے، دنیا کے حالات اور جوائنٹوں کے مزاج و اشتغال سے باخبری کا ہمیشہ ذوق رہا، لیکن جبے نزول الماء کی شکایت ہوئی، اور آتشیں شیشہ کی مدد کے بغیر وہ مطالعہ نہیں کر سکتے تھے، اخبارات کے مطالعہ کا معمول تقریباً چھوٹ گیا، کبھی کوئی اہم مضمون ہوتا، تو اس کو پڑھا کر سن لیتے، لیکن باخبری اور بیدار غری میں اب بھی کوئی فرق نہیں تھا۔

نزول الماء کی شکایت اور علی گڑھ کا قیام

آٹھ مئی نزول آب کا سلسلہ دسمبر ۱۹۶۶ء سے شروع ہوا تھا، مشغولیت اور آنکھ کے

پختہ نہ ہونے کی وجہ سے آپریشن کا معاملہ ملتا رہا، ۸ مارچ ۱۹۷۰ء (۲۹ رزی الحجہ ۱۳۸۹ھ) کو علی گڑھ کے خلعین (جن میں حاجی عظیم اللہ صاحب و حاجی نصیر الدین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں) اور احباب و خدام کے اصرار پر پہلی مرتبہ علی گڑھ کے مشہور آنکھ کے اسپتال گاندھی آئی ہاسپٹل میں داخلہ ہوا، ۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء کو وائس آنکھ کا آپریشن اسپتال کے مشہور سرجن اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر امراض چشم ڈاکٹر شگلانے کامیاب طریقہ پر کیا، شیخ بغیر علمی مشغولیت اور افادہ و ارشاد کے رہ نہیں سکتے، پڑھنے لکھنے کا کوئی سوال نہ تھا جب بولنے کی اجازت ہوئی تو اپنی زندگی کے سبق آموز حالات، اپنے اساتذہ و شاخ کے کمالات اور طرز زندگی، اخلاص و ایثار کے واقعات خدام کو سناتے جس کے قلم بند کرنے کا انھوں نے سلسلہ شروع کر دیا، اس سے "آپ بیتی" کا وہ مفید سلسلہ شروع ہوا، جو بالآخر سات حصوں میں مکمل ہوا اور جو دور ماضی کی ایک بولتی ہوئی تصویر اور جیتا جاگتا مرقع بن گیا، جو علماء و اساتذہ مدارس اور تازہ واردان بساط علم کے لئے خاص طور پر چشم کشا، اور بصیرت افروز ہے۔

اس اسپتال میں دوبارہ داخلہ ۲۲ اگست ۱۹۷۰ء (۱۰ جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ) میں ہوا اس مرتبہ ۱۸ روز (۲۲ اگست - ۱۳ ستمبر) قیام رہا، یہاں بھی افادہ و ارشاد کا سلسلہ جاری رہا، ڈاکٹر س پرسترا دتھی، صرف ایک دن کی ڈاک میں باؤن خطوط ہندوستان پاکستان حرمین شریفین، لندن و افریقہ کے تھے۔

دو برس کے بعد دوسری آنکھ نبوانے پر اصرار شروع ہو گیا، ۲۴ اپریل ۱۹۷۲ء کو مدینہ طیبہ کے اسپتال لالہ پور کے مشہور آئی سرجن ڈاکٹر منیر اختر صاحب نے بائیں آنکھ کا آپریشن کیا۔

۲۸ اپریل کی صبح کو اسپتال سے مدرسہ علوم شرعیہ واپسی ہوئی، جہاں قیام تھا۔

## تدریس سے معذوری

سوال ۴۶۳ (۱۹۶۳ء) سے کتب حدیث کی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا تھا، جو ۸۸ (۱۹۶۸ء تا ۱۹۶۹ء) تک جاری رہا، اس کے بعد نزول الماعی وجہ سے تدریس کا سلسلہ چھوٹ گیا لیکن تالیف کا سلسلہ جاری رہا۔

تدریس کا سلسلہ اگرچہ ۸۸ سے معذوری کی بنا پر موقوف ہو گیا، لیکن مسلمات کی اجازت دینے کا سلسلہ سہارنپور کے قیام کے آخر تک جاری رہا، ۲۳ رجب ۱۳۹۰ھ کو مسلمات کے موقع پر تقریباً ڈیڑھ ہزار کا مجمع ہو گیا تھا، جس میں اکابر و خواص بھی بہت جمع ہو گئے تھے۔

لہ آپ بیتی ۷ ص ۹۷ ایضاً ص ۳۵ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”علی میاں! بہت ہی امراض کا شکار ہوں لیکن تمام تکالیف کے اندر آرام و صحت ہے، البتہ آنکھوں کی تکلیف سے تکلیف ہے، اس وجہ سے کہ علمی کاموں میں معذوری ہوگئی، باوجود شدید اصرار کے مدرسہ الونج بخاری نہیں بدلی، ابھی تک حافظ محمد بن کرپڑھا رہا ہوں“ (۳۸۶/۳۸۷)

۴۷۷ اشتر تعالیٰ کا حضرت شیخ کے ساتھ یہ بھی خاص معاملہ تھا کہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں اور اپنی نگرانی میں اپنے خصوصی فن حدیث میں کچھ شاگردوں کو تیار فرما دیا تھا، ان میں مولانا محمد لوئس صاحب سہارنپوری و مولوی محمد عاقل صاحب سہارنپوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اول الذکر کو شیخ نے اپنے سہارنپور کے قیام کے دوران تدریس حدیث کی سند پر بٹھادیا، اور انھوں نے ۲۵ شوال ۱۳۸۸ھ سے بخاری کا درس شروع کیا، افتتاح حضرت شیخ نے کرایا، مولوی عاقل صاحب کو بھی شیخ نے اپنے تحریری تحقیقی کاموں میں شریک کر کے (باقی صفحہ پر)

## پانچواں اور چھٹا سفر حجاز

۱۳۸۶ھ (۱۹۶۷ء) کے بعد جب شیخ نے حجاز میں کام کرنے والوں کے تقاضے اور مولانا انعام الحسن صاحب کی خواہش پر حجاز کا سفر اختیار فرمایا، اور حج کے بعد ہندوستان اُپسی ہوئی، دو سال کے بعد صفر ۱۳۸۹ھ (اپریل ۱۹۶۹ء) کو دوبارہ عازم حجاز ہوئے، اس سفر میں توقع تھی کہ حاجی محمد شفیع صاحب پیکار ڈوارچ کمپنی والے ساتھ ہوں گے لیکن وہ اپنے ایک مقدمہ کی تاریخ کی وجہ سے ساتھ نہ جاسکے، حضرت شیخ نے اس ناچیز سے جو رابطہ اور جامعہ اسلامیہ کے جلسوں کے سلسلے میں ہر سال ایک دوبارہ حاضر ہوا کرتا تھا، دریافت فرمایا کہ کیا اس سفر میں رفاقت ممکن ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ابھی تک وہاں کے سفر کی کوئی تقریب پیدا نہیں ہوئی، نہ ان دنوں رابطہ کا کوئی جلسہ ہے، نہ جامعہ اسلامیہ کا، شیخ خاموش ہو گئے لیکن جب میں رخصت ہو کر لکھنؤ آیا تو یہاں جامعہ اسلامیہ کے وائس چانسلر صاحب کا خط رکھا ہوا تھا کہ جامعہ کی مجلس استشاری کا ایک غیر معمولی جلسہ بلانے کے لئے رئیس الجامعہ (امیر فہد) کا (باقی ص ۱۰۹)

ان دونوں فاضلوں کے علاوہ شیخ کے تلامذہ حدیث ہندوستان و پاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ اپنی اپنی جگہ حدیث کی خدمت انجام دے رہے ہیں، ان میں مولانا عبد الجبار صاحب عظمیٰ مولانا جبین صاحب، مولانا اظہار اسحاق صاحب کاندھلوی، مولانا عبد الحلیم صاحب چوہدری وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں انھیں میں عزیز گرامی مولوی تقی الدین ندوی مظاہری بھی ہیں جو اب طبی کے رٹائرمنٹ القضا میں مستشار علی اور جامعۃ العین میں حدیث کے استاد اعلیٰ ہیں حال میں انھوں نے امام بیہقی کی کتاب الزہد پر تحقیق کی ہے اور اس کو ایڈٹ کر کے قاہرہ سے شائع کیا جس پر ان کو جامعہ ازہر سے ڈاکٹریٹ (دکتوراة) کی ڈگری

ایام ہوا ہے، اس لئے اس کی دعوت دی جاتی ہے، میں نے شیخ کو اس غیبی انتظام کی اطلاع دی جس سے ان کو قدرتا مسرت ہوئی، اور میں عزیز گرامی مولوی معین اللہ ندوی اور مولوی سعید الرحمن ندوی کی محبت میں دہلی سے ساتھ ہو گیا، ۸ صفر ۱۳۹۰ھ (۲۶ اپریل ۱۹۶۹ء) یوم شنبہ کو دہلی سے ہوائی جہاز سے بمبئی روانگی ہوئی، الحاج ابو الحسن شیخ کی ہمراہی میں تھے، راستہ میں مسافروں کی مٹھائی سے جو تواضع کی جاتی ہے، میں نے اس سے کچھ شیخ کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ مولوی صاحب ہیں روزہ ہوں، معلوم ہوا کہ ٹیکرانہ اور مسرت کا روزہ ہے اور شیخ نے جیسا کہ ”آپ بتی“ سے معلوم ہوا، یہ سفر روزہ اور وضو کی حالت میں مکمل کرنے کا عزم فرمایا ہے، جو پورا ہوا۔

۲۹ اپریل شنبہ بمبئی سے کراچی روانگی ہوئی، کراچی کے ہوائی اڈہ پر بہت بڑا مجمع تھا، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے یونہی بھی تشریف فرما تھے، ظہر کی ناز اور خستہ دعا ہوئی، پھر جگہ کے لئے کوچ ہوا، اس سفر میں شیخ نے بقول خود ”صیام شہرین متتابعین توبۃ من اللہ“ کی نیت کر لی تھی، اور احباب و اکابر کے شدید اصرار کے باوجود خیر کے سفر تک اس کا سلسلہ رہا۔

مدینہ طیبہ کی اس قیام میں (جس میں شیخ نے مسلسل دو مہینوں کے روزے کی نیت کی تھی) معمول یہ تھا کہ مغرب سے پہلے باب جبریل سے داخل ہو کر مواجرہ شریف کی طرف جاتے ہوئے، دائیں جانب کو جو مسلسل دیوار ہے، وہاں اقدام عالیہ کے رُخ پر دیوار سے لگ کر بیٹھ جاتے، اور سوائے نازوں کے مراقب رہتے، اسی میں انقطاع کا وقت ہو جاتا، تو نرم زم کا ایک گلاس نوش فرمالیتے، پھر مسلسل عشاء تک کچھ کھائے پیئے بغیر مراقب رہتے، اس حالت میں کسی کی طرف توجہ کرنا یا بات کرنا بہت گراں ہوتا عشاء کی

ناز سے فارغ ہو کر باہر نکلتے، موٹر تیار ملتی، موٹر پر بیٹھتے ہوئے، پھر ایک گلاس شربت کا یا پانی کا نوش فرماتے، مینا چیز ساتھ ہی ہوتا تھا، مسجد نور پہنچ کر جہاں قیام تھا، دسترخوان بچتا، وہاں کھانا نوش فرماتے، حیرت ہوتی تھی کہ مسلسل تین چار گھنٹے تک طرح مؤدب و مراقب گزارتے، جبکہ جلد جلد پیشاب لگنے کا بھی عارضہ تھا، کھانا جو افطار کے قائم مقام تھا، وہ بھی بہت تاخیر سے ہوتا، اندرونی جذبہ، قوت باطنی، اور تعلق روحانی کے سوا کسی چیز سے اس کی توجہ نہیں کی جاسکتی۔

شب کے دسترخوان پر حضرت شیخ کی خواہش و کوشش ہوتی کہ وہی کھانے ہوں جو دینیہ کی پیداوار اور وہاں کی ترکاریوں اور سبزیوں سے تیار کئے گئے ہوں، باہر کی کسی چیز کا ہونا جو کھانا تیار کی گئی ہو ناگوار ہوتا کہ اس سرزمین کی ہر چیز ان کی نگاہ میں عزیز و لذیذ اور تبرک تھی، ”وللناس فی ما یشتقون مذاہب“

۸۹ھ کے سفر حجاز کے بعد شیخ کا چھٹا سفر حجاز ۱۵۱ھ رزی قعدہ ۹۹ھ (۱۳ جنوری ۱۸۰۰ء) کو سہارنپور سے ہوا، ۱۸ جنوری کو ۹ بجے دہلی سے روانگی ہوئی۔

## اندرون ملک کے چند اہم اسفار

اوپر گزر چکا ہے کہ شیخ کو سفروں سے صرف عدم مناسبت ہی نہ تھی، بلکہ ایک طرح سے وحشت و اضطراب ہوتا تھا، جو بچپن سے لے کر جوانی تک کی تربیت اور حالات کا نتیجہ تھا، اور شاید اللہ تعالیٰ کو ان سے تصنیف و تالیف، اور ارشاد و تربیت کا جو کام لینا تھا، اس کی حکمت و مصلحت کا بھی تقاضا تھا کہ ان کو کیسوی کے ساتھ کام کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے، لیکن اس عزت پسندی کیسوی کے

کے ساتھ جوان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، مولانا مدنی، مولانا رائے پوری اور مولانا محمد یوسفؒ کے ساتھ ضلع سہارنپور، میرٹھ، مظفرنگر، مراد آباد، بریلی اور میوات کے چھوٹے چھوٹے سفران حضرات کی رفاقت، اہم مدارس کے جلسوں، اور تبلیغی اجتماعات کی شرکت کے لئے وقتاً فوقتاً کرنے پڑتے تھے، ان سفروں کے علاوہ جن کی فوجیت سال میں کئی کئی بار آجاتی تھی، اور جن کی تفصیل مشکل ہے، آپ نے بعض دور کے اضلاع کے سفر بھی فرمائے، جن میں بین سفر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان سفروں میں ایک لکھنؤ کا سفر تھا، جو جب ۱۲۶۷ھ (جولائی ۱۹۴۳ء) میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے ایاء پرچہ لکھنؤ کی تبلیغی جماعت اور تبلیغی کام کے ذمہ داروں کی دعوت پر منظور کیا گیا تھا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ۱۸ جولائی کو لکھنؤ تشریف لائے، دوسرے روز ۱۹ جولائی کو شیخ کی سہارنپور سے براہ راست تشریف آوری ہوئی اس موقع پر مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالحق صاحب مدنی، مولانا احتشام الحسن صاحب، حافظ فخر الدین صاحب (خلیفہ عجاز حضرت سہارنپوریؒ) اور تبلیغی جماعت کے متعدد عمائد و کارکنان موجود تھے، کئی روز لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہانخانہ میں قیام رہا، اور تبلیغی اجتماعات اور مجالس میں شرکت رہی۔

لکھنؤ کے قیام کے آخری ایام میں ایک روز کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ان کے ممتاز رفقاء اور خدام کی معیت میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی بستی و مولد و منشاء دائرہ حضرت شاہ علم الشرحیؒ جو شہر میں تکیہ کلاں کے نام سے مشہور ہے، تشریف لائے اور بہت مسرور و مخطوط ہوئے۔

دوسری مرتبہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی معیت میں رحیم آباد ضلع لکھنؤ

کے ایک اہم تبلیغی اجتماع میں جو ۳۵/۵ جمادی الثانیہ ۱۳۶۵ھ (۶/۷ مئی ۱۹۴۶ء) کو موضع باقی نگر میں وہاں کے رئیس الحاج شیخ فیاض علی صاحب کی دعوت و تحریک پر منعقد ہوا تھا، رحیم آباد تشریف لائے، اس اجتماع میں سوائے حضرت مدنی کے جو اس زمانہ میں الہ آباد کے نمینی جیل میں اسیر فرنگ تھے، ملک کے ممتاز ترین علماء و مشاہیر شریک ہوئے، جن میں حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنؤی، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، مولانا عبد الحق صاحب مدنی، مولانا عبد الحکیم صاحب صدیقی، مولانا جلیلم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب، ناظم ندوۃ العلماء، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اس اجتماع کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ قیام و طعام میں کوئی تمیز و تفریق نہیں برتی گئی، عوام و خواص، علماء و مشائخ سب ایک جگہ ٹھہرے ایک طح کا کھانا کھایا، تعلیم و تبلیغی کشت و اجتماع میں یکسانیت برتی گئی، اس سرروزہ اجتماع میں جس میں مختلف انجیال لوگ جمع تھے، کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا، حضرت شیخ اپنی یادداشت لکھتے ہوئے، خاص طور پر اس خصوصیت کو نوٹ فرماتے ہیں:-

”اس اجتماع کی ایک بڑی خاص بات یہ تھی کہ مقامی مصلحت کی بنا پر کھانے میں کوئی تفریق نہیں کی گئی، سارے مجمع کو بلا تخصیص ایک ہی نان اور دال سے (دو وقتوں کے علاوہ) کبھی نان اور شوربا سے تواضع کی گئی۔“

اودھ کے ان دو سفروں کے علاوہ آپ کا تیسرا سفر لکھنؤ اور رائے بریلی کا فروری ۱۹۴۷ء میں پیش آیا، اس سفر میں حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری، مولانا

لے سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا ندھلوی۔ باختصار ص ۲۶-۲۷



مجدد یوسف صاحب، پیر ہاشم جان (جو سندھ کے ایک شہور بزرگ اور سلسلہ مجددیہ کے شیخ تھے) الحاج سید محمد خلیل صاحب نہٹوہی اور مولوی ظہیر الحسن صاحب کاندھلوی کی معیت میں ہوا، حضرت شیخ مولانا رائے پوری اور بڑی جماعت کے ساتھ براہ کانپور کھنڈ پہنچے، دو دن لکھنؤ قیام کرنے کے بعد ۸ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ (۳۰ فروری ۱۹۴۷ء) کو اس پورے قافلہ کا مستقل لاری کے ذریعہ رائے بریلی ورود ہوا، حضرت شاہ علم اللہ (جد امجد حضرت سید احمد شہیدؒ) کی مسجد کے سامنے دریا کے دوسرے کنارے یہ مبارک قافلہ اترا، اور ششی سے دریا عبور کر کے شاہ علم اللہ صاحب کے دائرہ میں داخل ہوا، استقبال کے لئے بستی کے سارے حضرات، نیز اصحاب شہر موجود تھے، ایک شب روز قیام رہا، جو عجیب کیفیت و سرور کا تھا، راقم سطور جب صبح حضرت شیخ کو وضو کرانے لگا (اسی دن واپسی تھی) تو شیخ نے بھڑائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ مولوی صاحب یہاں سے جانے کے لئے دل بہت بُرا ہو رہا ہے۔

## حوادث و سوانح

شیخ کو پے در پے ایسے سنگین و جان گداز حوادث و سانحات پیش آئے، جو طبیعت کو مستقل طور پر پتھر مدہ اور افسردہ، پشت کو خم کر دینے، اور سینہ کو داغ داغ بنا دینے کے لئے کافی تھے، لیکن شیخ کا حال وہ تھا جس کی کسی عارف شاعر نے تصویر کھینچی ہے۔

خوشا وقت شوریدگانِ غمش      اگر ریشِ بیندِ دگر مرہمش  
شرابِ محبتِ دما دم کشند      اگر تلخِ بیندِ دروم کشند

ان میں پہلا حادثہ شفیق و باکمال مرلی، اور ولی نعمت باپ کی وفات کا حادثہ تھا، جو عین غنفوان شباب (۹ سال کی عمر) ۱۰ رذی قعدہ ۱۳۳۲ھ میں پیش آیا، اس حادثہ سے نہ صرف دل و دماغ مجروح ہوئے، بلکہ ذمہ داریوں کا ایک پہاڑ، اور قرض کا ایک بار سر پر آڑا جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے، اس کے بعد تقریباً ایک ہی سال کے اندر ۲۵ رمضان المبارک (۱۳۳۵ھ) کی شب قدر میں شفیق والدہ کی رحلت کا حادثہ پیش آیا۔

پھر ماں باپ سے بڑھ کر شفیق و محبوب، شیخ و مرثیہ روحانی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ کو ارتحال فرمایا، اس موقع پر شیخ کو کہنے کا حق تھا۔

حال من در بحر حضرت کتراز یقینیت او پس گم کردہ بود من پدر گم کردہ ام

۵ رذی الحجہ ۱۳۵۵ھ میں اہلیہ نے داغ مفارقت دیا، پھر ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ (۱۲ جولائی ۱۳۵۸ھ) کو سراپا شفقت اور فخر روزگار عم نامدار حضرت مولانا محمد ایوبؒ کی وفات کا سانحہ عظیم پیش آیا جس کی اہمیت و سنگینی، اور درد رس اثرات و نتائج، اور صرف خاندان و الا نشان نہیں، بلکہ دین و ملت کے خسارہ عظیم کا اندازہ کرنا مشکل نہیں، شیخ نے اس کو بھی اپنی ایمانی قوت، تعلق باللہ اور بے نظیر ہمت و استقامت سے ایسا برداشت کیا کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہو گئی، اور ان کو اپنے تاثر اور غم و اندوہ پر شرم آنے لگی، اراقم سطور کو خوب یاد ہے کہ تدفین سے فارغ ہو کر وہ بنگلہ والی مسجد کی سوگوار اور دل نگار فضا میں ٹھہرنے کی تاب نہ لاسکا، اور اپنے چند دوستوں کے ساتھ ہمایوں کے مقبرہ کی طرف چلا گیا، نماز مغرب سے فارغ ہو کر تاخیر سے جب حاضر ہوا تو شیخ نے بڑی شفقت

کے ساتھ فرمایا کہ مولوی صاحب کہاں چلے گئے تھے؟ اتنے متاثر کیوں ہو؟ کیا تمہیں وہ حد یاد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو کوئی صدمہ پیش آئے وہ میری دُعا کا صدمہ یاد کر لے کہ امت کے لئے اس سے بڑا کوئی صدمہ نہیں ہو سکتا، اتنے میں دسترخوان بچھا، فرمایا، آؤ، پھر بڑی شفقت سے چیزیں پیش کرتے رہے، اور اصرار سے کھلاتے رہے۔ اس کے بعد ۲۹ رذی قعدہ ۸۴۲ھ (۲ اپریل ۱۹۶۵ء) میں قوت بازو اور قزۃ عین اور سرایہ صد فخر محب و محبوب بھائی مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات کی ناگہانی خبر ملی، جو بجلی بن کر دل و دماغ پر گری، لیکن شیخ نے نہ صرف اس کو برداشت کیا اور ”رضابا لقضاء“ کا ثبوت دیا بلکہ ”راضی برضا“ ہونے کا ایسا منظر دیکھنے میں آیا جو صرف اولیاءِ مقدسین کے حالات میں ملتا ہے، بلکہ دوسروں کے لئے وجہ قوت و تسکین بن گئے؟ آپ بیتی“ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”مورخہ ۲۹ رذی قعدہ ۸۴۲ھ مطابق (۲ اپریل ۱۹۶۵ء) بروز جمعہ عزیز مرحوم کی سہانہ رپور آنے کی اطلاع تھی، جمعہ کی صبح کو عزیز مرحوم کی بیماری کا آثار آیا..... مجھے بیماری کا یقین ذرا نہ آیا، میں جمعہ کی نماز کے بعد کھانا کھا کر سونے کے ارادہ سے لیٹا تھا کہ ۴ بجے کے قریب عزیز طلحہ نے آکر مجھے اٹھایا، اور کہا کہ صابری صاحب کا آدمی کھڑا ہے، لاہور سے فون آیا ہے کہ ماموں حضرت کا انتقال ہو گیا، موت کے لئے نہ کوئی وقت ہے، نہ اس میں کوئی استبعاد، میں اٹھ کر وضو کر کے مدرسہ کی مسجد میں جا بیٹھا اور نماز کی نیت باندھ لی، اس لئے کہ طلحہ کی اس روایت کے ساتھ ساتھ چاروں طرف سے ہجوم نے گھیرنا شروع کر دیا، اور مجھے ایسے وقت میں لغو باتیں کہ کیا ہو گیا؟ کیا بیمار تھے؟ کہنا پڑا

کون خبر لایا؟ لغویات سے بہت ہی وحشت ہو کر تی ہے کہ یہ اہم اور قیمتی وقت بہت ہی مبارک ہوتا ہے جس میں طبیعت منقطع عن الدنيا، مستبذل الی الآخرۃ ہوتی ہے اس وقت کی تلاوت بھی قیمتی، ذکر و فکر بھی قیمتی، جمع پڑھنا ہی چلا گیا، مسجد، مدرسہ، سڑک، سب بھر گیا، اور میں نے تکبیر تک سلام پھیر کر ہی نہ دیکھا، عصر کی تکبیر پر سلام پھیرا، اور گھر گیا، وہاں خبر پہنچ چکی تھی!..... میں نے زمانہ دروازہ پر آکر گھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ وہ حادثہ تو تم نے سن ہی لیا بہت مشغول رہنا، تمہارے پاس عشاء کے بعد آؤں گا، اس سے پہلے پڑھنے پڑھانے میں لگی رہو، دروازہ سے نکلا تو گھر سے مدرسہ قدیم تک ہجوم ہی ہجوم تھا میں ترش روئی کے ساتھ ان دوستوں سے یہ کہتے ہوئے کہ مجھے تو اس وقت کچھ ضروری پڑھنا ہے، آپ لوگ یہاں تشریف رکھیں، اس گفتگو کے بعد مجھ پر منتشر ہو گیا، اور میں مسجد میں جا کر بیٹھ گیا!

اس کے بعد ۲۹ شبان ۱۳۹۳ھ کو اچانک عزیز نواسہ مولوی محمد ہارون کے انتقال کا واقعہ پیش آیا، جوان کے بھی چشم و چراغ تھے، اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی بھی واحد یادگار، اس جوان سال اور مہنہ نواسہ کی وفات کی (جس سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں) خبر شیخ کو مکہ معظمہ میں ہوئی، رمضان کا زمانہ تھا، شیخ نے تاکید کی کہ ابھی بچپوں کو خبر نہ کی جائے کہ گھر میں کوئی سہری نہ کھا سکے گا، سو کر اٹھنے کے بعد بچپوں کو بلایا، اور کہا کہ تمہیں میرا قانون معلوم ہے، رنج و غم فطری چیز ہے،

۱۷ آپ بیتی ۳۷۹-۹۸۰ ۱۷ ایضاً ۹۷۵ ۱۷ مولوی ہارون کی عمر انتقال کے وقت ۳۵ سال تھی، حالات و تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، عزیز مولوی محمد ثانی مرحوم کی کتاب "تذکرہ مولوی محمد ہارون کا نہر مولوی"۔

مگر رونے سے نہ تھیں کچھ فائدہ نہ مرحوم کو، جاؤ دن بھر بیٹھ کر مرحوم کے لئے کچھ پڑھو اور رات کو مرحوم کی طرف سے عمر سے کم کر دو، یہی بات تعزیت کرنے والے مجمع سے کہی، شیخ فرماتے ہیں کہ بلا ناغہ مجھے دوستو سے زیادہ محروم کی فہرست ملی، یہ سب عمر سے رمضان میں ہوئے۔

اس موقع پر راقم سطور نے شیخ کو جو تعزیت نامہ لکھا، اس کے جواب میں شیخ کا جو گرامی نامہ آیا، اس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

”مولانا! صدمات بہت اٹھا چکا، اب طبیعت ایسی بے حس ہو گئی کہ خوشی اور رنج دونوں ہی چیزیں میرے لئے مصنوعی سی رہ گئی، ”لَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ“ کی سی کیفیت ہو گئی، حضرت سہارنپوریؒ، پھر چچا جان، پھر حضرت دہلی، حضرت رائے پوریؒ اور آخر میں عزیز یوسف مرحوم نے کچھ سیمنٹ کا سا پلاسٹر ایسا کر دیا کہ رنج و خوشی دونوں چیزیں وقتی سی رہ گئیں، جب دہلی یا سہارنپور سے کوئی خط وہاں کے متاثرین کے متعلق سننے میں آتا ہے، تو یکدم دو چار آنسو میرے بھی نکال ہی دیتا ہے، ویسے ہر وقت بعد الشکر کوئی احساس نہیں ہوتا۔“

ان حوادث اور سانحات میں ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند اور اس سے پیدا ہونے والی صورت حال کو بھی شامل کرنا چاہئے، جس سے شیخ کو دہلی کے قیام میں بلا واسطہ سا اثر پڑا، اس کی تفصیل یہ ہے۔

شیخ ۲۹ شعبان ۱۳۶۶ھ (۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء) کو اپنے معمول کے مطابق رمضان گزارنے کے لئے نظام الدین پہونچے، اور ایک ماہ کے لئے اعتکاف کی نیت سے مقیم ہو گئے، لے آپ مئی ۱۳ ص ۳ لے مکتوب مورخہ ۱۷ رمضان ۱۳۶۷ھ (۱۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اسی رمضان کی ۲۷ (شب قدر) ۱۵ اگست کو شب میں بارہ بجے ملک کی تقسیم کا اعلان ہوا  
سائے ہندوستان میں ایک قیامت برپا تھی۔

اس فتنہ عالم آشوب کی وجہ سے تقریباً چار ماہ تک شیخ نظام الدین میں گویا محبوس  
رہے، دہلی سے واپس آنا تو مصیبت عظمیٰ تھا، جانور کاٹ کاٹ کر بغیر دہلی غلہ کے بغیر عید  
کی طرح کھاتے، دہلی کے راستے بالکل مخدوش و محدود تھے، اگر کوئی جان پر کھیل کر راشن  
لے بھی آتا تو راشن پندرہ آدمیوں کا، اور نقل رہنے والا جمع پانچ سو کے قریب تھا، بچوں ہی  
کے لئے وہ راشن کام دے جاتا، مکان اور مسجد کی تلاشی کے بھی بار بار واقعات پیش آئے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ  
لَا يُبْصِرُونَ کی تفسیر سامنے آئی کئی مرتبہ نظام الدین کی مسجد بنگلہ (مرکز تبلیغ) پر حملے کی  
روایات بھی سننے میں آئیں، مگر ہر مرتبہ الشرح جل شانہ نے مدد فرمائی، شیخ جب نظام الدین  
گئے تھے تو گرمی کا زمانہ تھا، صرف ایک کمرہ، پاجامہ لنگی ساتھ تھی، جمعہ کے دن لنگی باندھ کر  
دھونے والوں کو کپڑے دے دیتے، اور وہ دھو دیتے، اس مدت میں سردی آگئی، کپڑے خریدنے  
کا کہاں موقع تھا، صوفی محمد اقبال ایک فوجی سے دو روپے میں ایک سوٹر خرید کر لائے، شیخ  
فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو پندرہ برس تک پہنا۔

اس مجلس بے جا اور الباساء والضراء کے دور میں ایک امتحان اور مجاہدہ پیش آیا کہ  
مولانا محمد یوسف صاحب کی اہلیہ والدہ مولوی ہارون جو حضرت شیخ کی صاحبزادی تھیں  
علیل ہوئیں ان کی حالت ایسی تھی کہ ہر روز گویا آخری دن تھا، ۲۹ شوال ۱۳۶۶ھ (۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء)

لے تفصیل کے لئے سوانح حضرت مولانا عبدالحق در صاحب رائے پوری کا آٹھواں باب ملاحظہ ہو،

۱۳۶۶-۱۳۶۹ ۱۲ اس زمانہ کی کیفیت و حالات کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی، ۵ ص ۱۲۰

کو ان کا انتقال ہوا، اور قیام گاہ کے عقبی حصہ میں دفن ہوئیں، اسی زمانہ میں جب تک کہ بھی بند تھی، آمدورفت کا تو ذکر ہی کیا، شیخ کے عزیز داماد مولوی سعید الرحمن کا ندھلوی کا جوانی ہی میں انتقال ہوا، اس کی اطلاع بھی شیخ کو دو ماہ بعد ملی، سہارنپور سے دہلی اور دہلی سے سہارنپور کا راستہ بالکل بند تھا، ۲۸ رزی الحجہ ۱۳۶۶ھ (۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء) کو مولانا دینی بڑی دقت سے دہلی پہنچے، مولانا کو ایک سرکاری ٹرک دیا گیا، اور سٹیج پولیس حفاظت کے لئے، ۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو شیخ مع مستورات اس ٹرک سے سہارنپور واپس ہوئے، راستہ میں بڑی مشکلات پیش آئیں، راستہ میں ٹرک خراب ہو گیا، اور بڑا خطرہ پیدا ہو گیا، اللہ الشکر کہ سب بحیرت سہارنپور پہنچے۔

۱۱ محرم ۱۳۶۷ھ کو مولانا دینی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند سے اور حضرت رائے پوری رائے پور سے سہارنپور تشریف لائے، اور وہ تاریخی، بلکہ تاریخی ساز مشورہ ہوا، جس کے نتیجہ میں نہ صرف ان تین حضرات نے ہندوستان میں قیام کا فیصلہ کیا، بلکہ ضلع سہارنپور، میرٹھ اور پورے مغربی یوپی کے علاقے کے مسلمان جے رہے۔

### سہارنپور کے مخلص و مخصوص خدام

اللہ تعالیٰ نے (جیسا کہ اس کا اپنے اکثر مقبول و محبوب بندوں کے ساتھ معاملہ رہا ہے) شیخ کو ایسے جان نثار، مزاج شناس اور خدمت گزار خدام عطا فرمائے، جو عام طور پر بڑے بڑے رؤسا و امراء کو نصیب نہیں ہوتے، ان میں شیخ کے ایک خاص خاص مولوی عبد المجید صاحب تھے، جنہوں نے اپنے کو حضرت شیخ کی خدمت کے لئے

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "آبِ حیات" ۲۷-۳۰۔ و سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری

وقف کر دیا تھا، اور دروازہ پر آکر پڑ گئے تھے، شیخ ان کی جفاکشی، چھوٹی چھوٹی ضرورتیں  
و درخواست کے مہیا کرنے میں ان کی جانفشانی اور مزاج دانی کے قصے مزے مزے لے لے کر  
بیان کرتے تھے، شیخ کی وفات سے کئی سال پیشتر ان کا انتقال ہو گیا۔

ان کے چچا مولانا نصیر الدین صاحب مہتمم کتب خانہ بھجپوی ناظم اُم المدارس شیخ  
کے یہاں ناظم الامور و مدارا المہام کا درجہ رکھتے تھے، ناشتہ اور دونوں وقت کھانے کی  
تیاری، اور مہانوں کی نگہداشت انھیں کے ذمہ تھی، شیخ کو مہانوں کی تعداد اور آمد و خروج سے  
کوئی بحث نہ تھی، اس کے لئے کتب خانہ کی آمدنی اور شیخ کے وقتاً فوقتاً عطیے کافی تھے،  
رمضان مبارک میں خاص طور پر شروع میں کئی سو اور آخر میں کئی ہزار مہانوں کے قیام  
و طعام کا انتظام انھیں کے ذمہ تھا، جو وہ بڑے صبر و تحمل اور فراخ دلی سے انجام دیتے  
تھے، شیخ کی زندگی ہی میں ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۰ھ (۱۱ مارچ ۱۹۵۱ء) کو انھوں نے  
انتقال کیا، اور شیخ کو اس کا بڑا صدمہ ہوا۔

ان دونوں کے علاوہ الشرف علی نے شیخ کو ایک اور مخلص خادم عطا فرمایا، جو کہ  
بعد میں مزاج دانی اور راحت رسانی کی وجہ سے وہ قرب و اخلاص حاصل ہوا جو بہت  
قدیم خدام کو حاصل نہیں ہوا تھا، راقم کو یاد ہے کہ حضرت رائے پوری کے بہت ہاؤس  
سہانپور میں طویل قیام (۱۳۶۵ھ - ۱۹۵۹ء) کے زمانہ میں دو تین نوجوانوں نے شیخ کے  
پاس آنا جانا شروع کیا، ان میں سے ایک جلد مانوس اور قریب ہوتا چلا گیا، اور بالآخر اس  
کو با قدم کپڑائے صورت و سیرت میں تیزی کے ساتھ تبدیلی آئی شروع ہوئی، اور حضرت شیخ  
کو بھی اس کے فہم و سلیقہ اور مزاج دانی کی اداسند آئی، اور انھوں نے بھی اس کو

۱۲۷۰ھ شربان المعظم ۱۳۶۵ھ (۳۱ مئی ۱۹۵۱ء) کو ان کا انتقال ہوا۔



زیادہ سے زیادہ خدمت کا موقعہ دیا، یہ الحاج ابو الحسن تھے، ہوسہارنپور کے اسلامیہ کالج میں اسسٹنٹ کلرک اور اسٹوڈنٹ گرافر تھے، ان کا خدمت کا انہماک اور شیخ سے اختصاص اتنا بڑھا کہ کالج کی ملازمت کو بھی جواب دیا، شیخ کے حجاز و پاکستان کے اسفار میں منتقل ہر کابی کا مشرف حاصل کرنے لگے، اور بالآخر مدینہ جا کر قدموں ہی میں پڑ گئے، اور آخری ساعت تک قدموں ہی میں رہے۔



## باب سیم

حضرت شیخ کی زندگی میں رمضان المبارک کا اہتمام و معمولات اور

اس کے غیر معمولی اجتماعات

عارفین و صاحبین کے یہاں رمضان کا استقبال و اہتمام

رمضان المبارک نزول قرآن کی سالگرہ، رحمتوں اور برکات و تجلیات کا مہینہ، طاعات و عبادات کی بہار کا زمانہ اور روحانیت کا جشن عام ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان مبارک میں اعمال خیر کے بارے میں تیز ہوا آندھی سے بھی آگے رہتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رمضان کا اخیر عشرہ آتا تو آپ پوری رات بیدار رہتے، گھر والوں کو بیدار فرماتے، اور عبادات اور نوافل کے لئے مکرر لینے عارفین شائق اور عالی ہمت خاصان خدا کی بھی دلی مراد بر آنے کا وہ موسم اور ان کا محبوب ترین مہینہ ہے، جس کے لئے وہ سال بھر دن گنتے رہتے ہیں، اولیائے متقین کا ذکر نہیں، بعض فریبالعہد بزرگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ عید کا چاند دیکھتے ہی آنے والے رمضان کا انتظار شروع ہو جاتا تھا، رمضان المبارک آتے ہی ان میں ایک نیا جوش و ولولہ اور ایک بخاری و سلمؐ ایسا آئے ایک حاضر مؤرخ دور اخیر کے ایک بزرگ مولانا سید شاہ ضیاء النبیؒ حئی رائے بریلویؒ (۱۳۲۹ھ) کے متعلق لکھتے ہیں۔

”آمد رمضان سے اتنے خوش ہوتے ہیں کہ کچھ مہینے پہلے سے ذکر کیا کرتے ہیں کہ اب رمضان آتا ہے اتنے مہینے باقی ہیں، راتنا ہی اس کے جانے سے محزون ہوتے ہیں“ من فرج بد خولہ ولفج بخروجہ کے سچے مصداق آپ ہی ہیں۔“

نئی نشاط و امنگ پیدا ہو جاتی تھی، اور وہ کبھی زبان حال سے یوں گویا ہوتے تھے:

هذا الذي كانت الأيام تنتظر

فليوف الله أقوام بما نذروا

(یہ وہ دولت ہے جس کا زمانہ کو انتظار تھا۔ اب وقت آگیا ہے کہ نذر ماننے والے اپنی

نذریں پوری کریں۔)

اور کبھی کیف و سرور میں آ کر یوں گنگنانے لگتے تھے:

پلا سا قیامہ مئے دل فروز

کہ آتی نہیں فصل گل روز روز

رمضان المبارک کے آتے ہی دینی و روحانی مرکزوں اور خانقاہوں کی فضا بدل جاتی تھی، ان لوگوں کے علاوہ جو وہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوتے تھے، شیخ و مرشد سے بیعت و عقیدت کا تعلق رکھنے والے دور دور سے اس طرح کھینچ کھینچ کر آ جاتے تھے جیسے آہن پائے مقناطیس کی طرف، اور پروانے شمع کی طرف آ جاتے یہاں یہ روحانی مرکز ذکر و تلاوت، اور نوافل و عبادات سے اس طرح معمور ہو جاتے کہ گویا دن میں اس کے سوا کوئی کام، اور رمضان کے بعد پھر کوئی رمضان آنے والا نہیں، ہر شخص دوسرے شخص سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا، اور رمضان کے ہر دن کو صرف رمضان ہی کا نہیں اپنی زندگی کا آخری دن سمجھتا، اور خواجہ میر درد کے اس شعر کی سچی تصویر اور علی تفسیر بن جاناہ

ساقیاں لگ رہا ہے چل چلاؤ

جس قدر بس چل سکے ساغر چلے

جو خد کا بندہ تھوڑی دیر کے لئے بھی اس ماحول میں آ جاتا وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر

ہو جاتا، افسردہ طبیعتوں میں نئی گرمی، بلکہ سرگرمی، پست ہمتوں میں عالی ہمتی اور اولوالعزمی، بلکہ مردہ دلوں میں زندہ دلی اور بلند پروازی پیدا ہو جاتی، بجلی کا ایک کرنٹ تھا، جو دلوں سے دلوں کی طرف پہنچ جاتا، اور مردہ جسموں میں ایک بجلی سی پیدا کر دیتا، جو شخص اس روحانی و ملکوتی فضا کو دیکھتا اس کا قلب شہادت دیتا کہ جنیک خدا طلبی کا یہ ہنگامہ برپا ہے، اور دین و روحانیت کی شمع کے پروانوں کا، ہجوم ہے، اور ہر قسم کے دنیوی اغراض اور نفس پرستی و دنیا طلبی سے بالاتر ہو کر خدا کو راضی کرنے اور اپنی آخرت کو بنانے کے لئے اتنے آدمی کسی جگہ جمع ہیں، دنیا تباہ نہ ہوگی، اور زندگی کی اس سادہ کو تہہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، اس وقت وہ بے اختیار خواجہ حافظ کے الفاظ میں اس طرح گویا ہو جاتا تھا۔

از صد سخن پیرم یک نکتہ مرابا د است

عالم نشود ویراں تا میکده آباد است

افسوس ہے کہ آٹھویں صدی میں سلطان المشائخ محبوب الہی حضرت خواجہ نظام الدین اویا کی خانقاہ غیاث پور (دہلی) اور تیرہویں صدی میں حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی خانقاہ منظر بہ واقع چتلی قبر (دہلی) کے رمضان المبارک کا آنکھوں دیکھا حال کسی مؤرخ نے نہیں لکھا، اور وہاں ذکر و تلاوت کی سرگرمی، شب بیداری، اور وہاں کا نظام الاوقات کسی کتاب میں تفصیل سے نہیں ملتا، لیکن "قوائد الفوائد" سیر الاولیاء اور "در المعارف" میں اس کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں، جو شخص ان خانقاہوں کے شب و روز اور ان شائخ کے ذوق و شوق اور ساز و سوز سے واقف ہے، وہ ان نقطوں سے پوری تحریر اور ان نامکمل خطوط سے پوری تصویر تیار کر سکتا ہے کہ ع

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

لیکن جن خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کے حصے میں ان خانقاہوں کی وراثت اور جن علماء و مشائخ کے حصے میں ان بزرگانِ سلف اور مشائخِ پیشین کی نیابت و خلافت آئی، انھوں نے ان مناظر کو تازہ اور زندہ کر دیا، اور تاریخ نے ان کے عہد میں اپنے آپ کو دہرا دیا۔

وہ لوگ تو خال خال ہوں گے، جنھوں نے گنگوہ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے زمانہ میں رمضان کی بہار دیکھی ہے، لیکن وہ لوگ بکثرت موجود ہیں، جنھوں نے گنگوہ کے دور کے بعد شیخ وقت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے دور میں رائے پور میں، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے دور میں تھانہ بھون میں رمضان کی بہار دیکھی، اور جس وقت وہ اس زمانہ کو یاد کرتے ہیں، ان کے دل پر ایک چوٹ لگتی ہے۔

### مولانا مدنیؒ اور رمضان کا اہتمام

ہمارے علم میں اس اخیر دور میں جس نے اسلاف کی اس سنتِ دیرینہ کو زندہ کیا اور اس کو نئی آب و تاب بخشی وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عین احمد صاحب مدنیؒ کی ذاتِ بابرکات تھی، انھوں نے اپنے مخصوص طالبین و مخلصین کی درخواست پر کسی ایک جگہ قیام کر کے رمضان المبارک کے گزارنے کا معمول بنالیا، اور اطراف و اکناف سے حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے دور میں رمضان میں چار سو پانچ سو سے زیادہ کا مجمع ہوتا تھا۔

بلکہ ملک کے دور دراز گوشوں سے منتسبین اور اراکات مندر پروانہ وار جمع ہونے لگے، حضرت نے ایک عرصہ تک سلہٹ میں رمضان المبارک گزارا، پھر کئی سال بانس کنڑی (بنگال) میں رمضان گزارا، ایک دو سال اپنے وطن مالوف الہم داد پورہ متصل طانڈہ ضلع فیض آباد خاص اپنے دولت خانہ پر رمضان المبارک گزارا، ان سب مقامات پر سیکڑوں کی تعداد میں مریدین و خدام، اور اس ماہ مبارک کے قدر داں جمع ہوتے جو آپ کے مہان ہوتے، آپ ہی ان مقامات پر قرآن شریف سناتے لوگ ذکر و شغل، تلاوت و عبادات میں پوری سرگرمی و عالی سہمتی سے مشغول رہتے، خدام کو بڑی کیفیات و ترقیات محسوس ہوتیں، اور وہ عرصہ تک مزے لے لے کر ان پر کیفیت دہر دہر ساعتوں کا ذکر کرتے، اگر اللہ کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی و فاکرتی تو غالباً الہ داد پورہ میں یہ مبارک سلسلہ جاری رہتا، اور خدا جانے کتنے بندگان خدا اپنی مراد کو پہنچتے، اور تربیت و تکمیل کے مدارج سے گزرتے، لیکن مولانا کی وفات (یوم جمعہ ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ - ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء) نے اس سلسلہ کو منقطع کر دیا، اور لوگ کف افسوس ملتے رہ گئے۔

### رائے پور اور دوسرے مقامات کا رمضان

مرشدنا حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری کے یہاں بھی رمضان کا غیر معمولی اہتمام تھا، تقسیم سے پہلے پنجا کے اہل تعلق جن میں ایک بڑی تعداد علماء اہل مدارس اور صاحب اجازت مشائخ کی ہوتی تھی، شعبان کی آخری تاریخوں میں لے ملاحظہ ہو مولوی عبدالحجید اعظمی کا رسالہ قیام سلہٹ ۱۳۶۵ھ، اور حضرت شیخ کی کتاب اکابر کا رمضا

رمضان گزارنے کے لئے رائے پور آجاتے، اور پھر پوری کیسویں وانہماک کے ساتھ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دنیا سے الگ تھلاکس گاؤں میں جس کو شہر سے ملانے والی کوئی پختہ سڑک بھی نہیں اور نہ کوئی ریلوے اسٹیشن قریب ہے، اس مبارک مہینہ کو وصول کرنے میں مشغول ہو جاتے، اور عید کی نماز پڑھ کر ہی یہاں سے تشریف لے جاتے، اس زمانے میں رائے پور کی خانقاہ کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور شیخ و طالبین کا کیا حال ہوتا تھا، اس کا کچھ اندازہ راقم کی کتاب ”سوانح حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری“ سے ہو سکتا ہے۔

رائے پور کے علاوہ بہٹ باؤس (سہا پور) صوفی عبد الحمید صاحب (سابق وزیر پنجاب) کی کوٹھی واقع جیل روڈ (لاہور) گھوڑا گلی (کوہ مری پاکستان) اور جلالپور (لاہل پور) میں بھی اس دھوم کے ساتھ رمضان گزریے کہ کئی کئی سو خدام اور اہل تعلق کا مجمع تھا، اور ذکر و تلاوت اور مجاہدہ کا زور شور۔

## حضرت شیخ اور رمضان المبارک کا اہتمام و انصرام

اس سنت کا تسلسل و استمرار بلکہ اس کی ترقی و توسیع اس شخصیت کے حصہ میں آئی، جس کے ہاتھوں سے اپنے اسلاف و شیوخ اور اساتذہ و مریدوں کے بہت سے کارناموں کی حفاظت، بہت سی تصنیفات کی اشاعت اور بہت سی نامتو چیزوں کی تکمیل مقدر ہو چکی تھی، یوں تو رمضان کا اہتمام، اس میں تلاوت و عبادت کا

۱۲۳ ملاحظہ ہو

۱۲۴ لہ افواذ مقدمہ ”صحبتے با اولیاء“ تحریر کردہ راقم سطوح

(تصنیف مولانا تقی الدین ندوی مظاہری)۔

انہماک انقطاع و کیسوئی اہل قلوب اور اہل معرفت کا ہر دور میں خصوصی شعار رہا ہے، لیکن شیخ کے یہاں اس بابے میں رمضان کی مشغولیت اور کیسوئی اور انقطاع کی جو کیفیت نظر آتی تھی، اس کے سمجھنے کے لئے ایک واقعہ جو لطیفہ کی حیثیت رکھتا ہے، درج کیا۔ شیخ کے یہاں رمضان میں ملاقات تو ملاقات بات کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی اور جبکہ روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے اور احتیاطاً کچھ زیادہ پڑھنے کا معمول تھا (کہ مبادا انتیس کا چاند ہو جائے) تو یوں بھی تواضع اور خاطر داری میں گفتگو و ملاقات کی فرصت لمبی شکل تھی، حکیم طیب صاحب رام پوری مرحوم کے حضرت شیخ سے خاندانی تعلقات عزیز داری تھی، اور حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب سے تعلق کی بنا پر جو اس سلسلہ کے مشائخ میں تھے، حضرت شیخ اور اس سلسلہ کے سب بزرگ ان کا خاص سجاد کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ رمضان المبارک میں شیخ کے یہاں آگئے، جب بھی انھوں نے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا تو خدام نے کہا کہ یہ وقت حضرت شیخ کی مصروفیت کا ہے، اس وقت بات کرنے کی فرصت نہیں، جب ان کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے شیخ سے کہا:-

”بھائی حجتی! السلام علیکم، بات نہیں کرتا صرف ایک فقرہ کہوں گا، رمضان الشکر کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے، مگر یوں بخار کی طرح کبھی نہیں آتا، السلام علیکم جابر ہوں“

لے شیخ کی آپ بیتی سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۸ھ کے ماہ مبارک میں ایک قرآن روزانہ پڑھنے کا معمول شروع ہوا، جو تقریباً ۸۵ھ تک رہا، بلکہ اس کے بھی کچھ بعد تک (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو) آپ بیتی ۲، ۳۵-۳۶ ۲۹ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی ۲، ص ۳۷



## رمضان المبارک کا نظام الاوقات

رمضان المبارک میں شیخ کا نظام الاوقات بہت بدل جاتا، سرگرمی، جفاکشی، بلند ہمتی، ذوق عبادت و تلاوت اور کیسوی و انقطاع اپنے نقطہ عروج پر ہوتا۔

راقم اسطور کو (۱۳۶۶ھ) میں ایک مرتبہ پورا رمضان ساتھ گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی، نظام الدین میں قیام تھا، اور شیخ کی خصوصی شفقت و تعلق کی وجہ سے بہت قریب دیکھنے کا موقع ملا، پورے مہینہ کا انعکاس تھا، روزانہ ایک قرآن شریف تم کرنے کا التزام تھا، اندیسے اضافہ کے ساتھ، تاکہ اگر ۲۹ کا چاند ہو جائے تو تیس قرآن مجید تم کرنے کے معمول میں فرق نہ آئے، نظام الاوقات یہ رہتا تھا، اگر افطار صرف ایک مدی کھجور سے، پھر ایک پیالی چائے، اور ایک بیڑہ پان، نماز مغرب کے بعد اوّابین شروع فرمادیتے جن میں کئی پائے پڑھتے، اوّابین سے فراغت کے بعد اور عشاء کی نماز سے پیشینہ ایک خصوصی مجلس ہوتی، جس میں خاص عزیز و خدام شریک رہتے، عشاء اور تراویح کے بعد پھر مجلس ہوتی جس میں ہلکی سی افطاری عموماً مرو دیا کیلہ کا کچا لویا کچھ پھلکیاں برے وغیرہ، لیکن قلیل مقدار میں کھانے کا اس وقت بھی ذکر نہیں، یہ گرمیوں کا زمانہ تھا، مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ٹھہ ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنے کے عادی تھے، اس لئے تراویح میں بہت دیر ہو جاتی، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مجلس میں بیٹھ کر حاضرین مجلس تو آرام کرنے چلے جاتے، شیخ نوافل میں مشغول ہو جاتے، سونے کا ایک منٹ کے لئے بھی معمول نہ تھا، اخیر وقت میں سحر کھاتے اور چوبیس گھنٹے میں یہی کھانے کا وقت تھا، نماز فجر ازل وقت ہو جاتی، نماز کے بعد آرام فرماتے اور دن نکلنے کے بعد بیدار ہوتے، چوبیس گھنٹے میں یہی سونے کا وقت تھا، پھر دن بھر قرآن مجید ہی کا

دور رہتا، یہی رمضان کا سب سے بڑا معمول تھا، جو کچھ وقت ملتا، قرآن مجید کی تلاوت اور دور میں گذرتا۔

رمضان کی اسی مشغولیت اور علوئے ہمت میں صحت کے تنزل کے باوجود اور ترقی ہی ہوتی چلی گئی، ۸۵ھ کے رمضان کی تفصیل ایک خاص، اور ہر وقت کے حاضر باش اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

”وسط شعبان سے ۲۸ رمضان تک جو مہان باہر سے آئے اور پورا رمضان یا کچھ ایام گزار کر واپس گئے، ان کی ایک فہرست ایک خادم نے بطور خود مرتب کی تھی، اس فہرست میں ۳۱۳ مہانوں کے نام ہیں۔

حضرت شیخ کا نظام الاوقات رمضان شریف میں یہ رہا، سحری کے لئے جب لوگ بیدار ہوتے تو حضرت عموؒ نوافل میں مشغول ہوتے، اور جب سحری کا وقت ختم ہونے لگتا تو ایک دو انڈے نوش فرماتے، اور چائے کی ایک پیالی، پھر جماعت تک تکیہ لگائے لوگوں کی طرف متوجہ رہتے، مہان حضرات آمنے سامنے ہوتے، بعد نماز فجر آرام فرماتے تقریباً بجے دن تک، پھر ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے، دوپہر زوال کے قریب تک پھر ڈاک ملاحظہ فرماتے، اور بعض ضروری خط لکھواتے، اذان ظہر تک پھر نماز میں مشغول ہوتے، بعد ظہر فوراً تلاوت شروع فرماتے سلسل عصر تک، مہانوں کو ہدایت تھی کہ سب لوگ ہمہ تن ذکر میں مشغول ہو جائیں قبیل عصر تک، چنانچہ ذکرین ذکر میں مشغول ہوتے، اور دوسرے حضرات تلاوت میں مشغول رہتے عصر تک،

لے مولانا منور حسین صاحب بہاری مظاہری خلیفہ مجاز حضرت شیخ:

بعد حضرت قرآن شریف سناتے، اکثر مہمان یا تو قرآن شریف سنتے، یا خود تلاوت کرتے، قبیل افطار تک، صرف چند منٹ پہلے تلاوت موقوف کر کے مراقب ہو جاتے، مہمانوں کو ہدایت تھی کہ صحن مسجد میں افطاری کے دسترخوان پر چلے جائیں اور حضرت اکیلے پردہ میں ہو جاتے، اذان پردہ کی کھجور سے افطار اور اس پر زرمم ایک پیالی نوش فرماتے، پھر مراقب ہو جاتے، یا ٹیک لگا کر بیٹھتے، نماز مغرب سے فراغت کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا، اور حضرت دینک نوافل میں مشغول رہتے، اذان کے آدھ گھنٹہ پہلے تک، اس وقت ایک دو انڈے نوش فرماتے، اور ایک پیالی چائے یہ چائے بھی ہفتہ عشرہ کے بعد بہت اصرار پر شروع ہوئی، اس طرح انڈا بھی سخت اصرار پر منظور فرمایا تھا، روٹی چاول وغیرہ کی قسم سے کوئی چیز بھی رمضان بلکہ ایک دن پہلے بھی نوش نہیں فرمایا۔

اذان عشاء سے آدھ گھنٹہ پہلے پردہ ہٹایا جاتا، حضرت ٹیک لگا کر مہمانوں کی طرف متوجہ رہتے، عجب منظر ہوتا، نئے آنے والے ملتے، پھر اذان ہو جانے پر ضروریات سے فایغ ہو کر نوافل، پھر فرض و تراویح میں مشغول ہو جاتے، اس رمضان میں تین قسم کی ساعت فرمائی، پہلے مفتی یحییٰ صاحب نے سنایا، پھر حافظ فرقان صاحب نے، پھر میاں سلمان سلمہ پسر مفتی یحییٰ صاحب نے، پورا ماہ اعتکاف میں گزرا، اور اکثر و بیشتر مہمان بھی معتکف رہے، حتیٰ کہ بسا اوقات ڈاکخانہ بھیجنے کے لئے کسی آدمی کا ملنا مشکل ہو گیا تھا، بس حضرت کے تین چار خادم کو خاص کر کے ضروریات کے لئے غیر معتکف

دیکھا گیا۔

آخر عشرہ میں یا اس سے کچھ پہلے بعض بعض دوستوں کے بار بار مٹھائی یا کباب لانے کی بناء پر تراویح کے بعد ایک دو وقفہ مٹھائی یا شاہی کباب بھی نوش فرما لیتے، مگر اکثر تو تقسیم ہی کرا دیتے، اوائل رمضان میں اعلان کرا دیا گیا تھا اپنی حضرت نے خود فرما دیا تھا کہ تراویح کے بعد کتاب ہوا کرے گی، چنانچہ کتاب ہی سنانے کا معمول رہا، اور اس وقت پینے یا پھل کی وغیرہ کا جو معمول پہلے سے چلا آ رہا تھا، اس رمضان میں بند کر دیا گیا تھا کہ وقت ضائع ہوگا، کتاب وغیرہ سے فراغت کے بعد فرماتے، حضرات جاؤ وقت کی قدر کرو، چنانچہ اکثر تلاوت یا نماز میں لگ جاتے اور حضرت بھی مشغول ہو جاتے، کچھ دیر کے بعد کچھ دیر کے لئے آرام فرماتے، مگر تمام عینی و لایمان قلبی کی طرح کیفیت رہتی کہ ابوالحسن سلمہ سے جو پاس ہی کو ہوتے کبھی کوئی بات فرما بھی دیتے، اور یہ فرماتے کہ تم لوگوں کی تلاوت اور ذکر سے میرے آرام میں فرق نہیں آتا،

اگلے رمضان (۱۳۸۶ھ) کا نظام تقریباً وہی رہا، کچھ چیزوں میں تبدیلی تھی، مولانا منور حسین صاحب بہاریؒ نے اپنے مکتوب میں جو حالات لکھے ہیں اس کی چند اہم باتیں یہ ہیں۔

”۲۹ شعبان کو فجر کی نماز سے پہلے ہی مہانوں اور متکفوں نے اپنی اپنی جگہوں پر قبضہ کرنا، اور بسترے پھیلانے شروع کر دیے، چنانچہ بعد فجر جو لوگ گئے

ان مولانا منور حسین بہاریؒ کی نظاہری خاص طور پر رمضان المبارک کے انتظام و اہتمام کے بڑے ذمہ داروں اور متکفین میں ہوا کرتے تھے۔

تو اکثر دس کو تیسری صف میں جگہ ملی، حضرت پہلے ہی اعلان فرما چکے تھے کہ ۲۹ شعبان کو بعد عصر مسجد ہی سے اعتکاف کاہ منتقل ہو جائیں گے، چنانچہ تشریف لے گئے، اور نوٹے سے اوپر ٹٹو سے تین چار کم مہمان بھیجے۔ مسجد دارالطلبہ جدید میں اقامت و اعتکاف کو انیت سے پہنچ گئے، حالانکہ مسجد بہت وسیع اور اندر چھ صفوں کی جگہ ہے، مگر مہانوں اور سالانہ سے مسجد بھر گئی، چنانچہ جو مہمان رات کو یا صبح سے پہلے یا بعد پہنچے ان کو مسجد کے برائے میں جگہ دلائی گئی، شام کے دسترخوان میں ٹٹو سے کم اور سحری کے وقت ٹٹو سے زائد مہمان ہو گئے تھے، پھر مہمان آنے لگے، اور برآمدہ مسجد کے پر مہمان پر اندرون مسجد جگہ بجا دلائی گئی، اور ہر مہمان کو تقریباً ڈیڑھ فٹ کی جگہ اخیر کے دو عشروں میں میسر رہی، مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے دوسرے عشرہ کے وسط میں ایک عظیم الشان خیمہ نصب کرایا گیا، یعنی مسجد کے کھلے صحن میں وہ بھی اخیر عشرہ میں بھر گیا، پہلے ہی سے دارالطلبہ جدید کے چھ کمروں کو خالی کرایا گیا تھا، چنانچہ پہلے دوسرے عشروں میں تو صرف معززین کو ان کمروں میں چارپائی پر بٹھرایا جاتا تھا، مگر اخیر عشرہ میں دو کمرے تو معززین کے لئے رہے، باقی چار کمروں میں پرال ڈلو کر عام مہمانوں کو بٹھرایا گیا، بعد کو سبھی کمروں میں پرال پڑے، ۲۳ سے ۲۸ تک تقریباً پونے تین ٹٹو مہمان دسترخوان پر کھاتے رہے، مزید مولوی نصیر الدین صاحب کے پاس کھاتے رہے..... اس سال تبلیغی جماعتیں علماء اور مدسین اور اہل علم کثرت سے آئے، حضرت نے متعدد اشخاص کو اجازت دی، گجرات، بمبئی، پالن پور کے مہمانوں کی تعداد مائیں تھیں

یوں یوپی والوں کی تعداد مجموعی طور پر زیادہ تھی، افریقہ، انڈمان، میوزمرا  
بنگلہ، اڑیسہ، بہار اور آسام کے مہان بھی تھے۔

ظہر کے عصر تک تلاوت فرماتے رہتے، تمام مہان ذکر میں مشغول رہتے، عصر تک اکثر  
ذکر جہری میں بعض ذکر سری یا مراقبہ میں اور کچھ تلاوت میں بات چیت کرنے کی قطعی  
اجازت نہیں تھی، عام ہدایت تھی کہ ہمارے یہاں آؤ تو بات چیت نہ کرو، خواہ اور دُعا  
خاموش بیٹھے رہو، کوئی حرج نہیں عصر کے بعد کتابیں سنائی جاتیں امداد السلوک علامہ  
سیوطی کا ایک سال، نیز ایک اور رسالہ پھر تمام انتم، ترجمہ تبویہ الحکم، پھر الکمال الشیم شرح  
انتم انتم سلوک کی کتابیں پورے رمضان میں سنائی گئیں، افطار سے پندرہ منٹ پہلے کتاب  
سنائی موقوف کر دیتے اور پردے میں مراقبہ ہو جاتے، مدی کھور اور دُرزم سے افطار فرماتے،  
کچھ کھانے کا معمول نہیں تھا، پھر مراقبہ ہو جاتے، نماز مغرب کے بعد تقریباً پون گھنٹے توکل  
میں مشغول رہتے، پھر دو انڈے کی زردی نوش فرما کر ایک پیالی چائے پی لیتے۔

پردہ ہٹا دیا جاتا تقریباً سو اساتذہ جامع مجلس شروع ہو جاتی، نئے آنے والوں کا  
مصافحہ فرماتے، اور کب تک قیام کا سوال فرماتے اور محل قیام کے لئے ہدایت فرماتے  
پھر بجے تک بزرگوں کے واقعات بیان فرماتے، اس درمیان یہ ہیئت بھی  
فرماتے، اذان ہوتے ہی نماز کی تیاری کو فرماتے، اور خود ضروریات سے قانع  
ہوتے اور فواضل شروع فرماتے۔

تراویح سے فراغت پر سورہ یس کا ختم ہوتا، اور دیر تک عافرتے رہتے،  
تبلیغی جماعت کے مخصوص حضرات ہوتے تو ان سے دعا کی فرمائش کرتے، پھر کتاب لانے کا  
سلسلہ سارے گیارہ بجے تک رہتا، اور تبلیغی کارروائی سنائی جاتی، اس کتابی مجلس کے

اختتام پر تقریباً بارہ بجے شب کو پردہ گرا دیا جاتا، اس سال گھر والوں وردوئوں کے اصرار و تقاضے اور اس بناء پر کہ بالکل ناظر رہنے پر پیاس کا غلبہ ہوتا تھا، اوڑھ پانی پینے پر عمدہ میں رطوبت بہت بڑھ گئی تھی جس کے نتیجے میں رمضان کے بعد بھی کچھ عرصہ تک کچھ کھایا نہیں جاتا تھا، افطاری کا سلسلہ شروع کیا گیا، حضرت کچھ فقہ فرمائیے، یوں کچے تک مخصوص مجلس جاری رہتی، مراقبہ کی کیفیت رہتی، ایک بجے کے بعد سو جاتے، چار بجے اٹھتے، ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے، صبح صادق سے آدھ گھنٹہ پہلے دودھ، پالے کے چند چھچھ نوش فرما کر ایک پیالی بخنی نوش فرماتے، پھر نوافل میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ اذان ہو جاتی۔

۹۵ھ کے رمضان کا نظام الاوقات جو خود شیخ نے آپ بتی میں لکھا ہے۔

حسب ذیل ہے:-

”بعد مغرب ادا میں میرا دوپارے، بعد چائے، استنجا وغیرہ، بعد مجلس از ۸-۸ ۱/۲، اسی میں بیعت و گفتگو مشاء، از ۹ تا ۱۰ ۱/۲، بعد ختم یس ودعا، بعد فضائل رمضان، تا ۱۱ ۱/۲، سو اگیارہ، بعد اوداعی مصافحوں کے بعد ۱۲ تک کیواڑ بند ۳ بجے تک، تین بجے کو اڑھ کھلتے اور سحر کا انتظام ہوتا تھا، تہجد میں دوپارے، بعد نماز فجر آرام تا ۹ بجے، بعد قرآن شریف دوپارہ دیکھ کر تانا، تفرقات تا ایک، بعد ظہر ختم خواجگان، اور ذکر، دوپارے نہانے کا معمول، بعد عصر ارشاد و اکمال“

۱۳۸۵ھ سے شیخ نے دارالطلبہ جدید کی مسجد میں رمضان گزارنا شروع کیا۔

ہر سال مجمع بڑھتا چلا گیا، ۱۳۸۵ھ میں چالیس نفر متکفل تھے، اخیر میں دوسو تک تعداد پہنچ گئی، ۱۳۸۶ھ میں دوسو سے متکفلین کی تعداد شروع ہوئی، ۱۳۸۷ھ میں خیمے لگانے پڑے، طلبہ کے جو حجرے خالی تھے، ان میں مہانوں کو ٹھہرایا گیا، ۱۳۹۲ھ کا رمضان سہارنپور میں گزرا، دارالطلبہ جدید کی مسجد دو منزلہ ہو گئی تھی، مگر وہ بھی متکفلین کے لئے کافی نہ ہوئی، مہانوں کے لئے دارالطلبہ کے حجرے خالی کرائے گئے، شروع رمضان میں ۸-۹ سو کا انداز تھا، اخیر رمضان میں مولوی نصیر الدین صاحب نے بتایا کہ آج اٹھارہ مہان ہیں عشرہ اولی کے ختم ہی پر مہان ایک ہزار تک پہنچ گئے تھے، ۲۷-۲۸ رمضان تک تعداد دو ہزار تک پہنچ گئی تھ

نظام الاوقات یہ تھا، ا بجے تقریباً ایک گھنٹہ وعظ، ظہر کے بعد عصر تک ختم خواجگان اور ذکر بابجر، عصر کے بعد اکمال اشیم اور ارشاد الملوک مغرب کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ نوافل اور طعام، اس کے بعد عشاء کی اذان تک نوادہ آنے والوں اور متقین سے ملاقات، بعد کے بعد بھی دار جدید کی مسجد میں کئی دن قیام کرنا پڑا، اس لئے کہ مجمع بہت زیادہ تھا، شیخ نے یکم شوال ۹۳ھ کے بارے میں لکھا، میں تو آج کے رخصتی مصافحوں سے سمجھا تھا کہ مہان ٹھوپیائش ہی رہ گئے ہوں گے، مگر ابھی تو آج اور کل کے ٹھہرنے والے بھی پانچسویں کے قریب ہیں۔

سہارنپور کے رمضان کے زمانہ میں اگرچہ مقیمین پورے انہماک و کیسوئی کے ساتھ (الامشاء اللہ) تلاوت و نوافل، اور رمضان کے خصوصی معمولات میں منہمک رہتے، شیخ بار بار فرماتے، جتنا جی چاہے ساتھی سؤیں، اور کھائیں، لیکن باتیں نہ کریں کہ سب



زیادہ مضرب ہے، لیکن شیخ کو کچھ بھی اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ رمضان کے اوقات پوری طرح وصول کئے جا رہے ہیں یا اس میں کوتاہی ہے، کبھی کبھی شیخ اس کو ازراہ تواضع و احتساب نفس میلے سے تعبیر فرماتے، ۲۴ فروری ۱۹۷۷ء کے ایک مکتوب میں جو راقم سطور کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:-

”اپنے یہاں کے ہجوم کے متعلق آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ میں کئی سال سے مولوی منور مفتی محمود وغیرہ خصوصی احباب سے بار بار یہ سوال کرتا تھا کہ اس میلہ سے جو رمضان میں یہاں لگتے ہیں، فائدہ زیادہ ہے یا نقصان؟“

### ایک پُر اثر خوب حال نظم

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ عزیز مولوی محمد ثانی مرحوم کی وہ نظم درج کر دی جائے جس میں رمضان المبارک کو وداع کہنے کے سلسلہ میں اس تاریخی موقعہ، اس پرکھت منظر اور اس کے ایک تاریخی یادگار بن جانے کی طرف لطیف اشارے کئے گئے ہیں، یہ نظم جب مولوی معین الدین صاحب نے بلند آواز سے پڑھی تو ایک سماں بندھ گیا، خود شیخ پرایک اثر معلوم ہوتا تھا، خاص طور پر آخری دو شعروں پر بہت سی آنکھیں اشبار اور پڑھنے والے کی آواز گلو گلو ہو گئی۔

### وداع رمضان

رحمت حق آئی قسمت در چلے      سجدہ ریزی کو خدا کے گھر چلے  
نعمتوں سے گو دھرنے خوش نصیب      زاہدان با صفا بڑھ کر چلے

واہوئے در بزمِ رحمت کے تما  
 اہل درد و سوز کچھ کچھ کر چلے  
 گلشنِ رحمت کی ہر دم سیر کی  
 اپنے دامن کو گلوں سے بھر چلے  
 رو گئے محروم ہم ہی کم نصیب  
 جھاڑ کر دامن کو اپنے گھر چلے  
 "شمع کی مانند اس کی بزم میں  
 چشمِ ترا آئے تھے دامن تر چلے"  
 قدرِ نعمت کی نہ کچھ ہم کر سکے  
 بوجھِ عصیاں کائے سر پر چلے  
 ہائے بے حسرت نصیبِ او ائے غم  
 "کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے"  
 نورِ سنا چاندنی پھیک پیڑی  
 سر چھپانے کو نہ داخل تر چلے  
 ماہِ رحمت کے شبِ دروزدھر  
 ہر طرف تم نورِ برسا کر چلے  
 تم سے ملتی تھی دلوں کو تازگی  
 تم چلے ارمانِ سائے مر چلے  
 الفراق اے ماہِ رمضان الفراق  
 زخمِ دل پر کیا لگے نشتر چلے  
 آئے رحمت کو لئے ہر سال تو  
 تیری رحمت کی ہوا گھر گھر چلے  
 ایک جھونکا تیری رحمت کا اڈر  
 بہرِ الطاف اے کرم گستر چلے  
 ہوں نہ ہوں یہ طفت کے دن نصیب  
 اور دورِ بادۂ کوثر چلے  
 اور بھی کچھ اور بھی کچھ اور بھی  
 جانے کب در بند ساقی کر چلے

"ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ"

جب تلک بس چل سکے ساغرِ جا"

# باب ششم

مدینہ طیبہ کا مستقل قیام طیبہ کے قبل و نہار ہندوستان کے چند سفر

اور رمضان المبارک

آخری سفر حجاز اور مستقل قیام

حضرت شیخ کی مدۃ العمر کی تناہی کہ مدینہ طیبہ جا کر رخت سفر کھولیں، اور جن کی سنت و شریعت اور حدیث کی ساری عمر خدمت کی اور ان کے دامن سے والہ ہے، انھیں کے قدموں میں بقیہ زندگی گزار دیں، ان کے محبوب شیخ و مرشد (مولانا خلیل احمد صاحب) کی بھی یہی آرزو و کوشش تھی، الشرف نے ان کو کامیاب کیا، اب جبکہ ضعف بھٹا اور مختلف قسم کی معذوریوں کی وجہ سے درس و تدریس اور براہ راست مطالعہ و تصنیف کا موقع بھی نہیں رہا تھا، اس تمنائیں مزید شدت و قوت پیدا ہو گئی، بالآخر اربع الاول ۱۳۹۳ھ (۲۲ اپریل ۱۹۷۴ء) کو اس نیت سے حجاز کے لئے روانہ ہوئے، گویا بقول اقبالؒ

ایں پیری رویشرب گر فتم      نوا خواں از سرور عاشقانہ

چو آں مرغی کہ در صحرا سرشام      کشاید پر بفکر آشیانہ

یہ وہی سفر تھا جس کے بعد مستقل قیام ہوا، اور شیخ نے ہجرت کی نیت فرمائی کہ

لے آپ بیتی ص ۷۸

رہنہ ۲۶ ربیع الاول ۹۳ھ (یکم مئی ۱۷۷۳ء) کو بمبئی سے روانگی ہوئی، مجمع تعداد و شمار سے افراد تنہا، دہلی کے ہوائی اڈہ پر جماعت کے لوگوں نے اتار لیا، لوگوں نے زیارت کی، اور بہت سے لوگوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا، ۲۷ ربیع الاول ۹۳ھ (۲ مئی ۱۷۷۳ء) کو مکہ معظمہ پہنچ گئے، اور عمرہ سے فراغت حاصل کی، اس سفر میں مکہ معظمہ میں بھائی سعدیؒ کے گھر، اور مدرسہ صولتیہ کے دیوان میں قیام رہا، مکہ معظمہ کے قیام میں طبیعت ناساز رہی، مدینہ پاک جانے کا تقاضہ دوسرے ہی دن سے شروع ہو گیا تھا، مگر خدام و رفقاء کی رائے نہ ہوئی، بالآخر ۱۹ مئی ۱۷۷۳ء کو بذریعہ کار مدینہ طیبہ روانہ ہوئے، اور اگلے دن ۱۲ بجے مدرسہ شریعہ پہنچ گئے، اور وہاں مستقل قیام ہو گیا، جو باب النساء کے بالمقابل مسجد شریف سے مشکل سے چند قدم کے فاصلہ پر ہے، اس لئے مسجد نبوی میں حاضری اور نمازوں میں شرکت آسان تھی

۱۔ بھائی سعدی کا پورا نام محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ، وہ مولانا محمد سعید ناظم اول مدرسہ صولتیہ کے پوتے حکیم محمد نعیم صاحب کیرانوی کی کمی کے بیٹے اور مولانا محمد سلیم صاحب ناظم ثانی مدرسہ صولتیہ کے بھتیجے میں حکومت سعودیہ میں مکہ معظمہ میں وہ کاتب العدل (جسٹس) کے عہدہ پر فائز ہیں، اس وقت مکہ معظمہ کے علماء و رؤساء میں ہیں، اسی سنہ (۱۷۹۳ھ) سے وفات تک مکہ معظمہ میں انھیں کا وسیع اور شاندار دولت خانہ حضرت کے رفقاء کی مستقل قیام گاہ رہا، وہ پروفیسر حافظ محمد عثمان صاحب کاندھلوی (سابق صدر شریعہ ریاضی پشاور یونیورسٹی) کے نواسے بھائی ہیں، حضرت شیخ کے رشتہ کے اموں تھے، اور مولوی مصباح الحسن صاحب کاندھلوی مرحوم کے داماد ہیں، حضرت کے ساتھ انھوں نے فرزند تعلق و وسعت کا اظہار کیا، حضرت شیخ کو بھی ان کے ساتھ پدرانہ و بزرگانہ شفقت تھی، حضرت شیخ اور ان کے قافلہ کے سلسلہ میں انھوں نے ہمیشہ سنت عثمانیؓ کی تقلید کی، اور یان کی خاندانی سعاد اور خوش

شیخ پہلے اقدام عالیہ میں حاضر رہتے، لیکن اس مرتبہ پاؤں کی معذوری کی وجہ سے مشرقی دیوار کے برابر جبریل سے ملحق ہو چھوڑ رہے، اس کو مستقر بنایا۔

## مدینہ کا نظام الاوقات

مدینہ کے قیام میں صبح کی نماز کے بعد مجلس ذکر ہوتی، پھر شیخ تھوڑی دیر آرام فرماتے اور رفقاء ناشتہ کرتے، بیدار ہونے کے بعد کچھ تصنیفی مشاغل رہتے، یا ڈاک لکھوائی جاتی، ظہر، عصر، مغرب، عشاء سب مسجد شریف میں ادا ہوتی، عصر بعد مدرسہ علوم شرعیہ کے صحن میں عام مجلس ہوتی، جس میں اکثر کوئی کتاب پڑھی جاتی، اس دوران خاص زاہرین اور ممتاز علماء جو ملاقات کے لئے آتے ان سے تفاروت و ملاقات ہوتی عشاء کے بعد عام دسترخوان بچھتا، سہانہ پور کے برخلاف جہاں دوپہر کا کھانا اصل تھا، جس میں شیخ بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے، اور رات کا کھانا برائے نام ہوتا، جس میں شیخ کی شرکت ضروری نہ تھی، یہاں مدینہ طیبہ کے قیام میں اصل کھانا رات کا تھا، جس میں کسی عزیز مہمان کی غیر حاضری حضرت شیخ کو بہت محسوس ہوتی، راقم سطور کو اس سے بہت واسطہ پڑ چکا ہے، اس لئے وہ بالعموم مدینہ طیبہ میں کسی دوسری جگہ رات کی دعوت قبول نہ کرتا، اس وقت حضرت شیخ کی طبیعت مبارک پورے نشاط و انبساط پر ہوتی، عزیز مہمانوں کی خاطر داری اور ان کی نگہداشت اسی طرح ہوتی جیسی دوپہر کے دسترخوان پر سہانہ پور میں مہمانوں کے کھانے کا انتظام زیادہ تر صوفی محمد اقبال صاحب

لے صوفی محمد اقبال ہوشیار پوری ان خوش قسمت افراد میں ہیں جن پر حضرت شیخ کی نظر خاص رہی، اور انھوں نے بھی سعادت و خدمت کا بڑا حصہ پایا، اور اعتماد و اختصاص، اور اجازت خاص سے سرفراز ہوئے، اور آخر وقت تک جو ارسول، اور اپنے شیخ کے دامن عاطفت میں رہے، شیخ کے ملفوظات و افادات اور حالات و مبشرات پر ان کے متعدد درسلے ہیں، جو چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

کے ذمہ ہوتا، ڈاکٹر اسماعیل مرحمت اور دوسرے خدام اہل تعلق بھی اسی میں پیش پیش رہتے، مسجد نور میں جو مدینہ پاک کا تبلیغی مرکز ہے، اہم اجتماعات میں شرکت فرماتے، اور قیام کی زیارت کو بھی جاتے۔

## حجاز کے مخصوص محبین و خدام

حجاز سے اس روحانی یا قلبی تعلق کے ماسوا (جس کا ہم پلہ اور ہم سر کوئی تعلق نہیں) شیخ اور ان کے خاندان کا اس پاک و مقدس سرزمین سے ایک طرح کا وطنی اور عزیزانہ تعلق تھا، اور وہ ان کے لئے وطن ثانی کی حیثیت رکھتی تھی، مکہ معظمہ میں مولانا محمد سعید صاحب کبر انوی ناظم اول مدرسہ صولتیہ کا خاندان تھا، جس سے برادری اور عزیزداری کے تعلقات تھے، مولانا محمد سلیم صاحب مرحوم ناظم مدرسہ صولتیہ ایک عزیز اور معزز فرد خاندان تھے اور مدرسہ صولتیہ کے دیوان میں (جہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کے قیام کی ایک بڑی مدت گذری تھی) عرصہ تک شیخ کا بھی قیام رہا، مولانا محمد سلیم صاحب کے صاحبزادہ مولوی مشہودیم صاحب (حال ناظم مدرسہ صولتیہ) اور مولانا کے برادر زادہ الحاج محمد سعید رحمۃ اللہ (معروف بے حدی) خاندان کے بچوں کی طرح تھے، حکیم محمد یامین صاحب جو عرصہ سے مدرسہ میں مقیم اور مکہ کے مہاجر ہیں، رشتہ کے اموں ہوتے تھے، یہاں مدرسہ میں پہونچ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے سہانپور سے کا ندھلہ یا دہلی چلے گئے۔

ڈاکٹر اسماعیل مرحمت حضرت کے مخلص خادم، اور صاحب خاص ہے، میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت شیخ کی خدمت کے لئے دوسرے مقامات کے قیام اور تعلق لازم کیسے کر کے گویا حضرت شیخ کی خدمت تک لائے مدینہ میں رکھا تھا، حضرت شیخ کے خاص مزاج داں اور صحت کے نشیب و فراز سے زیادہ واقف تھے۔

یہیں مکہ معظمہ میں حضرت کے خادم خاص اور عجاز یا اختصاص ملک مولوی عبدالغنیظ کا بھی گھر تھا، جن کی فطری سعادت مندی، اطاعت شکاری، اور مزاج شناسی کی وجہ سے حضرت کے یہاں وہ مقام حاصل تھا، جو کم ارادت مندوں کو حاصل ہو سکا، حضرت کی عربی تصنیفات خصوصاً "اجز المسائل" اور حضرت مولانا خلیل احمد صاکی شہرہ آفاق شرح البوداؤد بذل المجهود" اور دوسرے عربی رسائل کی طباعت کے اہتمام اور ان کی اشاعت کے لئے مکہ معظمہ میں مستقل مکتبہ باب المعمرہ پر مکتبہ امدادیہ کے نام سے اور طباعت کے لئے مدینہ طیبہ میں مستقل مطبع المطابع الرشید کے نام سے قائم کرنے کی وجہ سے ان کو حضرت کی ایسی مسرت و ابتہاج اور ایسی دلی دعائیں حاصل ہوئیں، جو بڑے مجاہدوں اور ایثار و قربانی کے بعد یاران با اختصاص کو حاصل ہوتی ہیں، افریقہ اور ہندوستان کے سفر میں (جن کا ذکر آئندہ باب میں آ رہا ہے) وہ حضرت کے رفیق خاص، خاص موقعوں پر دعاء کرانے والے، جمعہ کے امام و خطیب، اور حضرت کے ترجمان رہتے، ان کے والد المحترم ملک عبدالحق صاحب عرصہ سے مکہ معظمہ ہجرت کر کے آ گئے تھے، اور یہاں انھوں نے کارخانہ قائم کر لیا تھا، ان کے سب صاحبزائے خدمت کے لئے، اور ان کی گاڑیاں اور وسائل حضرت کی راحت کے لئے وقف تھے۔

حضرت کے بعد کی مکہ معظمہ میں قیام گاہ بھائی سعدی کا وسیع و شاندار محل تھا، جس کے قریب ہی متعدد ہندوستانی و پاکستانی اہل تعلق آباد ہیں، جن میں ہمارے عزیز خاص مولوی ڈاکٹر عبدالرشید عباس ندوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جہاں ساہا سال سے اس عاجز کے رفقاء، اور اعزہ کا قیام رہتا ہے، اور وہ بھی حضرت سے نیاز مندانہ اور خادمانہ تعلق رکھتے ہیں، حضرت کی بھی ان کے پورے گھر پر شفقت تھی، ان کا گھر بھی بھائی سعدی کی

گھر سے چند گز کے فاصلہ پر ہے، متصل ہی محلہ کی مسجد ہے، جس کو بھائی سعدی نے خاص توجہ و اہتمام سے وسیع و مکمل کیا ہے، اسی نسبت سے وہ "مسجد الرحمتہ" کے نام سے مشہور ہے، یہاں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر حصار کا محلہ ہے، جہاں تبلیغی جماعت کا خاص مرکز مسجد اور جہان خانہ ہے، اور وہ ہندوستانی، پاکستانی رفقاء جماعت کی خاص فروگاہ ہے۔

جہاں تک مدینہ طیبہ کا تعلق ہے، وہاں سے حضرت شیخ کا تعلق اور بھی گہرا ہے، یہاں اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ساتھ شیخ نے مہینوں قیام کیا ہے، اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کے برادر بزرگ مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی کی شفقتوں، اور میزبانوں کا لطف اٹھایا ہے، جو سالہا سال تک گنگوہ میں ان کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب کے رفیق خاص اور شریک دسترخوان رہے ہیں، مولانا سید احمد فیض آبادی کے بعد ان کے اور مولانا مدنی کے برادر نور محمد مولانا سید محمود احمد صاحب خاص تعلق رکھتے تھے، اور انھیں کی وجہ سے مدرسہ علوم شرعیہ شیخ کی مستقل قیام گاہ قرار پایا، مولانا سید محمود صاحب کو شیخ سے اتنا تعلق اور محبت تھی، کہ اپنے باغ کے آم بڑے اہتمام سے ان کے لئے ہندوستان بھیجے کا انتظام کرتے، اگر وہ نہیں پہنچ سکتے تھے، تو ان کا شیرہ ہی نکال کر بھیج دیتے، حضرت شیخ نے بھی ان تعلقات کا ایسا پاس کیا کہ ان کی وفات کے بعد ان کا رسالہ الخط الاول فی الحج الاکبر، بڑے اہتمام سے شائع کیا اور اس ناچیز سے اس پر مقدمہ اور تعارف لکھوایا، مولانا سید محمود صاحب کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ مولانا سید حبیب (حال مدیر الاوقاف) نے جو امیر مدینہ کے خاص مشیر و معتمد اور مدینہ طیبہ کے اعیان خاص میں ہیں، ان کی نیابت کی، اور اعرار و ارکام



کے ساتھ مدرسہ شرعیہ میں قیام کی سہولتیں مہیا کیں۔

مدینہ طیبہ کے قیام میں شیخ کے سفروں کی تنظیم، ان کو طے کرانے، اور ان کے لئے ہر طرح کے انتظامات کرنے، نیز قیام کے دوران بھی ضبط و نظم قائم کرنے میں قاضی عبدالقادر صاحب کا خاص حصہ رہتا تھا، جو محض شیخ کی خدمت اور انتظام کے لئے اپنے وطن جھاوڑیاں پاکستان سے آکر پورے پورے ماہ قیام کرتے، اور صرف اہم بیرونی تبلیغی اجتماعات کے لئے عارضی طور پر جاتے، اسی طرح حجاز کی جماعت تبلیغ کے امیر مولانا محمد سعید خاں بھی خادمانہ اور غلصانہ تعلق رکھتے تھے، اور مسجد نور کے قیام کے علاوہ بھی جوان کی خاص قیام گاہ ہے، اپنے کو ایک طرح کا میزبان اور ذمہ دار سمجھتے، اسی طرح مدینہ طیبہ کے خاص اہل تعلق اور حاضر باشوں میں حاجی امیر احمد صاحب (فرزند خان بہادر حاجی شیخ رشید احمد صاحب میرٹھی) مولانا آفتاب عالم صاحب (فرزند مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی) عزیز گرامی سید حسن عسکری طارق بخاری عباس صاحب بخاری وغیرہ تھے، طارق صاحب کو حضرت شیخ کی خصوصی شفقت اور قرب حاصل تھا۔

افسوس ہے کہ ممالک عربیہ ہی نہیں پوری نئی نسل کے ذوق و نقطہ نظر کے بدل جانے، اور تصوف کے خلاف مختلف جماعتوں کی طرف سے غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کر دینے کی وجہ سے عرب فضلاء، جامعات و کلیات کے نوجوان طلبہ اور باہر کے لاء مدینہ طیبہ کے خصوصی خدام میں مولوی عبد القدیر حیدر آبادی، مولوی حبیب اللہ، مولوی نجیب اللہ، مولوی اسماعیل بدات اور حکیم عبدالقدوس صاحب افراد خاندان اور بچوں میں مولوی شاہد اور حافظ جعفر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آنے والے عرب حجاج وزائرین نے اس زریں موقع سے بہت کم فائدہ اٹھایا، کہ ایک متبع سنت محدث جلیل، عالم ربانی، اور قوی النسبت شیخ مسیح نبوی کے زیر سایہ اور صاحب مسجد کے زیر قدم خدمت و تربیت کے لئے سب کشتیاں جلا کر مستقل پڑا ہوا ہے، کبھی کبھی جب باہر کے کسی عالم سے اس جلیل القدر شخصیت کے تعارف کی نوبت آتی، تو وہ ملاقات کا اشتیاق ظاہر کرتے اور حاضری دیتے ان میں ناچیز کو ان دو تین حضرات کی رہنمائی کا شرف حاصل ہوا (استاذ اکبر شیخ عبدالحلیم محدث شیخ الجامع اکثر، استاذ محمد المبارک سابق عمید کلیۃ الشریعہ دمشق و سابق وزیر شام، علامہ الحبیب بلخجہ محدث مفتی تونس، اور بھی کچھ ممتاز علماء عرب ہوں گے، جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مجلس استشاری، اور مجلس اعلیٰ میں شرکت کے لئے آتے تھے، اور ارقم سطور کو رکنیت کی وجہ سے ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملتا تھا۔

حضرت شیخ کی قانونی کفالت ملکٹ کا بھیجنا وغیرہ امور مستقلاً الحاج محمد سعید رحمۃ اللہ (بھائی سعدی صاحب) کے ذمہ رہتا تھا، اس مرتبہ شیخ کے آنے کے بعد سے وزیرہ میں توسیع کی خاص کوشش کی اور شیخ محمد صالح القرزازیٰ عام رابطہ عالم اسلامی کے ذریعہ سلسلہ جنبانی مشروع کی، مکہ کے مشہور عالم سید محمد علوی مالکی نے بھی اس کوشش میں حصہ لیا، یہ کوششیں جاری تھیں کہ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ (۱۷ جون ۱۹۸۳ء) کو اچانک اطلاع ملی کہ اقامہ بن گیا ہے لوگوں نے اس پر بڑا تعجب کیا کہ یہاں دس دس، پندرہ پندرہ برس سے لوگ پڑے ہوئے ہیں، مگر اب تک باوجود بڑوں بڑوں کی سفارش کے نہیں بنا، یہ بھی خبر تھی کہ شیخ کا اقامہ براہ راست ملک فیصل نے بغیر مجلس کے

خود ہی منظور کر کے بھیج دیا، بہر حال اس میں شیخ صالح قرازا، اور شیخ محمد علوی کی مسماعی جملہ کو دخل ہے، اقامہ تواصلہ کی کاروائیوں کے بعد بہت تاخیر سے ملا جس کی ابتداء ۲۳ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ سے ہوئی، ۲۵ اگست ۱۳۹۳ھ کو شیخ پاکستان کے ارادہ سے جہاں رائے و نڈکا تبلیغی اجتماع ہونے والا تھا، مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے، مگر یہ سفر نہیں ہو سکا، اس عرصہ میں رمضان شروع ہو گیا، شیخ مولانا محمد سلیم صاحب کے یہاں کھانے سے فراغت کے بعد سیدھے تنیم جاتے، وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر طواف و سعی سے فالج ہو کر بھائی سعدی کے یہاں جاتے، وہیں آرام فرماتے، پندرہ روزہ رمضان کی تراویح پڑھ کر شیخ مدینہ کے لئے روانہ ہوئے کہ جو رمضان حجاز میں ہوتا تھا، اس کا نصف اول مکہ میں عمروں کے شوق میں اور نصف آخر مدینہ پاک میں مسجد نبوی میں اعتکاف کی طلب میں گذرتا تھا، اس مرتبہ شیخ کا مختلف باب سعود سے ذرا آگے چل کر تھا، چھ بیسویں رمضان کی شب میں اسرائیلی جنگ کی بڑی سخت خبریں سننے میں آئیں، اس کے لئے ختم بخاری کا اہتمام کیا گیا، رات کے ریڈیو ہی پر جنگ کے بند ہونے کا اعلان ہو گیا۔

### ہندوستان و پاکستان کے سفر

رمضان کے بعد سے شدت سے بخار کا سلسلہ شروع ہوا، اس کی وجہ سے اس سال حج میں شرکت نہ ہو سکی، اس سال مولانا انعام الحسن صاحب نے اپنے رفقاء کے ساتھ حج کیا۔ اب اقامہ کی وجہ سے شیخ کا حجاز کا قیام اصل تھا، اور دوسری جگہ کا عارضی، کہ چھ ماہ سے زیادہ صاحب اقامہ کو باہر رہنے کی اجازت نہیں، ان میں اقامہ منسوخ ہو جائے گا، مولوی ہارون مرحوم کے انتقال کی وجہ سے، اور بعض دوسرے مسائل و ضروریات کی بنا پر اہل تعلق کا تقاضہ تھا کہ حضرت شیخ ہندوستان تشریف لائیں، بعض اہل خلوص کا مشورہ تھا،

لے شیخ نے اپنا آپ بیتی میں اس سلسلہ میں راقم سطور اور مولانا انعام صاحب کا نام لیا ہے۔

کہ اگر ہندوستان تشریف لانا ہے تو پھر رمضان سہارنپور میں گزرنا چاہیئے، تاکہ اس قیام سے اجتماعی اور دور رس فائدہ اٹھایا جاسکے، پاکستانی احباب کی مساعی سے اس مرتبہ پاکستان کا وزیرہ مل گیا، اس بناء پر سرجمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ (۲۴ مئی ۱۹۷۳ء) کو دیرپاک سے مکہ کے لئے روانگی ہوئی، راقم سطور بھی ساتھ تھا، بعد مغرب روانگی ہوئی، اور شب اکثر اسماعیل صاحب (جو اس زمانہ میں بدر کے ڈاکٹر تھے) کی درخواست پر تقریباً بیس گھنٹے بدر میں قیام رہا، شب کو مسجد عربیہ کے میدان میں سوئے، بعد عصر بدر سے روانگی ہوئی، اور شب میں مدرسہ صولتیہ پہنچے۔

۲۲ جون ۱۹۷۳ء کو شیخ جہدہ سے کراچی کے لئے روانہ ہوئے، اور ۲۵ بجکر ۲ منٹ پر کراچی پہنچ گئے، وہاں مجمع بہت تھا، ڈھائی تین ہزار کا اندازہ ہے، ظہر کی نماز کی مسجد میں پڑھی، کراچی میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے مدرسہ اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے مدرسہ بھی جانا ہوا، اسی قیام میں مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی سے ملاقات ہوئی، جمعہ کو راتے وند کے لئے روانگی ہوئی، جہاں مشتاقین کا بڑا ہجوم تھا، راتے وند سے ڈھڑیاں جانا ہوا، وہاں بھی بڑا ہجوم تھا، چونکہ دہلی کے فلکٹ کراچی سے تھے، اس لئے کراچی جانا پڑا، ۱۴ جولائی کو کراچی سے دہلی پہنچنا ہوا، اور ایک دن دہلی قیام کے بعد سہ شنبہ ۱۶ جولائی کو سہارنپور پہنچ گئے، مشتاقان دید دور سے سفر کر کے زیارت کے لئے آتے رہے۔

اس قیام ہندوستان میں ایک سفر میوات کا بھی ہوا اور اگست کے تبلیغی اجتماع سہارنپور میں بھی شرکت ہوئی۔

اس سال (۱۳۹۴ھ) کا رمضان اسی دھوم دھام کے ساتھ دارجدید کی مسجد

میں ہوا، لوگوں کا شروع سے اندازہ تھا کہ اس سال جمع بہت ہوگا، چنانچہ ایسے ہی ہوا،  
 شروع رمضان میں آٹھ ٹوسو کا اندازہ تھا، اور آخر رمضان میں اٹھارہ سونک پہونچ گیا  
 تراویح میں نین پائے روز سننے کا معمول تھا، تاکہ ہر عشرہ میں ایک قرآن ہو سکے، اس سال  
 مولوی خالد (برادر خورد مولوی سلمان صاحب) نے قرآن شریف سنایا، راقم سطور کی بھی  
 معمول کے مطابق دو دن کے لئے حاضری ہوئی، میری حاضری پر حضرت کا بعد تراویح  
 افطاری کا معمول بہت اہتمام سے ہونے لگتا۔

رمضان میں بھی شیخ کی طبیعت کچھ خراب رہی، اور امراض بڑھتے ہی چلے گئے،  
 ۱۵ اردی قعدہ ۱۳۹۳ھ (۳۰ نومبر ۱۹۷۴ء) کو سہارنپور سے سفر حجاز کی روانگی شروع  
 ہوئی، ہجوم اتنا تھا کہ کچے گھر سے دارالطینت تک آدمی ہی آدمی تھے، ۱۸ اردی قعدہ ۱۳۹۳ھ  
 (۳۰ دسمبر ۱۹۷۴ء) کو دہلی سے بدر بے طیارہ بمبئی، اور ۲۲ دسمبر ۱۳۹۳ھ (۲۵ دسمبر) سے  
 کراچی روانگی ہوئی، اور اگلے دن بخیریت مکہ معظمہ پہونچ گئے، ایام حج کے قرب کی وجہ سے  
 مکہ میں ہجوم بہت تھا، اس لئے زیادہ تر قیام مدرسہ صولتیین میں رہا، ۲۷ اردی الحجہ ۱۳۹۳ھ  
 (۲۹ دسمبر) صبح صاحب کے یہاں منتقل ہو گئے، حج سے فراغت کے بعد ۱۵ اردی الحجہ (۲۹ دسمبر)  
 کو رات کو بدر میں قیام کر کے اگلے دن مدینہ طیبہ پہونچے، اور حسب معمول مدرسہ علوم شریعہ  
 میں قیام ہو گیا۔

۱۳۹۵ھ میں پھر ہندوستان کا سفر پیش آیا جس میں کچھ اشارہ غیبی کو بھی دخل تھا،  
 شیخ نے اس بناء پر رمضان ہندوستان میں گزارنے کا ارادہ کر لیا، اور ۲۸ رجب ۱۳۹۵ھ  
 (۶ اگست ۱۹۷۵ء) کو مکہ مکرمہ سے روانگی ہوئی، اور اسی روز بمبئی پہونچ گئے،

لے تفصیل پہلے باب میں گذر چکی ہے۔ ۲۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، آپ بقیہ ص ۱۷۱

بمبئی سے چل کر ۱۸ گشت ۷۷۵ عکرم شعبان ۹۵ھ کو نظام الدین پہنچا ہوا، ۱۲ رگست ۷۷۵  
 ۱۳ شعبان ۹۵ھ کو بخاری شریف کا ختم ہوا، اول سلسل بالا ولایت کی حدیث پڑھی گئی، اس کے بعد  
 مولوی یونس صاحب بخاری کی آخری حدیث پڑھی، تین دنوں کا شیخ نے پڑھا، کم رمضان المبارک  
 دو شنبہ ۸ ستمبر کو شیخ اپنے معمول کے مطابق عصر کے بعد ہی دار جدید میں پہنچ گئے۔

عشرہ اولیٰ میں مولوی زبیر نے، وسطیٰ میں مولوی خالد نے اور آخر میں مولوی سلمان صاحب  
 نے قرآن شریف ختم کیا، سہ ماہی پور سے چل کر کاندھلہ، پالی پت، سرسہند ہوتے ہوئے بذریعہ  
 کار راء سے وٹاپہ پہنچے اور وہاں تھے۔ یعنی اجتماع میں شرکت کر کے ڈھڈیاں، راولپنڈی،  
 اور وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچے اور وہاں سے سیدھے جدہ کے لئے روانہ  
 ہو گئے، مکہ معظمہ میں عمرہ سے فارغ ہوئے اور قیام فرمایا، اور مناسک حج ادا کئے، اس سال  
 مولانا انعام احسن صاحب بھی حج میں شریک تھے، حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ  
 واپسی ہو گئی۔

۱۳۹۶ھ میں پھر ہندوستان کا سفر پیش آیا، جو ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۳۹۶ھ (۱۲ جون  
 ۷۷۷ھ) کو شروع ہو کر ۲۲ رذی قعدہ ۱۳۹۶ھ (۱۵ نومبر ۷۷۷ھ) کو اختتام پذیر ہوا، اس سفر  
 میں بھی رمضان المبارک دارالطلبہ جدید میں گذرا، عشرہ اولیٰ میں مولوی سلمان صاحب نے،  
 ثانیہ میں مولوی خالد نے اور ثانیہ میں مولوی زبیر صاحب زادہ مولانا انعام احسن صاحب نے  
 قرآن شریف ختم کیا، بیرون حمالک سے بہت سے ممتاز اہل تعلق آئے تھے، راقم سطور اور  
 اس کے رفقاء بھی تین شب کے لئے حاضر ہوئے۔

رمضان سے فارغ ہو کر کراچی ہوتے ہوئے جدہ کی روانگی ہوئی، عمرہ، ہجوم اور

بخاری کی وجہ سے مشکل تھا، اس لئے جبرہ سے براہ راست مدینہ طیبہ روانگی ہو گئی۔

۲۴ مئی ۱۷۷۷ء کو سعودی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ سلسلہ تابعیہ جو درخواست جلالہ الملک کو بھیجی گئی تھی، اس کی منظوری کی اطلاع آگئی ہے، کچھ عرصہ کے بعد اس کی تکمیل ہو گئی، ۲۱ جون ۱۷۷۷ء کو تابعیہ شیخ تک پہنچ گیا، اس پر انھوں نے ہجرت کی نیت کر لی، تابعیہ ملنے کے بعد جو مکتوب اس عاجز کے نام تحریر فرمایا گیا ہے اس میں تحریر ہے۔

”تابعیہ ملنے کے بعد بجائے مسرت کے فکر غالب ہو گیا، کہ معلوم نہیں وطنیت کے آداب کی رعایت کر سکوں گا یا نہیں؟ دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ یہاں کے آداب کی رعایت کرادے۔“

مکتوب پر پہلی مرتبہ شیخ الحدیث مہاجر مدنی تحریر ہے۔

تابعیہ مل جانے کے بعد جمادی الثانیہ ۱۲۹۷ھ میں پھر ہندوستان کا سفر پیش آیا اور کراچی، دہلی ہوتے ہوئے سہارنپور پہنچنا ہوا، ۱۰ شعبان، ۲۸ جولائی کو مسلات بخاری کا ختم ہوا، اس سال ۱۷۷۷ء کے رمضان میں ہجوم پہلے سے بھی بڑھا ہوا تھا، پہلا اور تیسرا عشرہ مولوی سلمان کا تھا، اور دوسرا مولوی خالد کا، ذی قعدہ ۱۷۷۷ء اکتوبر ۱۷۷۷ء میں حجاز واپسی ہو گئی، جبرہ سے براہ راست مدینہ طیبہ روانگی ہوئی، اس قیام میں خدام اور احباب نے بہت سے مبارک خواب دیکھے، اور پیشات ہوئے، اس سال سہارنپور کا رشتہ طہوتی کیا گیا، اہل تعلق کو اطلاع کر دی گئی کہ رمضان اپنی اپنی جگہ کریں۔

۱۲۹۷ھ اور ۱۲۹۸ھ کا رمضان بھی ہندوستان، سہارنپور دارالطلبہ جدید کی

مسجد میں ساہا ہے اسبق کی طرح اسی شان سے ہوا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، ۱۲۹۹ھ

۱۷۷۷ء مکتوب مورخہ ۱۹ جون ۱۷۷۷ء تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی کے ۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷

۱۷۷۷ء مکتوب مورخہ ۱۹ جون ۱۷۷۷ء تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی کے ۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷

کے رمضان میں تقریباً ایک ہزار متکلف ہو گئے تھے اس لئے جگہ کی تنگی رہی، اور ایک عشرہ سے زیادہ کسی کو اعتکاف کی اجازت نہیں ملی، ساہا اے ماسبق کے بخلاف اس مرتبہ صرف مولوی سلمان صاحب نے تراویح میں قرآن شریف سنایا۔

۱۴۲۸ھ (جولائی ۱۹۰۷ء) کا رمضان پاکستانی خدام، اہل تعلق کے اصرار اور قدیم خواہش و تمنا کی بناءً فیصل آباد (سابق لائل پور) میں ہونا طے پایا، اس قیام کے خاص داعی و منظم و ذمہ دار مولانا مفتی زین العابدین تھاتھی تھے جو حضرت کے ممتاز مجازین و تبلیغی جماعت کے اہم ذمہ داروں میں تھے، پاکستانی خدام تبلیغی جماعت کے کارکنوں، حضرت رائے پوری سے تعلق رکھنے والوں، اور مدارس عربیہ کے اساتذہ و فضلاء نے اس موقع کو غنیمت بلکہ نعمت سمجھا، اور اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، قیام دارالعلوم فیصل آباد اور اس کی مسجد میں تھا، یہ رمضان پوری مشغولیت، ذہنی برکتوں اور روحانی فیوض کے ساتھ گزرا، معمولات کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ:-

عشاء کی اذان سے نصف گھنٹہ قبل شیخ کی خصوصی مجلس ہوتی، اعلیٰ العموم شیخ مراقب تشریف فرما رہتے، مجلس بھی حلقہ بنا کر مراقب ہوتا، تھوڑی دیر اس سکوت و مراقبہ کے بعد نئے آنے والوں کی بیعت کا سلسلہ شروع ہوتا، جن کی تعداد روزانہ تقریباً ۲۰۰-۳۰۰ ہوتی، حضرت کی طرف سے مولوی احسان صاحب استاد مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لاہور، بیعت سے پہلے ضروری اعلانات کرتے کہ حضرت شیخ آہستہ آہستہ بیعت کے کلمات ارشاد فرماتے، اور مولوی احسان صاحب باواز بلند کہتے جاتے، سارا مجمع بیک زبان ان کی اقتداء میں بیعت کے کلمات اپنی زبان سے ادا کرتا، اس سال تراویح میں صرف سو اپارہ قرآن ہوتا تھا، تراویح کے بعد سورہ یس کا ختم ہوتا، پھر دعا، پھر کتاب



پڑھی جاتی، شیخ کا حجرہ بند ہو جاتا، اور لوگ انفرادی طور پر مشغول ہو جاتے، ظہر کی نازکے  
 بعد ختم خواجگان، دعا و ذکر کا حلقہ ہوتا، عصر کے بعد مجلس ہوتی جس میں مولوی معین الدین صاحب  
 وہ کتابیں اور رسائل پڑھتے، جن کا رمضان میں معمول ہے، مجمع پر ایک کیفیت طاری رہتی  
 یہ سلسلہ افطار سے تھوڑی دیر قبل بند ہوتا۔

حضرت شیخ فیصل آباد سے سہانپور آکر ناچیز کے نام ۱۹ شوال ۱۲۷۰ھ کو  
 جو گرمی نامہ تحریر فرمایا، وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:-

الحمد للہ المکرم حضرت مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں زاد مجیدیم

بعد سلام مسنون، آپ حضرات کے اعذار کے باوجود خط کا انتظار رہتا ہے  
 میں فیصل آباد میں تو اچھا خاصہ رہا، وہاں سے دلی بھی اچھی طرح آگیا لیکن یہاں پوٹو  
 آکر لب سریر یکملہ لب گورہوں چوہیں گھنٹے چار پائی پر سوار رہتا ہوں نہ لٹا نہ جلتا  
 نماز بھی گھر چھٹتا ہوں بسا اوقات خیال آئے کہ لب گوری تو کہیں مجھے ہت نہ  
 نہیں لائی، کوکب پچاس نسخے اور تاج دعوت و عزیمت کا چوتھا حصہ بھی مل گیا  
 باوجود شدید اشتیاق کے ابھی تک نہیں مل سکا، طبیعت اتنی گری ہوئی ہے کہ نہ کھانا  
 نہ پینا، دو آؤں کے چند چھپے دن بھر کی غذا ہے، آپ کی پریشانیوں اور معذوری سن کر  
 اور بھی قلق ہو رہا ہے، آپ کا یہ مشورہ کہ روانگی میں جلدی نہ کریں، بہت سوں کا مشورہ  
 ہے، مولوی انعام کی بھی رائے یہ ہے کہ صدی شروع ہونے کا انتظار کرو، مگر طبیعت بہت  
 گھبراہی ہے، مجھے خوب یقین ہے کہ سہانپور آمد کا تقاضہ آپ حضرات کو مجھ سے زائد ہوگا  
 مگر مجبوریاں ایسی سرسری ہیں کہ قدرات کے سامنے کچھ نہیں ہو سکتا، یہ خط بھی آپ کے  
 رفق انتظار کے لئے لیٹے لیٹے لکھوا رہا ہوں، زندگی ہے تو ملاقات ہو ہی جائے گی۔

## باب ہفتم

انگلستان اور جنوبی افریقہ کے یادگار دعوتی و تربیتی سفر

انگلستان کا پہلا سفر

جون ۱۹۶۹ء میں حضرت شیخ پہلی بار انگلستان تشریف لے گئے، آپ کا یہ سفر آپ کے خلیفہ مجاز مولوی یوسف متالا صاحب کی دعوت پر ہوا، جنہوں نے ”ہولکمب بری“ (HOLCOMB BURY) لنکاشائر میں ایک بڑا دینی عربی مدرسہ دارالعلوم ہولکمب بری کے نام سے کئی سال پیشتر قائم کیا تھا، جو برطانیہ کا سب سے بڑا عربی مدرسہ اور تربیتی و دعوتی مرکز بن گیا ہے، یہ مدرسہ بڑی شہری آبادی بولٹن سے ۸-۱۰ میل کے فاصلہ پر ہولکمب ہل (HOLCOMB HILL) نامی پہاڑی پر واقع ہے، یہ اصل میں ایک سینوٹیریم تھا، جو کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا، اس کو غالباً ۱۹۶۳ء میں ایک لکھنؤ تندرہ ہزار پونڈ کے عوض دارالعلوم کے لئے خرید لیا گیا۔

حضرت شیخ ۲۴ جون ۱۹۶۹ء کو ۱۰ بجے شب میں ہانچسٹر کے ہوائی اڈہ پر اترے، قرب وجوار اور دور دراز سے سیکڑوں آدمی ان کے استقبال اور دیدار کے لئے آئے، شیخ ۱۹۶۹ء کے سفر انگلستان میں راقم سطور نے مدرسہ کو دیکھا، اور وہاں ایک شب گذاری، اس مدرسہ کے بانی مولوی یوسف متالا، اور ان کے بھائی مولوی عبدالرحیم متالا پر حضرت شیخ کی بڑی توجہ اور شفقت تھی اور یہ دونوں بھائی شیخ کے بڑے مخلص خدام اور متبعین ہیں۔

پہنچ چکے تھے آپ کو جس جگہ کار سے اتر کر اپنے کمرے تک پہنچنے والی کرسی کے ذریعہ آنا تھا، وہاں لوگ دور ویہ قطاروں میں کھڑے ہو گئے، اور ان کو آپ کی ایک جھلک دیکھنے کا موقع مل گیا، نماز عشاء کے بعد جبکہ آدھی رات کا وقت تھا، آپ نے لوگوں سے مصافحہ کیا، قریب ایک گھنٹہ اس عمومی ملاقات میں لگ گیا، ۱۰ بجے سو کمرہ بچے فجر کے لئے اٹھ گئے، اس کے بعد سے باقاعدہ روزانہ کا پروگرام شروع ہو گیا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اوراد و وظائف، ۸ بجے ناشتہ، ۱۰ بجے سے ۱۱ تک تصوف و تزکیہ سے متعلق شیخ کی کسی کتاب سے تعلیم، ایک بجے دوپہر کا کھانا، ۲ بجے ظہر کی نماز نماز کے بعد مشائخ کا معمول ختم، اور اجتماع دعا، پھر ذکرین کا ذکر بالجہر اور بقیہ لوگوں کی درود و استغفار اور تسبیحات میں شمولیت، اس کے بعد ۶ بجے شام کی چائے، ۷ بجے سے ۸ تک مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا بیان، ۸ بجے نماز عصر، نماز کے بعد شام کا کھانا، پونے دس بجے مغرب کی نماز، اور نماز کے بعد نماز ہی کی جگہ میں قریب پون گھنٹہ کی شیخ کی عمومی مجلس، پھر ۱۱ بجے عشاء کی نماز شام کے ۶ بجے سے قرب و جوار کے لوگ بھی اپنی دکانوں، دفتروں اور کارخانوں وغیرہ سے چھٹی پا کر جوق در جوق مدرسہ میں پہنچ جاتے تھے، اس وقت بھی مجمع ہزاروں کا ہوتا تھا، شیخ کی ہدایت پر یہ مجمع کم سے کم ایک ہزار بارود و شریف کا ورد پورا کر لیتا تھا، حضرت نے پہلے ہی دن مجلس میں فرما دیا تھا کہ مجھے دیکھنے کے لئے جمع ہو جانے سے کچھ نہیں ملے گا، جو کچھ ملے گا، کچھ کرنے سے ملے گا، کم از کم اتنا ضرور کرو کہ ایک ایک ہزار بارود و شریف ہر شخص پڑھ لے، اس کے علاوہ اوقات میں بھی غیر ضروری باتوں سے احتراز کرتے ہوئے، دل و زبان کو زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو، درود شریف پورے ہونے کے بعد ان لوگوں کی بیعت شروع ہوتی تھی

جو حضرت سے بیعت ہونا چاہتے تھے اس بیعت میں ایمان کی تجدید گناہوں سے توبہ اور آئندہ کے لئے اطاعت و راست بازی کا عہد و اقرار حضرت اپنی زبان سے بیعت کے الفاظ فرماتے اور ملک عبدالحفیظ صاحب مالک پر دہرا دیتے۔

شیخ کا قیام انگلستان میں ۱۰-۱۱ دن رہا، انھیں میں سے درمیان کا ایک دن (پنجشنبہ ۲۸ جون) برطانیہ کے تبلیغی مرکز ڈیوزبری کے لئے رکھا گیا تھا، پورے قیام میں بس یہی ایک سفر دارالعلوم سے باہر کا فرمایا گیا، صبح ۱۰ گیارہ بجے روانگی ہوئی ۱۲ بجے ڈیوزبری سے چند میل دے باٹلی پہنچ کر ذرا دیر کا قیام فرمایا، کیونکہ یہاں خواتین کے بیعت کا پروگرام تھا، آپ ڈیوزبری سے روانہ ہوئے تو وہاں مقیمین کا بیشتر حصہ بھی آپ کے آگے پیچھے اس طرح ہولیا، جیسے شمع کے ساتھ پروانے ان کے علاوہ ڈیوزبری کے جو اسے جو آمد شروع ہوئی تو ہر طرف سے موٹریں ہی موٹریں آتی ہوئی نظر آتی تھیں اور اس شعر کی تصدیق ہوتی تھی۔

منعم بک وہ دشت و بیابان غریب نیست  
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

ڈیوزبری کے علاوہ دارالعلوم سے ۸-۱۰ میل پر اس علاقہ کے بڑے شہر ولٹن میں آپ ہی کے نام کی زکریا مسجد واقع ہے، یہاں اتوار یکم جولائی کو ۱۲ بجے دن سے پھر تک کا پروگرام تھا، یہاں مفتی محمود حسن صاحب کا بیان اور خواتین کی بیعت عمل میں آئی، اور دوپہر کا کھانا بھی وہیں ہوا۔

۵ جولائی ۱۹۷۹ء کی صبح ۹ بجے آپ مانچسٹر ایرپورٹ سے پرواز کر کے ۱۰ بجے کے قریب لندن کے ہیٹھرو ایرپورٹ پر تشریف لائے، یہاں سے آپ کو ایرلینڈ کے ڈبلین

دہلی تشریف لے جانا تھا، بجے وہاں سے پرواز ہوئی اور آپ بخیر و عافیت دہلی پہنچے۔

## جنوبی افریقہ کا تاریخی رمضان

شیخ کے سن مبارک (حضرت شیخ کی اس وقت عمر ۸۶ سال تھی) ضعف و امراض اور عوارض دیکھتے ہوئے جن کا حال یہ تھا کہ نقل و حرکت تو بڑی چیز ہے، خود سے کروٹ بدلنے اور اٹھ کر بیٹھ جانے سے بھی معذور تھے، رمضان گزارنے کے لئے جنوبی افریقہ کے سفر کا ارادہ فیصلہ خدا کی قدرت کی ایک نشانی، اور شیخ کی ایک کھلی کرامت تھی، جس کی توجیہ اس کے سوا کسی چیز سے نہیں کی جاسکتی کہ اللہ تعالیٰ کو اس دور دراز ملک کے (جو اسلامی و مغربی تہذیب کے تصادم و تقابل کی خاص جولان گاہ ہے، اور جہاں لاکھوں کی تعداد میں ہندوستانی نسل کے فرزندان توحید آباد ہیں جنہوں نے ابھی تک دولت و مغربیت کے فتنوں کے باوجود اسلام کی امانت کو اپنے سینے سے لگا کر رکھا ہے، اور جن کی نسلوں میں دین کا احترام، اور اہل دین کی قدر دانی برابر منتقل ہوتی رہی ہے) مسلمانوں کی کوئی ادا پسند آئی، اور ان کو فائدہ پہنچانے کے لئے پیاسوں کے کنویں پر جانے کے بجائے (جو وہ اپنے مقدور بھر کرتے رہے ہیں) کنویں کو پیاسوں کے پاس بھیج دیا، یہ طویل سفر متعدد اشارات غیبی اور مبشرات کی بناء پر کیا گیا، اس سفر میں دین کے شائقین و طالبین، اور اہل تعلق نے جس طرح پروانہ و اراجوم کیا، اور جس طرح ملک کے دور دراز گوشوں کے لوگ ایک مقناطیس کی کشش سے جمع ہوئے اور انہوں نے

لے یہ معلومات اختصار کے ساتھ مولوی عتیق الرحمن صاحب سنبھلی کے مضمون شائع شدہ "الفرقان" بابت اگست ۱۹۶۹ء رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ سے ماخوذ ہیں، مولوی عتیق رحمان صاحب میں شریک اور حالات کے شاہد ہیں۔

اپنی ضیافتگی اور گرویدگی کا اظہار کیا، اس نے تیرہویں صدی کے ثلث اول میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے دواہ کے دورہ اور سفر حج و ہجرت کے دور کی یاد تازہ کر دی، وہاں کے طالبین کو جو دینی اور روحانی فوائد حاصل ہوئے ان سے ان بشرات کی صداقت بھی ظاہر ہو گئی، خود حضرت شیخ اپنے ایک خادم کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”بہت سے بشرات و منامات کے پیش نظر انکی سال جنوبی افریقہ میں رمضان مبارک گزارنے پر اصرار اور زور احباب کی طرف سے ہو رہا ہے، معذوری و ضعف و ناتوانی اور بیماری کی وجہ سے میری ہمت ہوتی نہیں کہ وعدہ کروں، مگر بشرات و منامات کی کثرت کی وجہ سے ہمت کرتی!“

شیخ نے اس سفر کے داعی خاص محرک مولوی یوسف تٹلا صاحبؒ کے کچھ شرطیں بھی لیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ میٹر اور میرے رفقاء کا کرایہ میرے ذمہ ہوگا، اُن لوگوں کے علاوہ جن کا معمول ہمیشہ ہر یہ بھیجے کا ہے، کوئی ہر یہ لینے کی اجازت نہیں، کھانے میں تکلف نہ کیا جائے، بہت سادہ کھانا ایک دو قسم کا ہو، دوستوں کو اس پر راضی کر لیں کہ وہ مجھے ایک دو دن کے لئے کہیں نہ لے جائیں، آنا جانا میرے بس کا نہیں، البتہ ذاکرین کو اکٹھا کریں جو اہتمام سے ذکر کریں، اس دوران افریقہ کے متعدد حضرات کی جانب سے سفر کا کرایہ اور دیگر اخراجات ادا کرنے کی پیشکش پہنچی، لیکن آپ نے اسے منظور نہیں فرمایا اور اپنا اور اپنے خادم کا کرایہ اپنی جیب خاص سے مرحمت فرمایا، جو کہ پاکستانی روپیہ کے حساب سے دو لاکھ روپیہ بنتا تھا۔

مولانا محمد سعید انگار صاحب کی درخواست پر جو اسلامک سنٹرری یونین (REUNION) کے ڈائریکٹر ہیں، آپ نے اسٹینگر (STANGER) جاتے ہوئے ری یونین کا

سفر منظور فرمایا، اور شرط کر دی کہ وہاں خانقاہوں کے قیام اور ذکر کے اہتمام کی کوشش کریں گے، آپ ۴ شعبان ۱۴۰۱ھ (۶ جون ۱۹۸۱ء) بروز ہفتہ بدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، مگر کمرہ میں عمرہ سے فارغ ہوئے، وہاں ۹-۱۰ دن قیام کر کے ۱۶ جون ۱۴۰۱ شعبان کو جدہ سے ری یونین کے لئے روانہ ہوئے، ری یونین (REUNION) پہونچ کر وہی معمولات شروع کر دیئے گئے، جو رمضان میں ہوتے ہیں، ۳-۴ دن ہاں ٹھہر کر ۲۰ جون شنبہ کی صبح سینٹ ڈینس (SAINT DENIS) سے سینٹ پیر (SAINT PIERRE) تشریف لے گئے، اگلے دن ۲۱ جون کو ڈربن (DURBAN) کے لئے روانہ ہوئے، وہاں بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا گیا، آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی لوگوں نے داڑھیاں رکھنا شروع کر دی تھیں، اور دینی جذبہ ہجرت انگیز طور پر بڑھ چکا تھا، ۲۹ شعبان کو آپ اپنے تمام بہانوں کے ساتھ اسٹینگر (STANGER) کی جامع مسجد منتقل ہو گئے، اور آپ نے پورے ماہ کے اعتکاف کی نیت کر لی۔

یہ زمانہ اس علاقہ میں (ہندوستان کے برخلاف خط استواء پر ہونے کی وجہ سے) انتہائی سردی کا تھا، لیکن اسٹینگر ذرا نشیب پر واقع ہے، اس لئے یہاں موسم قدرے معتدل رہتا ہے، اسٹینگر کی جامع مسجد کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ مسجد نہایت وسیع اور تین حصوں پر مشتمل ہے، اوپر کے حصہ میں تقریباً بارہ سو افراد کی گنجائش ہے، او نیچے دو حصوں میں تقریباً ایک ہزار افراد سما سکتے ہیں، بیت الخلاء وغیرہ کافی تعداد میں ہیں، گرد و پیش گاڑیاں کھڑی کرنے کی وسیع جگہ ہے، گرم، ٹھنڈے پانی کا بندوبست بھی ہے، محل وقوع نہایت پرسکون ہے۔

ایک بیان کے مطابق ہفتہ اتوار کو چھ سات ہزار کا جمع ہو جانا، جگہ کی کمی کو

پورا کرنے کے لئے مینوں اطراف میں چار عدد خیمے نصب کئے گئے، ہفتہ اتوار کو مجمع کا نظم کرنے کے لئے وائٹس سیٹ کرنا پڑا، ایک انفارمیشن سینٹر (معلوماتی مرکز) مسجد سے متصل عارضی طور پر قائم کیا گیا، مہمانوں کی خدمت کے لئے سٹو افراد ہسپتال ایک جماعت متعین تھی جن میں پچاس سحر کے لئے، اور پچاس افطار کے لئے مخصوص تھے۔

رمضان کے اس قیام سے اس پورے علاقہ میں دین کا ایک نیا ذوق پیدا ہوا، لوگوں کی ہمتیں بلند ہو گئیں، بہت سی جگہ مجالس ذکر کے قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا، بہت سی جگہ نئی نئی مسجدوں کی بنیاد پڑی، مدارس دینیہ، اور مکاتب قرآنیہ کا قیام عمل میں آیا، اچھے اچھے صاحب ثروت گھرانوں میں دینی علم کا شوق پیدا ہوا، اور انھوں نے اپنے بچوں کو دور دراز کے مدارس دینیہ میں بھیجے کا فیصلہ کیا، دوسری طرف تبلیغی جہد میں (جو کئی سال سے جنوبی افریقہ میں جاری ہے) نئی جان پڑی، دو دراز علاقوں سٹو سٹو دو دو سو میل کی مسافت سے، بلکہ دوسرے افریقی ملکوں سے بھی لوگ زیارت کے لئے آتے رہے، وہ اپنے جیب و دامن کو فیوض و برکات سے بھر بھر کر واپس جاتے، جدائی کے وقت بڑے متاثر و بدیدہ نظر آتے۔

حضرت نے پورے ماہ کے اعتکاف کی نیت فرمائی، معمولات حسب ذیل تھے،۔  
بعد ظہر ختم خواجگان و دعا، پھر مجلس ذکر، بعد عصر کتابی تعلیم، پھر افطار، بعد مغرب نوافل، بعد طعام مجلس اور بیعت، بعد تراویح ختم لیس شریف اور دعا، پھر فضائل درود شریف کی خواندگی، پھر واردین و زائرین سے مصافحہ کا سلسلہ شروع ہوتا، اور عموماً گھنٹہ بھر، بلکہ زیادہ ہی وقت لگتا، معتکفین و زائرین رات کو کچھ نوافل و تلاوت میں شب بیدار رہتے، کچھ آرام کرتے پھر سحری اور بیچ و تہلیل میں مشغول رہتے، فجر الاشرق



کے بعد اکثر لوگ سوتے کچھ تلاوت میں مشغول رہتے، روزانہ وعظ کا سلسلہ رہتا، ایک دن مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی وعظ فرماتے، ایک دن مولانا عبدالحکیم صاحب جو پوری کتاب مولانا معین الدین صاحب، مولانا شاہد صاحب الگ الگ وقتوں میں پڑھتے، تراویح مولانا سلمان صاحب نے پڑھائی، مولانا عبدالحفیظ صاحب کی عوام دعا کرتے، یہ بڑی جامع اور طویل دعا ہوتی، جس میں پوری دنیا میں ہدایت کے پھیلنے اور دین اسلام کی بلندی اور سرسبزی کی دعا کی جاتی۔

مستغفین شروع رمضان میں سیکڑوں کی تعداد میں تھے، اخیر میں ہزار سے متجاوز ہو گئے، مقامی حضرات عموماً تختانی مسجد میں اعتکاف میں رہتے، اور باہر سے آئے ہوئے فوجانی مسجد میں مشغول رہتے، جو اصل مسجد بھی جاتی، زائرین کا سلسلہ بڑھتا رہتا، آئندہ ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی، بالخصوص شنبہ اور اتوار کو تین ہزار سے متجاوز ہو کر چار پانچ ہزار تک تعداد پہنچ جاتی۔

۴ اگست ۱۹۷۳ء ۳۰ سوال ۱۹۷۳ء مسئلہ کو ظہر کی نماز پڑھ کر ختم خواجگان کے بعد مولانا عبدالحفیظ صاحب کی نے الوداعی دعا کرائی، لوگ پھوٹ پھوٹ کر روئے، حشر شیخ ضروریات سے فارغ ہو کر ۲ بجے گاڑی میں تشریف فرما ہوئے، اور اسٹینگر کی مسجد سے روانہ ہو گئے، چند مقامات پر ٹھہرتے اور دعا کرتے ہوئے سلور گلین (SILVER LLEN) وہاں سے ریچمنڈ (RICHMOND) وہاں سے میرج برگ (MARTIZBURG) جہاں تقریباً تین ہزار آدمیوں نے مصافحہ کیا، وہاں سے اسپنگو بیچ (SPINGO BEACH) برجگہ (BRIDGE) کے معمولات جاری رہے، یہاں مجمع تقریباً ایک ہزار کا تھا، یہیں جمعہ کی نماز پڑھی گئی، ڈربن سے وائٹ ریلور (WHITE RIVER) پرائیوٹ ایرپورٹ سے روانہ ہونا تھا۔

یہاں مولوی محمد گارڈی نے پورے دو ہزار چارٹر کر رکھے تھے، وائٹ ریور پر بھی بڑا مجمع تھا لیکن ہر جگہ کی طرح پولیس اور فوج کا پورا انتظام، یہاں نو مسلم سیاہ فام لوگوں کا مجمع بہت زیادہ تھا، اطراف و اکناف سے آئے ہوئے لوگوں کا بھی جم غفیر تھا تقریباً ۸۰۰ سیاہ فام تھے، سبھوں نے قرآن مجید شرف کیا۔

یہاں سے روانہ ہو کر بذریعہ جہاز جوہانس برگ (JOHANNESBURG) پہونچے، یہاں بھی وہی معمولات جاری رہے، جوہانس برگ سے کیپ ٹاؤن (CAPE TOWN) تشریف لے جانا ہوا، یہاں جامعہ ازہر مصر و سعودی عرب کے پڑھے ہوئے جاوی علماء جو یہاں کے قدیم باشندہ ہیں استقبال کے لئے موجود تھے، آپ نے پہلے قبرستان جا کر فاتحہ پڑھی۔

کیپ ٹاؤن میں علماء کی تنظیم کے صدر نظم محمد صاحب نے جو اصلاً جاوی ہیں ان کی اہم مکہ کی ہے، حضرت کے استقبال میں تقریر کی، یہاں علماء بہت مانوس رہے کیپ ٹاؤن سے دوبارہ جوہانس برگ واپسی ہوئی، جوہانس برگ سے لے نیشیا (LENASIA) آنا ہوا، تقریباً تین ہزار کا مجمع تھا، مصافحہ میں خاصی دیر لگی، بچوں کی بسم اللہ ہوئی، اور ایک انگریز مسلمان ہوا، ۱۵ اگست ۱۴ اشوال کو لے نیشیا قیام رہا، اور بھی چند اشتخاص مسلمان ہوئے ۱۶ اگست ۱۵ اشوال کو بھی وہیں قیام رہا، چلتے وقت تقریباً ۳۰ ہزار کا مجمع تھا، مصافحہ میں بہت وقت لگا، ۱۸ اگست ۱۶ اشوال کو زامبیا (ZAMBIA) کے لئے روانگی ہوئی، زامبیا والوں نے ایک مستقل فوجی جہاز زامبیا سے چارٹر کر کے جوہانس برگ

لے کر عربی مولوی علی آدم ندوی ساکن کیپ ٹاؤن نے بتایا کہ یہاں کثرت سے انڈونیشیہ کے جلاوطن عرب علماء و مشائخ دفن ہیں، جن کو ڈچ اپنی حکومت کے زمانہ میں سیاسی قیدی بنا کر یہاں لاکر چھوڑ دیئے تھے، ان میں متحدہ صاحب نسبت مشائخ، اور صاحب کرامات بزرگ ہوتے تھے۔

بیجا جس کا کرایہ ہند روپیوں میں ایک لاکھ ۲۵ ہزار ہوتا ہے، یہ جہاز گیارہ سیڈوں کا تھا، رخصت کے وقت ہزاروں کا مجمع تھا، تقریباً سو سے زیادہ کاریں ہی تھیں، چونکہ الوداعی وقت تھا، اس لئے پورے ساؤتھ افریقہ سے احباب کھنچ کھنچ کر پہنچ گئے، مجمع چنچیں مارا کر رو رہا تھا، راستہ میں خصوصی انتظام کی بنا پر مسلمانوں کی ایک چھوٹی بستی چپاٹا (CHIPATA) پر جہاز اترنا، احباب کا مجمع ایک ہزار کے قریب تھا، اللہ تعالیٰ نے چپاٹا میں جہاز کو ایک بڑے خطرے سے بچالیا، اور بحیرت واپسی ہو گئی، اس سفر میں کھانے میں برکت، خطرے سے سلامتی وغیرہ کے ایسے متعدد واقعات پیش آئے، جو خاصانِ خدا کے ساتھ پیش آتے رہے ہیں، جمعہ بھی چپاٹا میں ہوا، ایک دینی مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

۲۲ اگست ۲۱ شوال کو چپاٹا سے لوساکا (LUSAKA) روانگی ہوئی، لوساکا کا پورا ایرپورٹ مجمع سے بھرا ہوا تھا، کئی ہزار کا مجمع تھا، نعرۂ تکبیر سے پورا ایرپورٹ گونج گیا، یہاں کے میزبانوں نے انتظامات خوب کر رکھے تھے، شامیانوں میں کئی ہزار مجمع کی گنجائش تھی، حضرت کے میزبان ابراہیم حسین لمبات والا صاحب نے پورے شہر لوساکا کے مسلمانوں کی دعوت کر رکھی تھی، تقریباً ڈھائی ہزار آدمیوں نے کھانا کھایا، آپ نے ۲۴ اگست کو دارالعلوم کا معائنہ کیا، اور وہاں کے ذمہ داروں کی درخواست پر اس کا نام مدرسہ رحمانیہ رکھا۔

### انگلینڈ کا دوسرا سفر

۲۵ اگست ۱۹۸۱ء ۲۴ شوال ۱۴۰۲ھ کو لوساکا سے انگلینڈ کے لئے روانگی

ہوئی، یہ انگلستان کا دوسرا سفر تھا، ایرپورٹ جاتے ہوئے حضرت کی گاڑی کے پیچھے

ایک سو پچاس کاربن تھیں، پولیس کی کاریں — اس کے علاوہ لو سا کا سے ہزار وان ہو کر تونس کے ہوائی اڈہ پر ٹھہرنا ہوا (جہاں حضرت کے رفقاء سفر نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی) بخیر وعافیت لندن کے ہوائی اڈہ پہونچا، یہاں سے جہاز کے ذریعہ مانچسٹر (MANCHESTER) جانا تھا، یہاں کے دوستوں نے پچاس سیٹوں والا ایک جہاز پورا چارٹر کر رکھا تھا جس کا کرایہ اٹھارہ سو پونڈ تھا، بخیر وعافیت مانچسٹر پہونچے اور دن کو ۲ بج کر ۲۵ منٹ پر دارالعلوم بولٹن (BOLTON) پہونچ گئے، اور وہ نظام الاوقات جاری کر دیگا، جو ہر جگہ جاری رہا، قرآن شریف کے اختتام و افتتاح اور بیعت کے اجتماعات بھی ہوتے رہے، ۲۹ اگست ۲۸ شوال شنبہ کو چونکہ تعطیل کا دن تھا، اس لئے مجمع تقریباً ۳-۳۴ ہزار کا تھا۔

۳۰ اگست ۲۹ شوال یکشنبہ کو ڈیوڑبری (DUWSBURY) کے مرکز تبلیغ پر جانا تھا، راستہ میں باٹلی (BATLEY) پر کچھ دیر ٹھہرنا ہوا، مسجد میں عورتوں کا مجمع تقریباً ۲ ہزار کا تھا، جو ارد گرد کے حجروں اور نیچے کے حصوں میں جمع تھیں یہ ساری عورتیں بیعت کے لئے آئی تھیں، ۱۱ بج کر ۴۰ پر ڈیوڑبری پہونچے، جہاں مدرسہ کی عمارت زیر تعمیر ہے، یہاں سے غیر ملکوں کے لئے تقریباً ۳۵ جماعتیں نکلیں، اور ان کے مصافحے ہوئے، مجمع تقریباً پانچ ہزار کا تھا، ملک کے کونہ کونہ سے زائرین آئے تھے، ڈیوڑبری سے بلیک برن (BLACBURN) مدرسہ کے تین شہید حضرات کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے تشریف لے گئے، جو گذشتہ سال ایک حادثہ میں شہید ہو گئے تھے۔

۵ ستمبر ۵ رذی قعدہ کو دارالعلوم میں جمعیت علماء برطانیہ کا اجلاس ہوا، جس میں شیخ اپنی علالت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، ۶ ستمبر ۶ رذی قعدہ یکشنبہ کو ۵۲ طلبہ کی

دستار بندی ہوئی، اور بخاری شریف کا اختتام، اور مشکوٰۃ کا افتتاح بھی ہوا، آج جمع  
 بہت زیادہ تھا، پورا مدرسہ اور شامیانے جمع سے بھرے ہوئے تھے، حضرت اسٹیج پر  
 تشریف لائے، کنارے کنارے طلبہ تپائیوں پر اپنی حدیث کی کتابیں لئے بیٹھے تھے، پہلے  
 حدیث مسلسل بالاولیہ ہوئی، جس کی حضرت نے سامعین کو اجازت دی، شیخ الحدیث  
 مولانا اسلام الحق صاحب نے بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھی، اور نئے سال کی  
 بخاری کا افتتاح بھی کیا، اس کے بعد مشکوٰۃ کی جماعت کی باری آئی، تین مدرسین کو  
 شیخ کی طرف سے ٹوپی اور دستار عنایت ہوئی، اس ملک برطانیہ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں  
 نے یہ منظر دیکھا، ۵۲ علماء، قراء و حفاظ تیار ہوئے، اس کے بعد اذان و جماعت  
 شروع ہوئی، آج تقریباً سات ہزار کا مجمع تھا، شدت علالت کی وجہ سے ڈاکٹروں  
 کے مشورے سے چند دن اسپتال میں بھی رہنا پڑا، ۱۴ ستمبر تک اسپتال ہی میں رہنا ہوا۔  
 ۱۶ ستمبر ۱۶ ذی قعدہ کو سعودیہ کا سفر تھا، یہ چونکہ خصوصی کادن تھا، اس لئے  
 مجمع بے انتہا تھا، پورا مدرسہ اور پوری سڑکیں بھری ہوئی تھیں، تقریباً ۶-۷ ہزار کا  
 مجمع تھا، ۱۰ بجکر ۲۵ منٹ پر مائچسٹر ایرپورٹ پہنچے، ۱۲ بجے بحیرہ عافیت لندن  
 کے ہیٹھرو (HEATHROW) ایرپورٹ پر اتارنا ہوا، وہاں سے انٹرنیشنل ایرپورٹ  
 آئے، ۲ بجکر ۴۵ منٹ پر جہاز نے پرواز کی، رفقاء سفر نے جہاز میں احرام باندھا،  
 حضرت نے علالت کی وجہ سے جدہ کی نیت شروع ہی سے کر رکھی تھی، ۸ بجکر ۱۵ منٹ  
 پر بحیرہ عافیت جدہ پہنچنا ہوا۔

# باب ششم

## علامہ کا تسلسلہ وفات حسرت آیات

### طویل علالت اور سفر ہندوستان

حضرت شیخ کی علالت کا سلسلہ جیسا کہ اوپر کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے بہت طویل تھا، اور سالہا سال عمتد رہا، اس میں بار بار ایسے مرحلے آئے کہ اہل تعلق اور صاحبین کو زندگی کی طرف سے سخت خطرہ اور تشویش اور بعض اوقات مایوسی ہونے لگتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کو ابھی ارشاد و تربیت اپنے شاخ اور مربیوں کے علوم و تحقیقات، اشاعت، ان کی علمی و تصنیفی یادگاروں کی حفاظت اور توسیع، تبلیغی جماعت کی نگرانی اور سرپرستی، اور زیر تربیت افراد کی تکمیل کا جو کام لینا تھا اس کے لئے بار بار اس فوری خطرہ اور تشویش کو دور فرماتا رہا، اور اہل تعلق کی آس بندھتی رہی۔

علالت وضعف کی اسی حالت میں ۱۵ محرم ۱۳۰۲ھ (۱۲ نومبر ۱۸۸۶ء) کو حضرت شیخ مدینہ طیبہ سے ہندوستان تشریف لائے اور ۲۰ روز دہلی قیام رہا، مرض کا اشتداد اور وضعف کا شدید غلبہ ہوا، اور صحت بہت نازک مرحلہ پر پہنچ گئی، اہل تعلق اور اہل الرائے کا مشورہ اور اصرار ہوا کہ دہلی میں کسی ایسے اسپتال میں داخل کیا جائے

جہاں پوری ذمہ داری و بہرہ رسی کے ساتھ علاج ہوتا ہو، چنانچہ ہولی فامیلی (HOLY FAMILY) میں داخل کرنے کا مشورہ ہوا، وہاں مکمل طبی معائنے، ضروری ایکسرے اور ہر طرح کے امتحانات ہوئے۔

معاہدین کو کینسر کا شبہ تھا، کئی بار ضعف کی وجہ سے خون چڑھانے کی نوبت آئی، اور متحدہ بارامید وہیم کی حالت پیدا ہوئی، ناچیز راقم سطور مولانا محمد منتظو صاحب اور رفقاء کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں عزیزان محمد ثانی، مولوی معین اللہ، مولوی طاہر وغیرہ تھے، زیارت و عیادت کے لئے دہلی گیا، وہاں شیخ کے شدید ضعف و علالت کی شدت کو دیکھ کر شدت سے قلب میں اس بات کا تقاضہ ہوا کہ کسی طرح حضرت شیخ کو مدینہ طیبہ پہنچایا جائے، مباد کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس پر ہمیشہ فلق و ندامت ہو، اور مخالفین و معاندین کو شامت کا موقع ملے، اس رائے میں مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیت علماء ہند جو برابر حالات کا مطالعہ کر رہے تھے، اور وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے تھے، نہ صرف شریک بلکہ اس رائے اور مشورہ میں ہم لوگوں سے کچھ آگے ہی تھے، بالآخر راقم سطور اور مولانا نے بڑی صفائی اور ایک حد تک جرأت و جسارت کے ساتھ تنظیمین و تیمارداروں کی خدمت میں اپنی رائے پیش کی، حالات کا تقاضہ تھا، کہ ایک دن کی بھی تاخیر نہ کی جائے، لیکن ذمہ داروں اور تیمارداروں نے (جن میں شیخ کے خادم خاص الحاج ابو الحسن پیش پیش تھے) اس سے اتفاق نہیں کیا، اور کہا کہ ابھی تو شیخ کو سہارنپور لے جانا ہے اور وہاں قیام کرانا ہے، جس کی شیخ کو خواہش بھی ہے، اور کئی بار اشارے بھی فرمائے۔ ہم لوگ اس سے زیادہ اصرار نہیں کر سکتے تھے، ان حضرات کے احترام میں تو کلا علی اللہ خاموشی اختیار کی۔

ہوئی فیملی سے شیخ حافظ کرامت اللہ صاحب کی کوٹھی میں، تشریف لائے، جہاں آرام و علاج کی سب سہولتیں تھیں، ۲۷ صفر ۱۴۰۲ھ (۲۶ دسمبر ۱۹۸۱ء) کو سہارنپور تشریف لے گئے، اسی عرصہ میں ہم لوگوں کی دوبارہ حاضری ہوئی، اور دیکھا تو دہلی سے بہتر حالت پائی، لیکن اطمینان اب بھی نہ تھا۔

## مدینہ طیبہ واپسی

آخر اللہ نے ان کی آرزو اور غلصہ کی دعائیں قبول فرمائیں اور شیخ اپنے خدام و رفقاء خاص کے ساتھ ۱۸ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ (۶ جنوری ۱۹۸۲ء) کو براہ کراچی جدہ کے لئے روانہ ہوئے، اور وہاں سے احمد شہر بحیرت مدینہ طیبہ پہنچ گئے، علاج اور علاج کا سلسلہ جاری رہا، خدام کو ہندوستان میں بھی تشویشناک طلاعیں اور کبھی امید افزا خبریں ملتی رہیں۔

## آخری ملاقات

اس عرصہ میں ۲۹ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ جنوری ۱۹۸۲ء کو رابطہ عالم اسلامی کی مجلسی الاعلیٰ المساجد اور المجمع الفقہی کی شرکت کے لئے میں مولوی معین الرحمن صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء کی معیت میں مکہ معظمہ حاضر ہوا، حضرت شیخ حسن انصاری سے مکہ معظمہ ہی میں بھائی سعدی صاحب کے مکان پر فرودکش تھے، اور ہمارا قیام اس سے متصل ہی ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی کے مکان پر تھا، جس کا صرف چند گز کا فاصلہ ہے، حضرت شیخ ہمیشہ کے معمول کے مطابق بڑی بشاشت و شفقت سے پیش آئے،



ضعف بہت تھا، لیکن دماغ اسی طرح بیدار و حاضر تھا، میرے ساتھ ازراہ شفقت جو معاملہ مدینہ طیبہ کے قیام میں فرماتے تھے، اس کا اعادہ فرمایا، بھائی ابوالحسن سے کہا کہ علی میاں کو مدینہ طیبہ میں جو خیرہ کھلاتے تھے، وہ روزانہ دیا کرو، ٹھنڈے پانی کو بھی بار بار پوچھتے، اور ہدایت فرماتے، اس وقت سب سے زیادہ حضرت کے قلب و دماغ پر جو چیز طاری اور حاوی تھی، وہ دارالعلوم دیوبند کا قضیہ تھا، دن میں دو مرتبہ حاضری ہوتی کوئی حاضری ایسی یاد نہیں جس میں دارالعلوم کی کوئی نئی خبر دریافت نہ فرمائی ہو، اور اس کے اختلاف کے بارے میں اپنی دلی تشویش و فکر دنیا کا اظہار نہ فرمایا ہو، میں نے عزیز محمد ثانیؒ کا ایک نیاز نامہ بھی دیا اور عرض کیا کہ جب موقعہ ہو سن لیا جائے، فرمایا نہیں ابھی سنوں گا، غالباً مولوی طلحہ صاحب نے پڑھ کر سنایا، فرمایا اس کا جواب بھی لکھواؤں گا، اس وقت کیا معلوم تھا کہ صرف دو ڈھائی مہینے کے فضل سے خادم و مخدوم اور مرید و مرشد اللہ کے یہاں پہنچ جائیں گے۔

### ایک یادگار تعزیتی مکتوب

فروری کو ہم دونوں کی بمبئی واپسی ہوئی، یہاں ہندوستان پہنچ کر عزیز موصو محمد ثانی مرحوم کا وہ حادثہ جاں گداز پیش آیا، جس نے دل و دماغ کو مجروح، اور اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، عجیب بات ہے کہ ۱۶ فروری کو دن کے ۱۱-۱۲ بجے یہ حادثہ پیش آیا اور اسی دن عصر کی نماز سے پیشتر حضرت شیخ کو مدینہ طیبہ میں ٹیلی فون کے ذریعہ اطلاع مل گئی، حضرت نے اس پر جو تعزیتی مکتوب میرے نام تحریر فرمایا، وہ ایک یادگار تاریخی مکتوب ہے۔

جس سے حضرت کی حاضر دماغی، حافظہ کے صحیح طور پر کام کرنے، اسی کے ساتھ شدتِ تعلق کا پورا اظہار ہوتا ہے، اور اس میں لطیف طریقہ پر اپنے سفر کے قرب کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے، وہ مکتوب یہاں بخیر نقل کیا جاتا ہے۔

”باسمہ سبحانہ“

المخدوم المکرم حضرت الحاج علی میاں صاحب زاد مجدکم  
بعد سلام سنون اکل ۱۶ فروری ۱۹۸۲ء کو ظہر کی نماز کے بعد عزیز سی مولوی  
حبیب اللہ نے حادثہ جاہکامہ کی خبر سنائی کہ ظہر سے پہلے جبکہ میں سو رہا تھا، نوروی صفا  
کا ملازم آیا، اور یہ خبر بتا گیا کہ آج ساڑھے گیارہ بجے دن میں ”محمد ثانی حسنی“ کا انتقال ہو گیا  
انا لله وانا الیہ راجعون، ”اللهم اجرنا فی مصیبتنا و عوضنا خیر امنہا الله ما اخذ وک  
ما اعطی وکل شیء عندہ بمقدار“

ان العین تدمع والقلب یحزن  
ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک  
یا محمد لمحزونون۔  
آنکھ نٹنا کہ ہوتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے  
مگر ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کو راضی  
کرے اور ہم اے محمد تمہاری جدائی پر  
غمرہ ہیں۔

علی میاں!

حضرت امام شافعیؒ کا وہ شہر یاد آ رہا ہے، جو انھوں نے حضرت امام عبدالرحمن بن  
مہدی کو ان کے صاحبزادہ کی تعزیت میں لکھا تھا

الی معزیك لالی علی ثقتہ من الحیاء و لکن سئۃ الدین

میں تم سے تعزیت دین کی بیڑیاں کر رہا ہوں نہ کہ اس یقین پر کہ مجھے زندگی کا بھر دے

فما المجرى بياق بعد ميتة ولا المجرى ولو عاش إلى حين

کیونکہ حقیقت ہے کہ وفات پا جانے والے کے بعد جن سے اس کی تعزیت کی جا رہی  
 نہ وہ باقی رہنے والے ہیں، اور نہ تعزیت کرنے والے ہی کو بقا ہے، اگرچہ ایک مدت تک  
 زندہ رہے۔

علی میاں اجماد شہ جانشاہ کی خبر سن کر دل پر کیا گزری بیان نہیں کر سکتا، ادھر آپ کی  
 پیرائہ سالی اور پے در پے حادثات کا تسلسل اور بھی موجب رنج و قلق ہے، مگر محض رنج و قلق  
 سے نہ تو جانے والے کو فائدہ، نہ رہنے والے کو سکون، میں نے تو خبر سننے ہی اپنے دستور کے  
 موافق دوستوں کو ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی تاکید شروع کر دی کہ میرے یہاں  
 اصل یہی تعزیت ہے، اور اس کے بہت سے واقعات میری ”آپ مٹی“ میں بھی گز چکے ہیں،  
 اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اجر جزیل عطا فرمائے، اور سپاندگان کو خصوصاً آپ کو  
 صبر جمیل۔

اس وقت رہ رہ کر عزیز مرحوم کی خوبیاں اور باتیں یاد آ رہی ہیں، اور آپ کا خیال بھی  
 بار بار آ رہا ہے کہ آپ پر کیا گزر رہی ہوگی۔

قربان جائیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ ہر حرکت و سکون کے اعمال کو بہانے  
 بیان فرما گئے، اور اللہ تعالیٰ نے جزائے خیر سے ان صحابہؓ و محدثین کو جو ان سب چیزوں کو  
 محفوظ فرما گئے، اس وقت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک تعزیتی مکتوب  
 جو حضرت معاذ بن جبلؓ کو لکھوایا تھا، نقل کر رہا ہوں، حضرت معاذؓ کے ایک صاحبزادہ کا  
 انتقال ہو گیا، اس پر آپؐ نے یہ مکتوب مبارک لکھوایا:۔

من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل  
 الشہ کے رسول محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

جبل سلام اللہ علیہ، فالی احمد  
اللہ الذی لا الہ الاہو۔

اما بعد! اعظم اللہ لك الاجر  
وألهمك الصبر، ورزقنا وإياك  
الشكر، ثم ان أنفسنا وأموالنا  
وأهاليها وأولادنا من مواهب الله  
عز وجل الهبة وهوارية  
المستودعة متعة الله به  
فی قبضة وسرور وقبضه بآجر  
کبیر الصلوة والرحمة والهدی  
إن احتسبته۔

کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام، میں  
پہلے اس اللہ کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں  
جس کے سوا کوئی معبود نہیں (بعد ازاں  
دعا کرتا ہوں) اللہ تعالیٰ تم کو اس حد  
کا اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا  
فرمائے اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی  
توفیق دے حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں  
اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال  
یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں  
اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں،  
اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش  
کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور  
جی بہلانے کا موقع دیا، اور اب اس امانت  
کو اٹھایا، اس کا بڑا اجر دینے والا ہے  
اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت  
اور اس کی طرف سے ہدایت کی تم کو بشارت  
ہے اگر تم نے ثواب اور رضاۓ الہی کی  
نیت سے صبر کیا۔

پس اے معاذ ایسا نہ ہو کہ جزع فزع

یا معاذ فاصبر ولا یحیط بجزءك أجرک

قتلہم علی ما فاتک  
 واعلم ان الجزع لا یرد میتا  
 ولا یرفع حزنا، فلیذہب أسفا علی  
 ما هو نازل بک فکان قد  
 والسلام  
 تمہارے اجر کو غارت کرنے اور پھر تمہیں  
 ندامت ہو، اور یقین رکھو کہ جزع  
 فرع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا،  
 اور نہ اس سے دل کا رنج و غم دور ہوتا ہے  
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم نازل ہوتا  
 ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ یقیناً  
 ہو چکا ہے۔

اور یہ حدیث مشہور ہے یہی :-

ما ینزل البلاء المؤمن والمؤمنة  
 فی نفسه وولده ووالہ حتی یلقی  
 اللہ تعالیٰ وماعلیہ خطیئة  
 مومن مرد و عورت برابر جان و مال اور  
 اولاد میں مصیبت سے دوچار ہوتے رہتے  
 ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال  
 میں ملتے ہیں کہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

پھر :-

أشد الناس بلاءاً الأنبياء ثم الأئمة  
 فالأئمة یبتلی الناس علی قدر دينهم  
 فمن شئخ حینہ أشد بلاءاً ومن  
 ضعف دینہ، ضعف بلاءه، وان  
 الرجل یصیبہ البلاء حتی یمشی  
 فی الأرض ماعلیہ خطیئة  
 سب سے زیادہ مصیبتوں سے انبیاء و ائمہ کو دوچار  
 ہونا پڑتا ہے پھر جو ان کے جتنا قریب  
 ہوتا ہے لوگوں کی آزمائش ان کے دین کی  
 مناسبت سے ہوتی ہے جس کا دین مضبوط  
 ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی  
 ہے جس کا دین کمزور ہوتا ہے اس کی

آزائش بھی ملتی ہوتی ہے اور آدمی برابر  
مصیبت میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ زمین پر  
اس طرح چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں  
رہ جاتا ہے۔

یہ بھی آپ کے اور آپ کے اہل خاندان کے حسب حال ہے:-

اپنی بیماری اور معذوری میں یہ مختصر خط لکھوا دیا ہے اسی کو عزیمت کی والدہ، البیہ  
اور بچوں کو بھی پڑھوا دیں اور اپنے دیگر اعزہ کو بھی ہر ایک کو الگ الگ لکھوانا میرے لئے  
اس حال میں بہت مشکل ہے، اخیر میں اس بدوی کے دو شعروں پر ختم کرتا ہوں، جو اس نے  
حضرت عباسؓ کی وفات پر عبداللہ بن عباسؓ کو بطور تعزیت سنائے تھے۔

اصبرنکن بک صابرين فاتما صبر الی عیۃ بعد صبر الی اس  
آپ صبر کیجئے تو ہم بھی آپ کی اتباع میں صبر کریں گے، کیونکہ رعایا اسی وقت صبر کرتی  
ہے، جب بادشاہ صبر سے کام لے۔

خیر من العباس أجمع بعدہ واللہ خیر منک للعباس  
حضرت عباسؓ کے انتقال کے بعد آپ کا اجر زیادہ باعث خیر ہے، اور حضرت عباسؓ  
کے مقابلہ میں آپ کے لئے اللہ زیادہ بہتر ہے۔

عزیز حمزہ اس کی والدہ، عزیز انیم محمد رابع، محمد واضح، مولانا معین اللہ صاحب  
مولوی سعید الرحمن صاحب اور دیگر اعزہ سے سلام مسنون کے بعد مضمون واحد۔

فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم حبیب اللہ مدنی طیبہ، ۶ فروری ۱۹۸۲ء

## علامت کا اشتداد اور زندگی کے آخری ایام

مارچ اپریل اور وسط مئی تک حضرت شیخ کی علامت وصحت وضععت وقوت کے بارے میں اسی طرح کی مختلف و متضاد خبریں آتی رہیں، جیسا کہ ہمیںوں سے معمول تھا، مئی ۱۹۸۲ء کی ابتدائی تاریخوں میں راقم سطور عزیز سید سلمان ندوی سلمہ کے ساتھ سری لنکا کے سفر پر روانہ ہوا، وہاں غالباً ۱۴ یا ۱۵ مئی کو واپسی سے ایک شب پہلے خواب دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف رکھتے ہیں، مجھے دیکھ کر فرمایا کہ علی میاں! تمہیں معلوم نہیں کہ میں اتنا بیمار ہوں، تم دیکھنے نہیں آئے، میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اس کی بالکل خبر نہیں ہوئی، مجھے اس عرصہ میں کوئی خط نہیں ملا۔

میں عرض کیا کہ اس حادثہ کا ہمارے پورے خاندان پر بڑا اثر ہے، خاص طور پر محمد ثانیؒ کی والدہ پر اب دیکھا تو حضرت شیخ وہاں پر موجود نہیں تھے، اس پر وہیں ماتھا ٹھنکا، اور آنے والے واقعہ کا دھڑکا پیدا ہو گیا، میں نے دہلی آتے ہی پوچھا کہ حضرت شیخ کا مزاج کیسا ہے؟ کوئی نارایا اطلاع ملی؟ ہمارے میزبان حافظ کرامت صاحب نے کہا کہ ابھی کل ہی بھائی سعدی کا ٹیلی فون آیا کہ حالت اطمینان بخش نہیں ہے، غشتی کھجی کھجی طاری رہتی ہے، اور معالجین صحت کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں، پھر میری موجودگی میں مکہ کے ٹیلی فون آئے اور معلوم ہوا کہ تشویش قائم ہے، اور صحت میں بہتری پیدا نہیں ہوتی۔

## خبر صاعقہ اثر

۱۸ مئی کو ہم لوگ لکھنؤ واپس آ گئے، ۲۵ مئی ۱۹۸۲ء ۲ شعبان ۱۴۰۲ھ کو دہلی سے

بذریعہ ٹیلی فون اور بریتہ طیبہ سے مولوی سعید الرحمن ندوی کے تار سے جو اس وقت وہاں موجود تھے، حادثہ فاجحہ کی اچانک اطلاع ملی۔

أَيُّهَا النَّفْسُ أَجْمَلِي جِزْعًا إِنَّ الذِّیْ تَعَذَّرِينَ قَدْ وَقَعَا

## آخری ایام و ساعات

اب اس کے بعد کی تفصیلات محب گرامی ڈاکٹر اسماعیل صاحب کے مکتوب سے اخذ کر کے انھیں کے الفاظ میں درج کی جاتی ہیں، وہ حضرت شیخ کے مخلص و محب خادماً اور ہر وقت کے حاضر باش معالج تھے، وہ اپنے اس مکتوب میں جو انھوں نے مخصوص اہل تعلق کو بھیجا ہے، لکھتے ہیں:-

”حضرت اقدس نور الشہر قدہ کی علالت کا سلسلہ تو کئی سال سے چل رہا تھا، ۱۲ مئی چہار شنبہ سے قبل صحت نسبتاً اچھی تھی، کھانا بھی نوش فرماتے تھے گفتگو بھی ٹھیک طرح سے فرماتے تھے، پوچھنے پر مشورہ بھی حسب سابق دیتے تھے، مولانا قاضی عطاء مسلم شریف کی تقریر کا جو علمی کام کر رہے ہیں، وہ روزانہ کا کام بعد عشاء حضرت کو سناتے، حضرت غور سے سنتے، اور ضروری مشورہ بھی دیتے تھے، گویا صحت اچھی تھی، البتہ ضعف بہت تھا جس کی وجہ سے حرم شریف صرف ایک نازکے لئے شریف لے جاتے، شروع میں ظہر کی نمازیں، اور پھر دھوپ میں تیزی ہو جانے کی وجہ سے عشاء کی نمازیں حرم شریف جانے کا معمول تھا۔

چہار شنبہ ۱۲ مئی کو حضرت کو بخار ۱۰۲ ڈگری تک ہو گیا، علاج وغیرہ سے بخار تو اتر گیا، لیکن ضعف میں بہت اضافہ ہو گیا، اور حرم شریف جانا چاہوٹا گیا



استغراق زیادہ رہنے لگا، ۱۴ مئی کو نماز جمعہ حرم شریف کی جماعت کے ساتھ مدرسہ علوم شرعیہ کے صدر دروازہ میں ادا فرمائی، جہاں تک حرم شریف کی صفوں کا اتصال رہتا ہے، بخار کے بعد سے کھانا تقریباً چھوٹ گیا، (مشروبات کا) پینا کسی نہ کسی درجہ میں جاری رہا، جمعہ ۱۴ مئی سے روزانہ صبح و شام گلو کوڑ وغیرہ کی بوتلیں رگ میں دی جاتی رہیں، جن کا سلسلہ وصال کے دن تک جاری رہا دیگر علاج انجکشن وغیرہ بھی دیئے جاتے رہے۔

شنبہ ۱۵ مئی کو آنکھوں میں اور پیشاب میں یرقان محسوس ہوا، خون کا نمائندہ کرایا گیا، جس سے جگر اور گردہ میں مرض معلوم ہوا، اور دونوں اعضا کے عمل میں خلل کا بھی پتہ چلا، یکشنبہ ۱۶ مئی کی شب میں نیم بے ہوشی تھی، دوسرے روز فجر سے مکمل بے ہوشی ہو گئی، اتوار کا سارا دن مکمل بے ہوشی میں گزرا کہ جس کروٹ ٹاپا جاتا اسی پر رہتے، نہ آواز دیتے، نہ حرکت نہ کھانسی وغیرہ نبض اور بلڈ پریشر دیکھ کر اطینان ہونا کہ فوری خطرہ نہیں ہے، علاج وغیرہ مختلف تدبیریں ہوتی رہیں، اتوار کی شام کو بخاری شریف کا ختم کرایا گیا، جو اتوار پیر دو روز میں مکمل ہوا، جس کے بعد صاحبزادہ مولانا طلحہ صاحب نے بہت الحاح کے ساتھ دعا کرائی، مکہ مکرمہ میں شیخ محمد علوی مالکی کے یہاں بھی سیس شریف کا ختم ہوا۔

دوشنبہ ۱۷ مئی کو بے ہوشی تو تھی، لیکن کل جیسی نہیں تھی، بلکہ مہجانی کیفیت تھی، صبح نو "الشرائف" فرماتے رہے، ظہر کے بعد سے "یا کریم یا کریم" یا "او کریم او کریم" فرماتے رہے، کبھی کبھی "یا حلیم یا کریم" بھی فرماتے رہے، یا کریم کی یہ آوازیں اخیر وقت تک وقتاً فوقتاً دیتے رہے، علاج کے سلسلے میں یہ ناکارہ دیگر ڈاکٹروں

سے بھی برابر مشورہ کرنا رہا، بالخصوص ڈاکٹر اشرف صاحب، ڈاکٹر الوب صاحب، ڈاکٹر سلطان صاحب، ڈاکٹر منصور، ڈاکٹر عبدالاحد وغیرہ، خون وغیرہ کے معائنہ کے لئے ڈاکٹر انصرام صاحب بہت تعاون فرماتے رہے، البتہ جگر اور گردہ کا عمل برا ہو کر زور ہوتا گیا، خون، پیشاب کا معائنہ اور علاج و دیکھنا سیر ہوتی رہی، غذا تقریباً بند تھی، رگ میں بوتلوں کے ذریعہ ہی غذا پانی، اور گلوکوز وغیرہ دیا جاتا رہا، ۲۱ مئی کو نماز جمعہ حرم شریف کی جماعت کے ساتھ در شہر علیہ کے صدر دروازہ میں ادا فرمائی۔

اتوار ۲۳ مئی کی صبح تک بظاہر طبیعت کچھ ٹھیک رہی، ۲۳ مئی کو بعد ظہر سوہ تنفس کی تکلیف ہوئی جس کی فوری تدبیر کر لی گئی، مغرب سے آدھ گھنٹہ قبل جب یہ ناکارہ مطب میں تھا، حضرت کے خادم مولوی نجیب اللہ نے ٹیلی فون پر بتلایا کہ حضرت کی طبیعت خراب ہے، چنانچہ میں فوراً حاضر ہوا تو دیکھا کہ سوہ تنفس کی تکلیف بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے حضرت کو بے چینی ہے سانس لینے میں بہت وقت محسوس ہو رہی ہے، بندہ نے معائنہ کر کے ضروری انجکشن لگائے، جس کے چند منٹ کے بعد سکون مل گیا، اور سانس طبعی حالت پر آگئی، عشاء کے بعد بندہ کے گھر جانے تک طبیعت نسبتاً ٹھیک تھی، ۲۴ مئی فجر کے وقت بھی طبیعت نسبتاً ٹھیک تھی، اور حضرت گفتگو بھی تھوڑی تھوڑی فرماتے رہے، البتہ تشویش کی بات یہ پیش آئی کہ کل ظہر کے بعد سے پیشاب بالکل نہیں آیا، صبح ۸ بجے دوبارہ سوہ تنفس کی تکلیف شروع ہوئی، اس کے لئے اور پیشاب کے لئے تدبیریں کی جانے لگیں، جس سے ظہر عصر کے درمیان پیشاب آ گیا

تمفس کے لئے انجکشن آکسیجن وغیرہ لگائے گئے، بار بار بچے دوپہر تک بے چینی رہی، کبھی فرماتے بٹھاؤ، کبھی فرماتے لٹاؤ، کبھی فرماتے دولاؤ، وقتاً فوقتاً ”یا کریم“ ”او کریم“ بھی بلند آواز میں فرماتے رہے، یہ ناکارہ چونکہ مسلسل پاس ہی بیٹھا رہا تو کبھی کبھی اس ناکارہ کا ہاتھ پکڑ کر زور سے دباتے، تقریباً گیارہ بجے جبکہ الحاج ابوالحسن نے تکیہ اونچا کیا تو بندہ کی طرف دیکھ کر فرمایا ”اگر تمنا ہیں“ ابوالحسن نے کہا، ہاں یہ ڈاکٹر اسماعیل ہیں، میں کہ بندہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے یہ آخری گفتگو تھی، جو حضرت نے فرمائی، اس کے بعد ”یا کریم“ ”او کریم“ فرماتے رہے، ظہر تک یہ کیفیت رہی، ظہر کے بعد سے مکمل سکون ہو گیا، جو آخری وقت تک رہا، یہ ناکارہ بار بار نص و بلڈ پریشر وغیرہ دیکھتا رہا، روح پرواز کرنے سے کچھ قبل صاحبزادہ مولانا طلحہ صاحب نے بندہ سے پوچھا کہ کیا یہ آخری وقت ہے؟ بندہ نے اثبات میں سر ہلایا تو انھوں نے بلند آواز سے اللہ اللہ کہنا شروع کر دیا، اسی حال میں حضرت نے دو مرتبہ آخری ہچکیاں لیں جس سے آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں، اور روح پرواز کر گئی، اس وقت ٹھیک ۵ بجکر ۱۰ منٹ ہوئے تھے، یعنی مغرب سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل ”انا لله وانا الیہ راجعون اللہم اجرنا فی مصیبتنا وعوضنا خیراً منها وانا بقربک یا شیعہ لمحزونون“ جس کی ساری عمر اتباع سنت میں گزری، اس کو ”تکوینی طور پر یہ اتباع بھی نصیب ہو گیا کہ دو شنبہ کو عصر مغرب کے درمیان وصال ہوا۔

اس وقت حاضرین کا جو حال تھا، وہ بیان نہیں کیا جاسکتا، وصال کے

وقت پاس موجود ہونے والوں میں صاحبزادہ مولانا محمد طلحہ صاحب،  
 مولانا عاقل صاحب، ان کے صاحبزادہ جعفر، الحاج ابو الحسن، مولوی  
 نجیب اللہ، صوفی اقبال، مولانا یوسف قتالا، حکیم عبدالقدوس، مولوی  
 اسماعیل، مولوی نذیر، ڈاکٹر ایوب، حاجی دلدار اسعد، عبدالقدیر، اور ناکارہ  
 تھے، فوراً ہی تجبیز و تکفین کے انتظامات شروع ہو گئے، ڈاکٹر ایوب کو ہسپتال  
 کا ورقہ لینے کے لئے اسی وقت بھیج دیا گیا تھا، صاحبزادہ محمد طلحہ صاحب،  
 مولانا عاقل صاحب و دیگر متعلقین و خدام کا مشورہ ہوا کہ تدفین عشاء  
 کے بعد ہو یا فجر کے بعد؟ کیونکہ بعض مخصوص احباب و اعزہ کے مکہ مکرمہ سے  
 پہونچنے کی اطلاع تھی، چونکہ ان کی وہاں سے روانگی کا وقت معلوم تھا،  
 جس کے پیش نظر ان کا عشاء تک پہونچ جانا گویا یقینی تھا، اس پر یہ طے  
 ہوا کہ عشاء میں ہی نماز جنازہ ہو جانی چاہئے، اور فجر تک مؤخر نہ کیا جائے  
 اس کا اعلان بھی کر دیا گیا، لیکن اس کا بھی برابر افسوس رہے گا کہ وہ اعزہ  
 جن کی آمد کا ہمیں شدت سے انتظار تھا، وہ راستہ میں گاڑی خراب ہو جانے  
 کی وجہ سے بروقت نہ پہونچ سکے، اور چونکہ عشاء کا اعلان ہو چکا تھا، اس لئے  
 عین وقت پر تہذیبی نہیں ہو سکتی تھی، ہر جگہ ٹیلی فون سے اطلاع کر دی گئی،  
 مغرب کے بعد غسل دیا گیا، جو مولانا عاقل صاحب، اور مولانا یوسف صاحب  
 کی ہدایات اور مشوروں سے دیا گیا، غسل کے وقت خدام کا بڑا مجمع موجود تھا  
 ہر شخص کی خواہش تھی کہ اس مبارک عمل میں شریک ہو، غسل میں شرکت  
 کرنے والوں میں یہ حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں :-

مولانا یوسف مثالا، الحلاج البواکس، مولوی نجیب الشرح حکیم عبدالقدوس  
عزیز جعفر شاہ عطاء المہین ابن مولانا شاہ عطاء الشرح بخاری، صفوی اسلم،  
مولوی صدیق، مولوی احسان، قاضی ابراہیم، محمد المجید وغیرہ۔

ڈاکٹر محمد ایوب جو ورقہ لینے گئے تھے، پورے دو گھنٹے کے بعد آئے اور  
بتلایا کہ ورقہ حاصل کرنے میں کچھ قانونی رکاوٹ ہو رہی ہے اور صاحبزادہ  
مولانا طلحہ صاحب کا جاننا ضروری ہے، چنانچہ مولانا طلحہ صاحب کو بھی ان کے  
ہمراہ بھیجا گیا، قبرستان والوں سے قبر کھودنے کو کہا گیا، تو انھوں نے کہا کہ  
جب تک ہسپتال کا ورقہ نہ آجائے، ہم قبر نہیں کھود سکتے، اس وقت  
عشاء میں صرف پون گھنٹہ باقی تھا، دوبارہ مندرجہ بالا حضرات نے  
مشورہ کیا کہ اب بظاہر عشاء تک قبر تیار ہونا دشوار ہے، لہذا فجر میں جنازہ  
ہو، اس کے فوراً بعد صلیب صاحب تشریف لائے، انھوں نے فرمایا کہ  
میں خود جا کر قبر کی جگہ بتلا کر آیا ہوں، اور قبر کھودنا شروع ہو گیا ہے، تقریباً  
بیس منٹ بعد ہسپتال کا ورقہ بھی آ گیا، اور قبر تیار ہو جانے کی اطلاع بھی  
مل گئی، نیز قبرستان والے مخصوص چارپائی بھی لے آئے، گو یا عشاء کی  
اذان سے پندرہ منٹ قبل جنازہ بالکل تیار تھا، لہذا پہلے مشورہ کے  
مطابق جنازہ باب السلام سے حرم تشریف لے جایا گیا، عشاء کے فرضوں  
کے متصل بعد یہاں کی عام روایت کے مطابق حرم تشریف کے امام  
شیخ عبداللہ راحم نے نماز جنازہ پڑھائی، اور حجت البقیع کی طرف  
باب جبرئیل سے نکل کر چلے، ہجوم بے پناہ تھا، ایسا ہجوم کسی اور کے جنازہ میں

شاہد ہی دیکھا گیا ہو، قبر شریف حضرت کی منشاء کے مطابق اہل بیت کے احاطہ اور حضرت سہارنپوریؒ کی قبر شریف کے قریب کھودی گئی تھی صاحبزادہ مولانا طلحہ اور الحاج ابو الحسن قبر شریف کے اندر آئے اور اس کو بند کیا، اس طرح حضرت اقدس کی دیرینہ تنہا پوری ہوئی۔ ایک خاص بات یہ دیکھی کہ وصال سے ایک روز قبل حضرت والا ہر ایک سے فرداً فرداً دریافت فرماتے رہے کہ تم کیا کام کرتے ہو؟ صوفی اقبال صاحب، الحاج ابو الحسن صاحب، اس ناکارہ سے براہ راست دریافت فرمایا، صاحبزادہ مولانا طلحہ دوسرے کمرے میں تھے تو خادم کو بھیجا کہ طلحہ سے پوچھ کر آ کہ تو کیا کام کرے؟ ہر ایک نے کچھ نہ کچھ پڑھنے، ذکر، تلاوت وغیرہ کا جواب دیا، تو سکوت فرمایا، بندہ سے دریافت فرمایا تو بندہ سے قبل ابو الحسن نے جواب دیا کہ یہ تو ابھی مطب جا کر مریضوں کا علاج کریں گے، تو فرمایا یہ بھی کوئی کام ہے؟ گویا آخری وقت تک بھی اپنے لوگوں کے متعلق فکر تھا کہ کیا کرتے ہیں۔

تدین کے بعد حضرت نور الشہر قدہ کے ایک مجاز نے دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: ”فتح لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃ“ یعنی ان کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے گئے۔

ایک اور صاحب نے دوسرے روز صبح روضہ اقدس پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہوئے محسوس کیا، گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تمہارے شیخ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دی گئی ہے، ایسا انسان لاکھوں کروڑوں

کوئی کوئی ہوتا ہے۔

## ایک مرثیہ کے چند اشعار

اس موقع پر کاندھلہ کے قادر الکلام و خوش گو شاعر بشیر صاحب جذبی کا مذکور  
کے مرثیہ کے چند منتخب اشعار لکھے جاتے ہیں، جو صورت واقعہ کی صیح تصویر اور زخمی  
دلوں کی صیح ترجمانی اور تعبیر ہیں۔

اک جنازہ جا رہا ہے دوش غفلت پر ہوا	پھول برساتی ہے اس پر رحمت پروردگار
غیرت خورشید عالم ہے کفن کا تار تار	ابر گو ہر بار کے اندر ہیں درشا ہوا
نوح نواں ہیں مدرسے اور خانقاہیں سو گوا	آفتاب علم و فتویٰ چھپ گیا زیر مزار
اللہ الشروق و شوق آمد ماہ صیام	مصحف حق کی تلاوت و زوشب و صبح شام
صحیح مسجد میں ہزاروں ذاکروں کا از دھام	وقت افطار و سحر تشنہ لب بادہ بجام
شمع محفل بجھ گئی باقی ہے پروانوں کی خاک	اب نہ تڑپے گی کبھی محفل میں یوانوں کی خاک
عمر بھر کرتا رہا وہ خدمت دین رسولؐ	جان دل میں بھر رہی تھی الفت میں رسولؐ
عشق نے ہو کر فنا پائے مقامات بلند	عشق ہے فونوں جہاں میں کامیاب از چند
اے نوشا قسمت کہ بھرت ہو گئی اس کی قول	تا اب برونگا عاشق زبرد اماں رسولؐ
خوابگاہ عشق ہو گی سبز گنبد کے قریب	یہی منید آئے گی اصحاب محمدؐ کے قریب
حشر تک جب بھی مدینہ میں ہو الہائے گی	اے زلف مصطفیٰؐ اس کی یاد میں آئے گی
در دمندوں کی دوا ہے عشق محبوب خدا	کاش بل جائے مجھے بھی عشق زور مصطفیٰؐ
جان و دل کا نور ہو شمع شبستان رسولؐ	رات دن چھپتے رہیں بسین میں تیر کے بھول

جہڑ شاہ کربلا کی یاد میں روتارہوں      خوں لکاسیل ہوا و غرق میں ہوتا رہوں  
 اے خدا اے دو جہاں اے مالکِ عرشِ عظیم      اے کریم کار ساز اے ربِ کلن و حرم  
 رحم تیرا بے کراں ہے فضل تیرا بے حساب  
 بخش دے جذبی کو کبھی کچھ درد و سوز و اضطراب

### حلیہ اور پسماندگان

شیخ بڑے حسین جمیل تھے، حسن و جمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خصوصی وجاہت بھی عطا فرمائی تھی، رنگ سرخ سپید، چہرہ گلاب کی طرح کھلتا ہوا، جسم گداز فریبی مائل، قد میانہ، جب عربی شلح پہن لیتے، اور عمامہ باندھ لیتے تو ہزاروں میں ممتاز نظر آتے، مجھے یاد ہے کہ میوات کی ایک جلسہ (غائبانہ الب کے جلسہ میں) ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم (سابق صدر جمہوریہ ہند) نے ان کو پہلی مرتبہ دیکھا تو مجھ سے فرمایا کہ ”شیخ بڑے شاندار آدمی ہیں“ آخر میں بیماریوں نے نجات پیدا کر دی تھی، لپچر بھی چہرہ ویسا ہی دکھتا ہوا نظر آتا تھا، اور قلب و دماغ دونوں بیدار۔

حضرت شیخ نے اپنے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ ایک صاحبزادہ مولوی محمد طلحہ صاحب اور پانچ صاحبزادیاں چھوڑیں جن کی ضروری تفصیل یہ ہے:-

اہلیہ محترمہ حضرت مولانا الحاج انعام الحسن صاحب زادہ مجیدہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(ستمبر ۱۹۱۲ء) میں ان کی پیدائش ہوئی حضرت نور اللہ مرقدہ اس وقت حضرت سہارنپوری

لے پسماندگان اور ان صاحبزادگان و دختران کی جن کی حضرت شیخ کی حیات میں وفات ہو گئی تفصیل درج ذیل ہے

مصنف کی درخواست پر حضرت کے نواسے مولانا محمد شاہ جتنا کا تحریر کردہ عجاوینہ صغیر کی تالیف کی جا رہی ہے



نور الشرف قدہ کے ساتھ اپنے پہلے سفر حجاز پر تشریف لے جا چکے تھے، ۳۱ محرم ۱۳۵۴ھ  
(۷ اپریل ۱۹۳۵ء) میں آپ کا نکاح ہوا، مولوی محمد زبیر سلمہ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔  
اہلیہ محترمہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب، ۱۳۴۶ھ میں ان کی ولادت ہوئی،  
۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ (۲۲ اپریل ۱۹۴۶ء) میں موصوفہ کی شادی مولوی سید الرحمن  
ابن مولانا صیف الرحمن صاحب کا ندھلوی سے ہوئی، ۱۹ شوال ۱۳۶۶ھ میں مولوی سید الرحمن  
کا انتقال ہوا، بعد ازاں موصوفہ کا دوسرا نکاح ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ (۸ فروری  
۱۹۵۰ء) چہار شنبہ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے ہوا، کوئی اولاد آپ کے  
نہیں ہے۔

اہلیہ محترمہ مولانا الحاج حکیم محمد ایاس صاحب (فرزند مولانا حکیم محمد ایوب صاحب)  
۹ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ (۹ مارچ ۱۹۳۳ء) میں آپ کی ولادت ہوئی، ۱۹ ربیع الثانی  
۱۳۶۹ھ چہار شنبہ میں آپ کا نکاح بعبارة حضرت مدنی مہر فاطمی پر ہوا، یہ مولوی محمد شاہ  
حافظ محمد راشد، حافظ محمد سہیل اور محمد ساجد سلمہ کی والدہ ہیں۔

مولوی محمد طلحہ صاحب سلمہ آپ زوجہ محترمہ ثانیہ سے دوسرے صاحبزادے ہیں،  
۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ (۲۸ مئی ۱۹۴۱ء) شنبہ کے روز پیدا ہوئے، اولاً قرآن پاک حفظ کیا  
جس کا اختتام ۱۶ رجب ۱۳۷۵ھ میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری  
کی مجلس مبارک میں ہوا، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ (۵ دسمبر ۱۹۵۶ء) میں سہارنپور میں  
فارسی تعلیم کا آغاز ہوا، حکیم شعبان ۱۳۷۶ھ میں فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کی ابتدائی تعلیم  
کے لئے نظام الدین گئے، وہاں مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے ۱۳۸۱ھ میں واپس  
سہارنپور آئے اور جامعہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر شرح جامی، ہدایہ اولین، نقاشا حریری

وغیرہ پڑھیں، دورۂ حدیث آپ نے ۱۳۸۳ھ میں مدرسہ کاشف العلوم میں پڑھا، بخاری شریف آپ نے حضرت مولانا انعام احسن صاحبے اور طحاوی حضرت مولانا محمد یوسف صاحبے ترمذی و مسلم مولانا عبید اللہ صاحبے ابوداؤد شریف مولانا انظہار احسن صاحبے پڑھی ہے۔

دینی تعلیم سے فراغت پا کر حضرت رائے پوری سے بیعت ہوئے اور پھر اپنے والد ماجد محمد ام کل کی سرپرستی میں رہ کر ذکر و شغل میں متعدی کے ساتھ مصروف ہوئے، ماہ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اجازت بیعت مرحمت فرمائی، حضرت نور اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد شوال ۱۴۰۲ھ میں ان کی جگہ مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے۔

اہلیہ محترمہ مولانا محمد عاقل (ابن مولانا حکیم محمد ایوب حصا) یہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی دوسری اہلیہ محترمہ کے بطن سے پہلی صاحبزادی ہیں۔ ۶ رمضان ۱۳۶۶ھ (۲۵ جولائی ۱۳۴۷ء) میں پیدا ہوئیں، ۸ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ (۹ ستمبر ۱۳۶۲ء) میں آپ کا نکاح ہوا، حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی شرکت کے خیال سے اس نکاح کی مجلس رائے پور میں منعقد ہوئی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے مہر فاطمی پر نکاح پڑھایا، حافظ محمد جعفر سلمہ، حافظ محمد عمیر، محمد عادل، محمد عاصم سلمہ کی آپ والدین۔ اہلیہ محترمہ مولانا محمد سلمان صاحب (ابن مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب) ۲۹ صفر ۱۳۷۷ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، ۲۱ رذی قعدہ ۱۳۸۶ھ (۱۳ فروری ۱۳۶۷ء) میں بعبارة حضرت مولانا انعام احسن صاحب مہر فاطمی پر آپ کا نکاح ہوا، حافظ محمد عثمان حافظ محمد نعمان سلمہ آپ کی اولاد ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سب دانا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ہجرت مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا حکیم محمد الیاس صاحب، مولانا محمد عاقل صاحب، مولانا محمد سلمان صاحب، حیدر عالم، صاحب درس و افادہ، اور صاحب تصنیف ہیں مولانا محمد یوسف صاحب، اور مولانا انعام الحسن صاحب کے متعلق تو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اول الذکر کی مساعی جمیلہ اور کمالات و ہیبتیہ عالم آشکارا ہیں، اور آپ کے تذکرہ میں ایک پوری ضخیم کتاب "سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی" (تالیف مولوی سید محمد ثانی حسنی مرحوم) موجود ہے، اور ثانی الذکر (بارک اللہ فی حیاتہ و مساعیہ) کی ذات جماعت تبلیغ کی امیر اور اس کی عالمی تحریک و جدوجہد کی سرپرست و نگراں ہے۔

مولانا محمد الیاس صاحب مظاہر العلوم کے ممتاز فضلاء میں ہیں، شعبان ۱۳۱۷ھ میں فراغت پائی، بخاری شریف آپ نے حضرت شیخ سے پڑھی، اور ایک علمی و دینی ادوار کتب خانہ اشاعت العلوم کے نام سے قائم کیا، جس کے ذریعہ بہت سی دینی کتابیں اور حضرت شیخ کی متعدد نادر تصنیفات منظر عام پر آئیں، شیخ کی مشہور و معروف تصنیفات "لامع الدراری"، "وجز المسالک"، اور "الکوکب الدرری" وغیرہ کے اولین ایڈیشن آپ کے ہی توسط سے دہلی سے شائع ہوئے۔

آپ کے دوسرے خویش مولانا محمد عاقل صاحب نے ۱۳۳۸ھ میں مظاہر العلوم سے فراغت حاصل کی، بخاری شریف حضرت شیخ سے پڑھی، ذہانت و فطانت اور بلند پایہ علمی استعداد کے مالک ہیں، ۱۳۸۱ھ میں مظاہر العلوم کے استاد منتخب ہوئے، ۱۳۸۷ھ میں دورہ حدیث کے استاد بن کر پہلی مرتبہ الوداد و شریف

پڑھائی، اس وقت سے ابوداؤد کا درس آپ ہی سے متعلق ہے، شیخ کی جانب سے آپ کو اجازت بیعت بھی ہے، آپ شیخ کے تصنیفی و تالیفی سلسلہ میں معاون رہے ہیں، انکو کب الدری علی جامع الرندی پر آپ کا ایک طویل مقدمہ ہے، جو ۱۳۹۲ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

مولانا محمد سلمان صاحب نے ۱۳۸۶ھ میں دورہ حدیث پڑھا، درس بخاری میں شیخ کے یہاں اکثر و بیشتر آپ ہی قراوت کرتے تھے، شوال ۱۳۸۷ھ میں تدریس کا آغاز کیا، ۱۳۹۶ھ میں اساتذہ حدیث کے سلک میں منسلک ہوئے، مشکوٰۃ شریف کا درس آپ ہی سے متعلق ہے، شیخ کی عربی تصنیفات و تالیفات کی تکمیل و ترتیب میں مولانا محمد عاقل صاحب اور مولانا محمد سلمان صاحب رفیق و شریک رہے، رمضان میں شیخ کی مجلس اعتکاف میں قرآن مجید سنانے کی ذمہ داری آپ نے بڑی مستعدی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دی۔

حضرت شیخ کے سب نواسے بھی جو سن بلوغ کو پہنچ چکے ہیں، اور تکمیل علوم کر چکے ہیں، ماشاء اللہ عالم و فاضل اور علمی و دینی خدمت میں مشغول و منہمک ہیں، ان میں آپ کے نواسے اور مولانا حکیم محمد الیاس صاحب کے صاحبزادہ مولانا محمد شاہ صاحب مظاہری ممتاز ہیں، وہ جید عالم، رواں قلم مصنف اور علمی و تحقیقی ذوق رکھنے والے نوجوان فاضل ہیں، ”کتوبات علمیہ“ اور ”علمائے مظاہر علوم اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات“ اور ”تایخ مظاہر العلوم“ (جلد دوم) وغیرہ ان کے تصنیفی ذوق اور قلم کی روانی کے شاہد ہیں، حضرت شیخ کی ان پر خاص شفقت تھی، اور انھیں کی توجہ اور محنت شیخ کے کئی قلمی مسودات اور خطوط کے مجموعے منظر عام پر آئے۔

آپ کے دوسرے نواسے مولوی محمد زبیر صاحب ابن مولانا انعام الحسن صاحب بھی مظاہر العلوم کے فاضل ہیں، تکمیل کے بعد حضرت شیخ کے زیر ہدایت و تربیت ذکر و شغل میں مصروف ہوئے، اور شیخ نے ان کو مدینہ منورہ میں اجازت بھی مرحمت فرمائی، وہ اپنے والد ماجد کے زیر سایہ مرکز تبلیغ نظام الدین میں دعوت و تبلیغ اور وہاں کے مدرسہ کاشف العلوم میں درس و تدریس میں مصروف ہیں، بارک اللہ فی حیاتہ۔

دوسرے نور دسال نواسے حفظ قرآن کی سعادت سے بہرہ ور، اور تحصیل تکمیل علم میں مشغول ہیں، جن میں حافظ محمد جعفر سلمہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو حضرت شیخ کے آخری سفر حجاز میں ہم کاب اور مدینہ منورہ کے آخری قیام میں حاضر باش رہے، بارک اللہ فی حیاتہم۔

حضرت کی حیات میں آپ کی جو اولاد ذخیرہ آخرت بنی وہ یہ ہے۔  
 صاحبزادی زکیہ مرحومہ۔ یہ ۱۳۳۷ھ (۵ مئی ۱۹۱۹ء) شب دوشنبہ میں تولد ہوئیں، یہ حضرت نور اللہ مرقدہ کی سب سے پہلی صاحبزادی تھیں، ۳ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ (۷ اپریل ۱۹۳۵ء) میں مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ان کا نکاح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ ہوا، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ (۳ جون ۱۹۳۹ء) کو بعد عصر رخصتی ہوئی، طویل عرصہ تک تپ دق میں مبتلا رہ کر ۲۹ شوال ۱۳۶۶ھ (۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء) بروز دو شنبہ مغرب کی نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں انتقال ہوا، مولانا محمد ہارون صاحب مرحوم آپ ہی کے بطن سے تھے۔

محمد موسیٰ۔ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی تقریباً سات آٹھ ماہ

حیات رہ کر ۹ ربیع الثانی ۱۲۴۴ھ میں انتقال ہوا۔

صاحبزادی شاکرہ مرحومہ۔ یہ حضرت کی تیسری صاحبزادی تھیں، ماہ صفر ۱۲۴۵ھ میں پیدا ہوئیں، اپنے ایک خاندانی عزیز مولوی احسن کاندھلوی سے ۱۹ جمادی الاول ۱۲۶۵ھ (۲۲ مارچ ۱۲۶۶ء) یومِ دو شنبہ میں نکاح ہوا، حضرت بدنی فوراً شرمقدہ نے مہر فاطمی پر نکاح پڑھایا، ۱۴ رجب ۱۲۶۹ھ (یکم مئی ۱۹۵۰ء) دو شنبہ میں وفات ہوئی، حادثہ انتقال کی کیفیت حضرت شیخ اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”اتفاق سے مولانا یوسف صاحب سہارنپور آئے ہوئے تھے، میں بھی ان کے ساتھ گھر میں گیا تو مرحومہ نے بیس شریف پڑھنے کی فرمائش کی، مولانا یوسف صاحب نے پڑھی اور جب سلام ”فَلَاحٌ رَبِّیْ بِہِمْ“ پر پہنچے تو نہ معلوم مولانا یوسف صاحب مرحوم پر ایک جذبہ اور جوش آیا اور اس آیت شریفہ کو تین دفعہ پڑھا، تیسری کے درمیان میں میری مرحومہ بھی کی روح پرواز کر گئی؟

عہد ہارون۔ رجب ۱۳۴۹ھ میں ان کی ولادت ہوئی، مختصر سی عمر میں انتقال ہو گیا تھا۔

خالدہ مرحومہ۔ ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۵۰ھ میں تولد ہوئیں، بچپن میں ہی انتقال ہو گیا۔  
محیر کئی۔ ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ میں پیدا ہوئے اور کچھ عرصہ بعد وفات پائی۔  
صفیہ۔ یہ پہلی زوجہ مرحومہ سے آنحوی اولاد ہے ان کی ولادت ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ میں ہوئی، ایک سال بعد ۲۱ محرم ۱۳۵۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

عبد اکملیہ دوسری اہلیہ محترمہ سے پہلے صاحبزادے ہیں، ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے، تقریباً ایک ماہ حیات رہ کر ۱۲ جمادی الاولیٰ میں وفات ہوئی،

حضرت شیخ نور الشمر قدہ اپنے مشاغل عالیہ کی وجہ سے نہ خبر ولادت پر پہنچ سکے اور نہ خبر وفات پر۔

حضرت کی ایک ہی ہمشیرہ تھیں جن کا نام عائشہ خاتون تھا، ان کی شادی ۹ صفر ۱۳۶۷ھ (۱۴ نومبر ۱۹۱۸ء) میں جناب اماموں شعیب صاحبؒ ہوئی تھی، ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ (۲۵ دسمبر ۱۹۴۸ء) میں کاندھل میں ان کا انتقال ہوا، عمر تقریباً چالیس سال ہوئی، ان سے ایک لڑکی یادگار ہیں، جو مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب کی اہلیہ محترمہ (یعنی والدہ مولوی محمد سلمان و والدہ مولوی محمد خالد سلہما) ہیں۔

### مولوی محمد طلحہ صاحب

صاحبزادہ عزیز گرامی قدر مولوی محمد طلحہ شیخ کی زندگی ہی میں حافظہ و عالم، ذاکر، شاعر، اور صاحب اجازت ہو گئے، ان پر شروع سے حضرت مولانا عبد انقادر صاحب رائے پوریؒ کی خاص نگاہ شفقت تھی، اور بعض اوقات حضرت نے ان کی خاطر اپنے سفر کا پروگرام ملتوی فرمادیا، اور فرمایا کہ ”طلحہ نے مجھے روک لیا“ ویسے بھی تمام معاصر بزرگوار و شیخ کے یہاں آنے جانے والے صلحاء، علماء کی ان پر نظر خاص رہی، اللہ تعالیٰ نے ان کو انتظامی صلاحیت، توازن و اعتدال تواضع اور خدمت کا جذبہ اور اصابت رائے کا جوہر عطا فرمایا، جو ان کی پوری میراث بھی ہے، حضرت شیخ کے سہارنپور میں رمضان گزارنے کے آخر میں وہی بڑے محرک تھے شیخ سے تعلق رکھنے والوں اور جن سے شیخ کو تعلق تھا، کے مراتب وہ دوسروں سے زیادہ پہچانتے ہیں، اور اسی کے مطابق ان سے معاملہ کرتے ہیں، شیخ نے ان کی خصوصی تربیت فرمائی، اور امکانی حد تک ان کے امید صاحبزادگی اور خدمت کی

نہیں پیدا ہونے دی، اسی لئے ان کے دوروں اور شیخ کے اہل تعلق میں جانے کو ہمیشہ ناپسند کرتے رہے اور وہ خود بھی اس سے محترز رہے، شیخ کے آخری زمانہ قیام مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے مع والدہ صاحبہ کے ان کو حضرت شیخ کے پاس پہنچا دیا، اور ان کو خدمت کا پورا موقعہ دیا، شیخ کی وفات پر انھوں نے اسی صبر و تحمل اور وقار و سکینت کا مظاہرہ کیا، اور دوسروں کے لئے باعث تقویت و تسلی بنے، جیسے خود حضرت شیخ اپنی زندگی میں تعزیت کرنے والوں کے لئے بن جاتے تھے، اٹال اللہ حیاتہ و نفع بہ المسلمین؟





# باب نہم

## خداداد کمالات، یگانہ مزاجی و طبعی خصوصیات

### چند اہم خصوصیات و کمالات

کسی ایسی ہستی کی خصوصیات اور کمالات کو کلفنا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اجتنابی معاملہ ہوا اور جس کو مدارج عالیہ سے نوازا گیا ہو، نہ صرف دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن ہے کہ روحانی کمالات، باطنی کیفیات، اور عباد و معبود کے معاملات کا صحیح علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔ ع

کرنا کا تبیین راہم خبر نیست

لیکن جو نمایاں پہلو کوتاہ نظروں اور کم نگاہوں کو بھی نظر آجاتے ہیں، ان کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں، نہایت اختصار کے ساتھ یہ سطرین قلم بند کی جا رہی ہیں۔

علوئے استعداد، و علوئے ہمت

شیخ کی سب سے زیادہ نمایاں صفت، اور اقران و معاصرین میں ان کا امتیاز، وہ عالی جوہر، بلند استعداد، اور بلند ہمت ہے، جو ان کے حصہ میں آئی، ان کی اس علوئے استعداد کی شہادت بڑے بڑے اہل نظر نے دی ہے، اور اس کے بغیر یہ ترقیات اور کمالات

جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرہ مندر کیا ہے، ممکن نہیں، حضرت مولانا عبد القادر صاحب راعی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار حضرت شیخؒ اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ”ہماری جہاں انتہا ہوتی ہے، وہاں سے تم لوگوں کی ابتدا ہوتی ہے“ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ ان چچا بھتیجہ (مولانا محمد ایاس صاحب اور شیخ الحدیث) کی بات ہی الگ ہے“ ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت گنگوہی کی نسبت شیخ الحدیث کی طرف منتقل ہوئی، مولانا محمد ایاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے ساتھ اپنے ایک خورد اور فرزند کا سامانہ جتنا فرماتے، اس سے زیادہ ایک بزرگ اور بلند مرتبت شیخ کا سامانہ فرماتے، اس کا کچھ اندازہ اس خط سے ہوگا جو خوش قسمتی سے راقم سطور کے پاس محفوظ ہے، اور خلاص معمول مولانا جی کے قلم سے لکھا ہوا ہے:-

”اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اپنے ساتھ آپ کا حق ظن خوش قسمتی اور عند اللہ بڑی امیدوں کا باعث جانتا ہوں، اللہ تعالیٰ شانہ، خوش رکھیں اور اپنے ساتھ صافی و صادق، یکسوئی و طمانیت کے ساتھ نسبت محمدیہ رضیہ روزی فرمائیں، اللہ تعالیٰ دل خواہاں تھا کہ رمضان مبارک میں تمہارے قریب حلاوت اندوز ہوتا، مگر تمہیں اپنی دل چسپی جس طرح امول ہو اس کی پابندی مناسب، تم جیسے عالی ہمت کے لئے اہل و عیال کا روڑا ہو جانا تو قلب قبول نہیں کرتا، مگر انشاء اللہ مناسب وہی ہوگا، جس طرف طبیعت مائل ہو، اسباب ظاہری کچھ ہی ہوں۔

رمضان مبارک میں بندہ بھی دعوات کا خواہاں ہے، بھولیں نہیں، بندہ کے لئے تمہاری ذات انشاء اللہ سرمایہ دارین ہے، تو دوا دل و جان سے مکملی ضروری ہے مگر افسوس خدا جانے دل و جان کس غاشیہ میں ہیں کچھ پتہ نہیں، اللہ اعلم، اللہ اعلم

گھر میں سب کو دعوات۔

عزیزی حکیم ایوب کو سلام کے بعد فرمادیں کہ بہت رکھیں غفلت نہ کریں آپ اپنا روز و مشغلہ رمضانہ تحریر فرمائیں، فقط والسلام۔ بندہ محمد الیاس عفی عنہ۔

۱۲ فروری ۱۹۶۹ء (۱۰ ذی الحجہ ۱۴۰۹ء)

بلند ہمتی و عالی حوصلگی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد شیخ کی زندگی کا سارا محور گھومتا ہے، ان کے خمیر میں علوئے ہمت اور فراخی موصولہ کا جو ہر تھا، علم و تصنیف کا میدان ہو یا عبادت و قرب الہی کا، خدمت و مہمان داری کا، ہویا زہد و توکل کا، ہر جگہ ان کی بلند ہمتی کے جوہر عیاں تھے، مال و دولت کو انھوں نے کبھی قابل توجہ اور قابل التفات نہیں سمجھا، بیش قرار تنخواہوں، اور زرین موقعوں کے ٹھکرا دینے کے متعدد واقعات گزر چکے ہیں، جیجھانہ کی ایک بڑی آبائی جائیداد سے جو ٹھوڑی سی کوشش سے حاصل ہو سکتی تھی، یہ کہہ کر صرف نظر کر لیا، اور ہمیشہ کے لئے اس کا خیال بھی دل سے نکال دیا کہ میرے پاس اس کے حصول کی کوشش کے لئے نہ وقت ہے نہ موقع، اس عالی ہمتی کا کرشمہ ہے کہ اپنے خاص عزیزوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے بے تکلف قرض لے لیتے تھے، مولانا محمد یوسف صاحب کے اس جج کے موقعہ پر جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات کے بعد مع اہل و عیال و اعزہ ہونے والا تھا، چالیس ہزار کی رقم قرض لے کر یہاں فرمادی، اس کا نتیجہ ہے کہ کبھی بھی ساتھ ہزار

۱۔ حضرت شیخ کا یہ حال صرف مولانا محمد یوسف صاحب جیسے قریب زین عزیز و محبوب بھائی کے ساتھ ہی نہ تھا، ان کی حالی و صلی اور بلند نظری دوسرے نیاز مندوں کے ساتھ بھی تھی میرے بیرونی اسفار خاص طور پر حجاز کے سفر کے بارے میں بعض اوقات کارڈ میں پٹیاؤں میں ایک مرتبہ ایسے ہی قصہ پیش آیا تو حضرت شیخ نے مجھے حجاز سے لکھا کہ:

”میں پیش کش تو کر ہی دوں کہ آپ کے ارادہ کے لئے کسی امیر الامراء، یا کمال الملوک کی مدد کی

تک قرض کی مقدار پہنچ گئی لیکن الشرفا لے برابر اس بار کو ہلکا کرنا رہتا ہے اور غریب سامان پیدا فرما رہتا ہے۔

اس علوئے ہمت و ایثار کا ایک حیرت انگیز واقعہ جو اس زمانہ کے محاط سے ناقابل قیاس اور بہت سے لوگوں کے لئے ناقابل یقین ہوگا، یہ ہے ایک ایسے بزرگ عالم کے انتقال پر جن کے ساتھ مل کر شیخ نے بہت عرصہ کام کیا تھا، اور جن سے کچھ طمہ کا رشتہ بھی تھا، جب ان کے ترک کی تقسیم اور قرض کے تصفیہ کے لئے ان کے ورثہ اور اہل تعلق جمع ہوئے، تو ورثہ نے قرض کی ادائیگی کا ذمہ لینے سے جو غالباً پانچ ہزار کی مقدار میں تھا، صاف معذرت کر دی، شیخ نے بے تکلف اس قرض کو اپنے ذمہ لے لیا، اور ادا فرمایا۔

بہانوں کی کثرت، مصارف کی زیادتی، آنے جانے والوں کے ہجوم، افکار و تہذیب میں روز افزوں ترقی، پے درپے جانکاح حادثات، اور جان سے زیادہ عزیزوں اور بزرگوں کی وفات کے داغ کے داغ، خاص طور پر شفیق چچا مولانا محمد ایاس صاحب اور محبوب و باعث فخر بھائی و داماد مولانا محمد یوسف صاحب کی اچانک رحلت، وہ صدمے ہیں جن کا برداشت کر لے جانا، اور اس سب کے باوجود زندگی کے معمولات، طبیعت کی شگفتگی، اور بہانوں کے حقوق کی ادائیگی میں فرق نہ آنے دنیا، غیر معمولی استعداد اور ہمت خدا داد کے بغیر ممکن نہیں۔

شیخ کا زہد و توکل بھی اسی علوئے ہمت کا ایک کرشمہ تھا، انھوں نے اسبابِ نیا کی

(باقی صفحہ ۱۹۷)

شرط نہ ہو تو ایک دو مہینے کے لئے ایک فقیر دعوت پیش کرتا ہے، اگر قبول ہو جائے تو

رہی نہیں، اور یہ آپ کو خوب معلوم ہوگا، انشاء اللہ رسوم اور ظاہر داری سے

کم از کم میں اپنے آپ کو بالاتر سمجھتا ہوں، (مکتوب، مئی ۱۹۷۰ء، ریحہ اشانی رحمہ اللہ)

فراہمی کی طرف کبھی از خود توجہ نہیں فرمائی، کرایہ کے اس مکان میں رہنا شروع کیا جس کے متعلق مشہور تھا کہ یہاں کا کلین زندہ نہیں رہتا، چنانچہ پے در پے دو تین موتیں ہوئیں، پہلے والد صاحب، پھر والدہ، پھر چھوٹے بھائی نے قضا کی، لیکن شیخ نے اس مکان سے جتنش نہ کی، کبھی اس کو خریدنے کا خیال نہ تھا، لیکن اسباب غیبیہ ایسے پیدا ہوتے چلے گئے کہ مکان خریدنا پڑا، اگر نیم خام، نیم پختہ تھا، باہر روانہ میں بیٹھنے کے لئے، اور زنا خانہ میں رہنے کے لئے بہت کم گنجائش تھی، بہت سے مخلصین نے توسیع کی طرف متوجہ کیا، اور مشورہ دیا کہ مکان میں اضافہ اور مرمت کرا دی جائے، عمر کے بے تباہی کا حوالہ دے کر ہمیشہ معذرت کی، باہر کے جس کمرے میں قیام تھا، اس کی چھت کہنہ اور شکستہ تھی، عرصہ تک ایک ستون کے ذریعہ اس کو روکا گیا، بالآخر ان کے منظم کاروباری بصیر الدین صاحب نے ان کے لئے پورے قیام سے ایک مرتبہ فائدہ اٹھایا، حضرت رائے پوری کو لکھدیا کہ میں مکان میں کام لگا رہا ہوں آپ شیخ کو ایک ہفتہ کے لئے مزید روک لیجئے، حضرت نے بہانوں سے روک لیا، اور کمرہ کو پختہ کرا دیا گیا، ایک پختہ چھتہ بھی بارش سے حفاظت اور آرائش کے لئے بنا دیا گیا، شیخ واپس آئے تو اس چھتہ کی تعمیر پر بہت ناراض ہوئے، اور اس کو بد فضول اور اسراف قرار دے کر خود توڑ ڈالا، اور اس کی جگہ وہی پرانا ٹین کا سا ٹین لگا دیا گیا، جب بہانوں کی کسی طرح سے گنجائش نہ رہی، تو اس کمرہ کے بالمقابل خدام نے ایک مسقف حصہ بنا دیا جس میں عام طور پر دوپہر کا کھانا ہوتا تھا۔ اپنے لباس اور اسباب خانہ داری کے بالے میں اور تمام ذاتی معاملات میں اسی قناعت، زہد و توکل بے اعتنائی اور وارستہ مزاجی سے کام لیتے تھے، اور تلاش کرنے والے کو کہیں کوئی سامان تجل یا اہتمام نظر نہیں آتا تھا۔

## جامعیت

اللہ تعالیٰ نے شیخ کے ذات و مزاج کو عجیب و غریب جامعیت عطا فرمائی  
تھی جس نے بارہا پند و انش و شیشہ و آہن کو جمع کر کے دکھایا، طبیکیسیوئی اور فطری  
خلوت پسندی کے ساتھ مختلف النوع مہمانوں کے حقوق ضیافت کی ادائیگی اور ان کا  
اکرام و اہتمام، علم و عمل کے تقاضوں کو باہم جمع کرنا نہ صرف مختلف المذاق بلکہ مقابل  
مسکلوں اور مختلف تحریکات اور مشاغل کے حاملین سے بیک وقت عقیدت و محبت  
اعتراف و اقرار، حمایت و دفاع کا تعلق رکھنا، اور ان سب کا بیک وقت معتدلیہ ہونا  
ایک ایسی خصوصیت ہے جس میں بہت کم لوگ شیخ کے شریک و ہم ہوں گے، کانگریس  
اور لیگ کے شدید اختلاف اور تھکان بھون اور دیوبند کے بعد کے دور میں بھی وہ  
دونوں جگہ وقیع محترم اور محبوب رہے، اور ان کی ذات ان تمام تنازعات اور کشاکشوں  
سے الگ تھلگ رہی، حضرت رائے پوری اور ان کے خدام کی جماعت احرار اور اس کے  
سرگروہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم، اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم  
اسی طرح ان کے گھر کو اپنا گھر اور ان کی ذات کو اپنا خیر خواہ، دعا گو اور مخلص سمجھتے رہے  
جیسا کہ مولانا عاشق الہی صاحب برٹھی اور حضرت تھانوی کے خلفاء و مریدین۔  
حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ ان کو خصوصی تعلق و محبت  
اور اسی کے ساتھ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے ساتھ ان کی  
جو عقیدت و عظمت اس پورے دور اختلاف میں رہی، وہ کسی جاننے والے سے پوشیدہ نہیں  
ان کی تصنیف "الاعتدال فی مراتب الرجال" ان کے اس ذوق اس جامعیت اور

اس توسط واعتدال کا آئینہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازنا تھا، اور جن نے بارہا ان دینی گروہوں میں جو سب کے سب ایک ہی مرکز و ایک ہی مسلک سے وابستہ تھے، وصل و اتحاد کا بہت کام انجام دیا ہے اس کا نتیجہ ہے کہ مختلف مذاق کے لوگ اور مختلف شاخ سے تعلق رکھنے والے اپنی علمی و عملی مشکلات کی الجھنوں کے موقعوں پر شیخ کی طرف رجوع کرتے، اور ان کو اطمینان بخش اور فیصلہ کن جواب ملتا۔

### سوز و گداز و محبت اور خود انکاری و تواضع

شیخ کے علم تصنیفی انہماک، وقار و سکینت اور ضبط و تحمل کے فانوس میں عشق و محبت کا ایک ایسا شعلہ تھا، جو جاننے والوں کی نگاہوں سے ستور نہیں، ان کا خمیر عشق و محبت کے اس جوہر کے ساتھ گوندھا گیا تھا، اور وہ شاید ان کے خمیر کے تمام اجزاء و عناصر سے زیادہ مقدار میں تھا، ان کا حال وہ تھا، جو سودا نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے۔

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا

کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

عشق و محبت کے اس جوہر کا اندازہ اس وقت ہوتا، اور اس کے شرابے اسی وقت نظر آتے، جب عشق الہی، ذات رسالت پناہی، اور واصلانِ بارگاہِ الہی کا تذکرہ ہوتا، قلم سلا نے اپنے پہلے سفر حجاز کے موقع پر مدینہ طیبہ سے ایک خط لکھا، جس میں مدینہ کے راستہ کی کیفیت، اور بعض نعتیہ اشعار تھے، جب یہ خط پہونچا تو شیخ کی عجب کیفیت تھی، جو لوگ پاس موجود تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک عزیز خادم سے جو خوش الحان بھی تھے، ان اشعار کو ترنم

لے مولوی عبد المنان صاحب دہلوی مرحوم مراد ہیں۔

کے ساتھ پڑھنے کی فرمائش ہوئی، گرمی کا زمانہ تھا، رمضان کے ایام تھے، اعتکاف کا موقع تھا، اس وقت کچھ لوگ شیخ کا بدن دبا رہے تھے، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس وقت ان صاحب نے یہ اشعار پڑھے اس وقت شیخ فرط شوق، اور شدت جوش میں باشت باشت بھر اہل جاتے، جو لوگ بدن دبا رہے تھے، ان کو محسوس ہو رہا تھا کہ شیخ کے جسم میں ایک بجلی سی پیدا ہو گئی ہے، اور وہ اپنی کیفیت کو کسی طرح چھپا نہیں سکتے، راقم سطور نے خود بار بار دیکھا کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اویساؒ کے حالات اپنے ایک سودہ لئے حضرت رائے پوریؒ کو سنارہا ہے، شیخ پاس کی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے، ان پر گریہ کا اتنا غلبہ ہوا کہ چارپائی ہلنے لگی، مولانا محمد یوسف صاحب کی محبت میں جوج ہوا، اسی سے واپسی کے موقع پر اس طرح بلک بلک کر رونے لگے جیسے بچہ اپنی ماں کی گود سے علیحدہ کیا جائے تو وہ بے قرار ہو کر روتا اور بلکتا ہے۔

اس سرزمین مقدس اور دیا ر حبیب سے ان کی روح اور قلب کو جو تعلق اور وابستگی ہے اور اس کے چھوٹنے پر ان کے دل پر جو کچھ گزر رہی تھی، اس کا کچھ اندازہ ان سطور سے ہوگا جو ان کے ایک مخلص خادم نے ان سطور کے راقم کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھی تھیں:-

”طاقت سے واپسی پر عمرہ کے (حجرا سے احرام باندھا تھا) دوسرے روز قبۃ  
رواگی ہو گئی، حدود حرم کے ختم پر جو کنواں ہے وہاں مغرب کا وقت ہوا، نماز کے بعد  
سوار ہونے کے وقت حضرت پر گریہ طاری ہوا، پھر حدہ پہنچ کر محمد علی خاں صاحب  
کے مکان پر رات قیام تھا، ساری رات عجب بے صبری میں گزری، حضرت کی خدمت  
میں صرف محترمی ابوالحسن صاحب اور بندہ موجود تھے، اور باقی خدام و حضرات



حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دوسرے کمروں میں تھے، حضرت بار بار اٹھ کر بیٹھتے اور ہم لوگ بھی اُٹھ پا کر اٹھ جاتے، اور کسی وقت سوئے بے رہتے، اور دیکھتے ہتے، بندہ کو ۲۲ سال سے کئی دفعہ کافی کافی عرصہ کے لئے حضرت کی خدمت میں رہنا ہوا، سفر حضر، عزیزوں و بزرگوں کی اموات، رمضان المبارک کی راتیں، حج کا سفر، سفر وفات وغیرہ، مختلف اوقات و حالات میں حاضری نصیب ہوئی، مگر ایسی حالت پہلے کبھی نہ دیکھی تھی، کبھی کھڑکی سے منہ نکال کر گلی میں راستوں کو دیکھ رہے ہیں، اور فرمایا ہے، ابوالحسن آج اور عرب کی زمین دیکھ لے، کل کو جانا ہی ہے، دوسرے روز ہوائی اڈہ پر انتظار میں ویننگ روم میں بیٹھنا ہوا، موسم حج اور اپنے ساتھ پاکستان جانے والوں کا کثیر مجمع، اور جدہ میں رخصت کرنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے کافی وقت بیٹھنا ہوا، بندہ نے حضرت کو روتے ہوئے پہلے بھی بہت کثرت سے دیکھا ہے، اکثر اوقات تو ایسا کہ اجنبی کو تو ظاہر نہ ہوتا تھا، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت رو رہے ہیں، اور بعض وقت دیکھنے والوں کو محسوس ہو جاتا تھا کہ نماز، تلاوت وغیرہ میں حضرت رو رہے ہیں، لیکن آنسوؤں کی کثرت کا دستور نہ تھا، اور یہ قانون تھا کہ ایسی حالت میں جب کوئی لٹنے والا آگیا، یا کوئی دوسرا موضوع سامنے آیا جس میں کسی سے ہنسی مذاق، اور خندہ پیشانی کی ضرورت ہوتی، یا کسی کو ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت ہوتی، تو ظاہری طور پر حضرت کی وہ حالت فوراً ختم ہو جاتی، اور آنے والے کو کچھ محسوس نہ ہوتا، وقت کے حق کے مطابق حالت ہو جاتی۔

اس رخصتی والے دن کی حالت بالکل نرالی تھی، حضرت تشریف فرما تھے،

اروگرد کافی جمع تھا، لیکن حضرت ایسے بیٹھے ہوئے تھے، جیسا کہ بالکل اکیلے ہوں، کوئی بات کلامِ توجہ نہ تھی، اے تماشہ رورہے تھے، آنسو آنکھوں سے مسلسل بہ رہے تھے، کرتا تہ تبرہ رورہا تھا، چہرہ مبارک سرخ اور آنکھوں کے پانی سے ایسا دھل رہا تھا، جیسا کہ کوئی نل کے نیچے بیٹھا ہو، بس آواز تو نہیں تھی، حضرت ہاتھ ڈھیلے کئے بیٹھے تھے، لوگ چپ چاپ مصافحہ کرتے جاتے تھے، ایک دہشت سی تھی، اسی حال میں رخصتی ہوئی، چونکہ اس قسم کی حالت ہمیشہ مخفی رکھنے کی عادت تھی، اس لئے اگر فود نہ دیکھا ہوتا تو مجھے بھی یقین نہ آتا، بیان کو مبالغہ سمجھنا، اور اب اس بیاگو ناکافی سمجھ رہا ہوں!

اسی محبت اور اخلاص نے ان کے درس، ان کی تصنیفات، اور ان کے ساتھ بیعت و ارادت کے تعلق میں وہ ناشر اور کیفیت پیدا کر دی تھی، جو اہل عشق کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کمالات کے ساتھ جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا، اور اس محبوبیت و اختصاص کے باوجود، جو ان کو اکابر و شیوخ کے حلقہ میں ہمیشہ سے حاصل رہا تھا، وہ اپنے کو کس نظر سے دیکھتے تھے، اور دعاءِ نبویؐ "اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً و فی أعین الناس کبیراً" کا ان کی زندگی میں کس قدر ظہور ہوا تھا، اس کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوگا، جو ان گرامی ناموں سے ماخوذ ہیں، جو اس عابر کے نام حجاز بھیجے گئے تھے:-

”بعد سلام منوں، رائے بریلی والا پرچہ پہونچا، رو انگی سے قبل ملاقات کو تونہ نہ کا بھی دل چاہتا ہے، مگر وقت تنگ رہ گیا، یہاں تشریف لانا ایسے تنگ وقت میں

لے کتبہ صوفی محمد اقبال صاحب بنام ابوالحسن علی۔

دشوار ہوگا، اور مجھے بھی مولوی یوسف صاحب آج کل میں بلا ہے میں اس وقت  
جا کر فوراً دوبارہ جانا مشکل ہے، میں نے ان کو کل لکھا تو کہے کہ بجائے اس وقت  
کے اگر اس وقت بلائیں تو زیادہ اچھا ہے، آپ نے یہ نہیں لکھا کہ دہلی سے روانگی  
کس وقت ہے، یاروانگی براہ سہارنپور ہے، دہلی سے دریافت بھی کیا ہے، مگر  
وہاں سے جواب کا آنا بھی کارے دار، بہر حال اگر ملاقات نہ ہو سکے تو اولاً اپنی  
تمام تقصیرات اور بے عنوانیوں کی معافی چاہتا ہوں، ثانیاً یہ

جاتے ہو تو جاؤ، پر اتنا تو سن جاؤ

یاد جو آجائیں، تو مرنے کی دعا کرنا

بارگاہ رسالت پر پہونچکر اگر یاد آجائے تو یہ الفاظ بھی عرض کر دینا، ایک  
روسیاہ ہندی نے بھی سلام عرض کیا تھا، اگر ایک دو طواف بھی اس ناگاہ  
کی طرف سے کر دیں، تو آپ جیسے کریم جفاکش حضرات سے امید ہے کہ بارگاہ ہوگا  
یہی چیزیں اس ناگاہ اور نااہل کے لئے اعلیٰ تبرکات ہیں، کسی تبرک کے  
لانے کا ہرگز ہرگز ارادہ نہ کریں، اس کا نعم البدل میں نے تعلقات کی قوت کے  
زور میں خود ہی تجویز کر دیا کہ مجھے کھجور، زمرم وغیرہ تبرکات کی بہ نسبت دعا  
اور طواف کی مسرت بھی زیادہ ہوگی اور احتیاج بھی زیادہ ہے۔

فقط واسلام زکریا، مظاہر العلوم

۲۳ رجب ۱۳۶۶ھ

اے کس پر؟ یہ کیا بتاؤں؟

”روضۃ اطہر پر دست بستہ صلوٰۃ و سلام،

بعد سلام مسنون، گرامی نامہ مورخہ ۱۳ رمضان، ۲۰ مارچ مبارک کو پہنچا،  
ہر چند کہ ماہ مبارک میں خط لکھنے کا وقت ارادہ سے بھی نہیں ملتا لیکن آپ کے  
انتظار نے مجبور کیا کہ چند سطور تو لکھ ہی دوں۔

گرامی نامہ نے گرمی کے رمضان میں ایک شغلہ سابدن میں پیدا کر دیا، اس کے سوا  
کیا عرض کروں ”حنیٰ الا دیاب النعیم نعیمہم“ آپ نے راستہ کی کیفیت اور  
مناظر تحریر فرما کر سابقہ حالات اور پرانے واقعات یاد دلوائے، آپ نے یہ تحریر  
نہیں فرمایا کہ مدینہ طیبہ کا قیام کب تک ہے؟ تاکہ عید کے بعد کے عرائض کے  
متعلق رائے قائم کر سکوں، ماہ مبارک اب قریب اختتم ہے، اس میں دوسرا  
عرصہ بظاہر نہ جاسکے گا، اس کے بعد تقریباً ایک عشرہ مسلسل مختلف اسفار ارٹائے پڑ  
و غیرہ میں صرف ہوگا۔ روضۃ اطہر پر دست بستہ صلوٰۃ و سلام کی درخواست، جملہ  
حضرات کی خدمت میں مکر عرض ہے۔

زکریا (نظام الدین)

۲۳ رمضان ۱۳۲۲ھ

”بعد سلام مسنون، خیال بلکہ یقین تھا کہ دہلی میں الوداعی زیارت ضرور ہوگی،  
اور اپنی بد حالی کو پیش کر کے کچھ مانگنے کی درخواست کر دینگا، اپنے دہلی کے اس سفر  
میں اہم مقصد آپ کی زیارت ہی تھی، مگر نظام سفر ایسا گڑبڑ ہوا کہ مجھے خود ہی  
مولانا مولوی محمد منظور صاحب نعمانی کی معرفت یہ کہلانا پڑا کہ آپ سیدھے ہی  
تشریف لے جائیں، مگر یہ ضرور ہے کہ نہ ملنے کا قلق ضرور رہا، اور رہے گا، اب  
اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ان حروف کے ذریعہ اپنی بد حالی کو پیش کروں،

آپ خود ہی اندازہ کر لیں گے کہ اس سے زیادہ محروم القسمت کون ہوگا جس کو  
حضرت اقدس اور آپ جیسا بہترین رفیق سفر ملے، اور کہ یہ کاس کو اشکال  
نہ ہو، بظاہر کوئی مانع نہ ہو، پھر بھی وہ محروم رہے، تو اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ  
اس کی رو سیما ہی اس قابل نہیں کہ اس پاک دیار میں حاضری کی اجازت دی جاسکے،  
اب آپ سے انتہائی حاجت سے درخواست ہے کہ ملعزم پر اور مواجہہ پر  
آپ اس ناپاک کے لئے جو کچھ کر سکتے ہوں کر دیجئے، اللہ جل شانہ آپ کو  
جو اے غیر عطا فرمائے، اور یہاں کے مسلمانوں کے لئے کیا کہنا ہے یہ تو آپ کی  
دل مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہوگا.....

فقط واسلام  
زکریا مظاہر العلوم  
۱۴ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ

اس تعلق، باطنی کیفیت، اور عشق روحانی کا کچھ اندازہ کرنے کے لئے یہاں ان کے  
چند کتبوبات کا اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، جو انھوں نے ازراہ شفقت و کرم رقم اسطر  
کو حجاز کے دوران قیام میں (۱۹۴۷ء بشہ) دو جگہ کے موقعہ پر تحریر فرمائے ہیں:-  
”ہمارا نام لے کر آہ بھی ایک کھینچو قاصد  
جو وہ پوچھیں تو کہہ دینا، یہ پیغام زبانی ہے

بعد سلام سنوں کراچی سے دو گراں نامے پہنچے اول مفصل رفاہ، اور پھر مختصر کارڈ گروہا  
جو ایک وقت تھا، آپ نے اس ناپاک کی معیت و رفاقت کی آرزو لکھی، مگر جس العین اس  
پاک خط کے قابل کہاں، دوم ترنہ حاضری ہوئی، مگر ایک ظاہر و مظهر تھی جس کے پیچھے ظہیری  
لے اصحاب کہف کے ساتھ جو کتنا لگ لیا تھا، اس کا نام بعض کتابوں میں قطیرہ لکھا گیا ہے۔

لگ لگا، بلکہ حکماً لگایا گیا، اب کوئی پاک ہستی ایسا سمندر نظر نہیں آتا جس میں  
ہر قسم کی غلاظت مخلوب ہو جائے، فیاض ہستی آپ نہ معلوم کس منظر میں  
ہیں اپنی حالت یہ ہے۔

كان طقّي بأن الشيب يمشدني إذا أتني فإذا خيبي به كثيرا  
بلکہ (اب حقیقت یہ ہے)

وكنتم امرأ من جند ابليس فأتني لي الدهر حتى صار ابليس من جنه  
فلومات قبل كنتم احسن بعدا طرائق فسق ليس يحسنها بعدى

اس نعلق اور محبت کے واسطے سے جو آپ کو الشرب العزت کی تئاری کی  
وجہ سے اس ناپاکے محض منظر کی وجہ سے رہا ہے، درخواست ہے کہ  
مبارک ہینڈ میں مبارک راتوں میں، مبارک جگہ میں اگر دعا سے دستگیری  
فرما دیں، تو وہ پاک ذات، وہ قلب القلوب، قادر مطلق جو خلیج عمر بنا دے،  
اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک ناپاک کو پاک بنا دے، اور بدکار کو نیک کار  
بنا دے۔

چشمہ فیض سے گرا کیا اشارہ ہو جائے لطف ہو آپ کا اور کام بہارا ہو جائے  
عمر ختم ہوتی جا رہی ہے ظاہری طور پر وقت قریب ہی آتا جا رہا ہے، اور  
حالت یہ ہے۔

آئی تھی کچھ لین کو، اور بھول چکی کچھ آؤ کیا دکھاؤں گی اپنے بیا کو میری غالی دونوں  
دیتے ہیں جوئے سفیدافوس پیٹھا اہل نفس مستاہی نہیں ہر چیز کہتا ہوں سنھل

اے شاید یہ حضرت عمر کا جاہلیت میں نام یا عرف تھا۔

اپنی حالت کو کہاں تک روؤں، اور اس منافقانہ تحریر سے آپ کے مبارک اوقات کو کہاں تک ضائع کروں، یہ سطر میں اس امید پر لکھی ہیں کہ آپ کے دل پر کچھ چوٹ لگے تو آپ اس پاک دربار میں کچھ عرض کر سکیں جس کی پاک جوتیوں کے ذریعے ”لواقتہم علی اللہ لا یشر“ کے مصداق ہیں بہت اور بے صلوة و سلام کے بعد عرض کر دیں کہ اس ناپاک کا سلام اس پاک دربار کے ہرگز لائق نہیں، لیکن تم رحمت للعالمین ہو اس ناپاک کے لئے تمہاری نظر رافت کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔

آخر رحمۃ للعالمین زخرواں چرانا رخ نشینی  
یہ بھی عرض کر دیں کہ کچھ عرض کرنے کا منہ نہیں اس لئے کیا عرض کروں۔  
فقط والسلام۔ زکریا۔ مظاہر علوم  
۲۲ شعبان ۱۳۶۶ھ

”ایک خصوصی درخواست آپ سے یہ بھی ہے کہ ملتزم پر ایک مرتبہ یہ بھی اس ناپاک کے لئے مانگ دیجئے۔“

من نکویم کہ طاعتم پسندیر  
قلم عضو برگنا ہم کشن

گویا امید ہے کہ گناہوں سے پاک صاف لوگوں کی زبان کسی ناپاک کی معافی کا ذریعہ بن جائے، اس میں کوئی تصنع نہیں کہ اپنی ساری گندگی کے باوجود جس چیز پر بڑا فخر اور اس کی بڑی ڈھارس ہے، وہ صرف یہ ہے کہ بچپن سے اس وقت پیری تک اللہ کا بہت بڑا کریم رہا کہ ہر دور کے اکابر اہل الشریک

خصوصی تحقیقیں انتہا سے زیادہ رہیں، اس پر جتنا بھی ناز ہو کم ہے، لیکن ساری خوشی ایک دم سناٹے سے بدل جاتی ہے، جب قیامت کے حکم ”وَأَمَّا زُورُ الْيَوْمِ أَيْهَا الْمُجْرِمُونَ“ کا اعلان دل میں گزر جاتا ہے، کاش آپ سب مخلصوں، حسن ظن رکھنے والوں کے زور اس سال اس ناپاک کے اعلانِ مڑسیاہ کو بھی دھو ڈالیں، تو آپ سب کا کس قدر احسان اس ناپاک پر ہو، ورنہ جب کل کو میری ناپاک حالت آپ کے سامنے ہوگی تو آپ کو اپنے اس تعلق پر بھی افسوس ہوگا جو آپ نے اپنے اس مفصل گرامی نامہ میں تحریر فرمایا جو ہمیشہ سے لکھا.....

فقط والسلام  
زکریا مظاہر علوم  
۲۶ رزی قعدہ ۱۳۶۹ھ

## دینی حمیت اور مسلکِ صحیح کی حفاظت کا اہتمام

اللہ تعالیٰ نے کچھ تو فطری طور پر اور کچھ خاندانی اثرات سے شیخ کی طبیعت میں دین کی حمیت اور اپنے اسلام اور علمائے حق کے (جو مجددی اور ولی اللہی سلسلے سے مستقل و سلسلے طور پر وابستہ رہے ہیں) مسلک سے وابستگی اور اس کے بائے میں غیرت و ذکاوت میں شروع سے ودیعت فرمائی تھی، جب بھی ہندوستان میں دین کے بقا و وجود، اور مسلمانوں کی جہاد گاہ ملی و اسلامی شخصیت کے لئے کوئی خطرہ پیش آیا، تو ان کی طبیعت بے چین اور ان کا دل درد مند ہوا، اور انھوں نے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے خود سعی، اور اہل اثر کو متوجہ کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔



انگریزی دور میں جب پہلی مرتبہ گورنمنٹ کی طرف سے جبریت تعلیم کا قانون بنا تو شیخ نے اس سے سخت خطرہ محسوس کیا، انھوں نے اس کے خلاف ایک رسالہ "قرآن عظیم اور جبریت تعلیم" تحریر فرمایا، یہ قانون اول اول دہائی میں نافذ ہوا تھا، رسالہ ۱۳ محرم ۱۳۵۰ھ (یکم جون ۱۸۳۱ء) کو لکھا گیا، اس میں اپنے نام کے ساتھ "مخبر روح القلب" لکھ کر دستخط کئے، جس سے ان کے جذبہ دل کا اظہار ہوتا ہے۔

آزادی ہند کے بعد (۱۹۴۸-۴۹ء) کے سنین میں پھر حکومت کی طرف سے جبریت تعلیم کا قانون دوبارہ سامنے آیا تو شیخ نے پھر اس کا پورا نوٹس لیا، اور اس کے دور رس اثرات کا اندازہ کر لیا، اپنے ایک مکتوب میں جو اس عاجز کے نام ۳ جولائی ۱۹۴۹ء (۶ اپریل ۱۹۴۹ء) کو لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

"روز افزوں احوال سے یہ فکر سوار رہتا ہے کہ کوئی شخص اگر مسلمان رہنا بھی چاہے گا، تو شاید نہ رہ سکے، اور اس کا کوئی حل نہیں ملتا، آج کل مجھ پر جو چیز زیادہ مسلط ہے، وہ مکاتب کا مسئلہ ہے، ہر جگہ سے جبریت تعلیم کے سلسلہ میں مکاتب کی بچوں پر لوگوں کا زور ہے، اور اس سلسلہ میں اگر کسی سے کچھ کہا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس سے کہا جائے؟ اور کیا کہا جائے؟ جن سے امیدیں وابستہ ہو سکتی تھیں ان سے جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے، تو وہ بہترین لچھے دار اور زوردار تقریر سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مکاتب کا یہ سلسلہ محض اضاعت اوقات ہے، بچوں کا وقت ضائع ہوتا ہے، قومی تعلیم بالخصوص ہندی پڑھنے کی دینی ضرورت اس درجہ بتائی جاتی ہے، جس درجہ کی سرسید کے خیال میں انگریزوں کی بھی نہیں آئی ہوگی۔

اسی طرح وہ اس مسلک توحید و اتباع سنت، و رد بدعات کے شدت سے حامی و محافظ تھے، جو ان کو وراثتاً و تعلیماتاً و تربیتاً اپنے اسلاف و اساتذہ و مشائخ سے ملا تھا، ہندوستان کی آزادی و تقسیم ملک کے بعد کچھ سیاسی و انتظامی مصالحوں کی بناء پر بعض ایسے علماء کی طرف سے جو ہندوستان کے حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے ایک جگہ مجتمع ہونے، اور اس ملک میں رہنے کے فیصلہ کو ہر مسئلہ پر مقدم رکھتے تھے، مصلحتاً بعض ایسے اجتماعات کی نہ صرف اجازت دی گئی، بلکہ ان میں وہ خود شریک بھی ہوئے، اس سلسلہ میں بعض حضرات نے بزرگان دین کے ان عرسوں کو دوبارہ قائم کرنے کو مفید سمجھا جن میں مسلمان بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے، اور ایک دوسرے سے ملتے تھے، تقسیم کے بعد وہ بند ہو گئے تھے، یا بہت پھیکے پڑ گئے تھے، شیخ کو جب اس طرح کی اطلاعات ملی تو ان کے دل کو بڑی چوٹ لگی، اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اللہ کی شان، انقلابات زمانہ، اور اپنے اعمال بد کے ثمرات، دیوبندی جماعت جو عرس کے بند کرنے کی ہمیشہ ساعی رہی، اب وہ عرسوں کو فروغ دینے والے بن گئے، جس شخص کے بڑے نظام الدین کے عرس کے زمانہ میں سستی بھی چھوڑ دیا کرتے تھے، اُن کا ناخلف یہ سوچتا ہے کہ اس موقع پر جایا جائے، تاکہ پاکستان سے آنے والے احباب سے جن کو عرس کے عنوان سے اجازت مل جاتی ہے، ملاقات ہو جائے“

۱۹۷۹ء میں ایک مرتبہ شیخ کی نظر اخبار ”الجمعیۃ“ کے ایک اشتہار پر پڑی، جس میں ”شیخ الہند جنرلی“ کا اعلان تھا، اخبار کے ایک شمارہ میں اس پر ایک تبصرہ کے دوران لکھا گیا کہ اس کی بڑی قدر و قیمت اس بات سے ہے کہ اس میں شیخ الاسلام مولانا مدنی کی تصویر ہے، اور اس سے کتاب کی ساری قیمت وصول ہو جاتی ہے، شیخ سے رہا نہیں گیا،

اور انھوں نے اس کی پروا نہیں کی کہ یہ اخبار علماء دیوبند کا پرچہ ہے، اور جمعیتہ العلماء کی قیادت ان کے محبوب ترین اور محترم ترین بزرگوں اور دوستوں کے ہاتھ میں ہے، اس تبصرہ کو دیکھتے ہی ناچیز کے نام ایک مکتوب تحریر کیا، جس میں فرماتے ہیں:-

”ایک ضروری امر کی طرف آپ کی اور مولانا منظور صاحب کی توجہ مبذول کرانا ہوں، شیخ الہند جنٹری“ کے نام سے کوئی جنٹری طبع ہوئی ہے، جس کو میں اب تک دیکھا نہیں، لیکن اس کا اشتہار جمعیت کے پرچوں میں، اور جمعیت نمبر میں طبع ہوا ہے، اگر اب تک نہ دیکھی ہو تو جمعیت نمبر میں اس کا اشتہار ملاحظہ فرماویں، اس کے متعلق اخبار ”جمعیتہ“ ۱۹ مارچ ۱۹۰۳ء پر تبصرہ شائع ہوا ہے، اس میں حضرت مدنی زاد مجدد مہم کی تصویر کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جنٹری کی پوری قیمت صرف اس ایک تصویر سے وصول ہو جاتی ہے، یہ شاخ و علماء کے آرگن کے لئے نہایت مناسب ہے، یہ حضرات تصویر کشی کی تقبیح نہ کریں، تو کم از کم مدح سرائی تو نہ کریں، اس کے متعلق اگر آپ حضرات کے نزدیک مناسب نہ ہو تو ”الفرقان“ اور ”تعمیسر“ دونوں میں تنقید ضروری ہے۔“

(۱۲۷ جہادی الآخرة ۶۹۹ء)

اسی طرح ایک مرتبہ شیخ نے ایک قابل احترام دیوبندی عالم اور بزرگ کے متعلق سنا کہ وہ ۱۲ ربیع الاول کے ایک میلادی جلسہ میں شرکت فرمانے والے ہیں، شیخ نے اس پر اس ناچیز کو لکھا:-

”ابھی چند روز ہوئے اخبار میں ۱۲ ربیع الاول کے میلادی جلسہ میں..... کی شرکت کا وعدہ پڑھا، جب سے سوچ میں ہوں کہ جس چیز پر اکابر نے ایسے ایسے

ختم ٹھونکے وہ ایسی بن گئی کہ اخبار جمعیت تو گویا اس کے پروپیگنڈہ کے لئے  
وقف ہو گیا۔ (مکتوب ۱۱ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ)

اس جذبہ کا نتیجہ تھا کہ شیخ نے بڑے اہتمام و تاکید سے مجھے حضرت مولانا شاہ  
محمد اسماعیل شہیدؒ کے رسالہ "تقویۃ الایمان" کے (جو اس جماعت کے مسلک کا پورا  
ترجمان ہے، اور اس میں توحید خالص کی ایسی کھلی طاقتور دعوت دی گئی ہے جس کی  
نظیر ملنی مشکل ہے) عربی ترجمہ کا حکم دیا ۱۳۹۳ھ کے ذی الحجہ (دسمبر ۱۹۷۳ء) میں جب  
راقم سطور مدینہ طیبہ میں حاضر تھا، مجھ سے ارشاد ہوا کہ میں اس کتاب کو عربی میں منتقل کروں  
میں نے وعدہ کر لیا، لیکن شیخ کو اطمینان نہیں ہوا، عزیز میری سید محمد واضح ندوی کے ذریعہ  
(جو میرے رفیق سفر تھے) مجھے پیغام دیا کہ میں مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے سے پہلے  
اس کام کو مسجد نبویؐ میں شروع کر جاؤں، چنانچہ عین رخصت کے دن ۲۹ یا ۳۰ ذی الحجہ  
کو زوال سے پہلے باب جبرئیل و باب الرحمتہ کے درمیان بیٹھ کر حجاج کے ہجوم، اور  
ذکر تسبیح و درود کے شور کے درمیان میں نے اس کے مقدمہ کا ابتدائی حصہ لکھا، اور  
اسی وقت واضح سلمہ نے اس کو شیخ کو جن کی نشست باب عمر کے قریب ہوتی تھی،  
جا کر سنا دیا، شیخ نے بڑی دعائیں دیں، اور تحسین فرمائی ۱۳۹۴ھ کی آخری تاریخوں میں  
ترجمہ مکمل ہو گیا، جا بجا ضروری و مفید حواشی بھی تھے، اور ایک مفصل مقدمہ اور ترجمہ  
مصنفؒ بھی، طباعت کے بعد شیخ نے اس کو بڑی تعداد میں خرید کر احباب و خدام او  
اہل علم میں تقسیم کیا۔

لے یہ عربی ایڈیشن جو رسالہ التوحید کے نام سے ندوۃ العلماء کے پریس شائع ہوا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے  
نصاب میں داخل ہے، اور ضرورت ہے کہ اس مسلک کی دوسری درگاہوں اور ملازمین عربیہ میں بھی کو داخل ہونا چاہیے

اس دینی جمیت اور شرعی حمایت کا نتیجہ تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک ایسے مسئلہ پر جس میں ”عموم بلوی“ تھا قلم اٹھایا، اور دائرہ ہی کے وجوب پر ایک رسالہ لکھا، جس کا عربی میں بھی ترجمہ ہوا، اور اہل عرب میں اس کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ہوئی، جن میں اس بارے میں بڑا تساہل شروع ہو گیا تھا۔

یہی جذبہ تھا، جس نے ان کو جماعت اسلامی کے فکر اور بانی جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تحریروں کے اختساب اور ان پر تنقید کرنے پر مجبور کیا جب ان کے علم اور ذاتی تجربہ میں یہ بات آئی کہ ان کے اسلاف و مشائخ نے اپنی پیہم کوششوں سے اس سختی براعظم میں خدا طلبی کا جو عام ذوق، محبت الہی و عشق رسول کی چنگاری اور اصلاح و تربیت نفس کا جو جذبہ پیدا کر دیا تھا جس کا عمومی اور طاقنور ذریعہ ”تصوف“ تھا، نیز اپنے درس و تلقین عمل اور تصنیفات سے کسی ایک مسلک فقہی سے وابستگی کی ضرورت کا جو احساس پیدا کر دیا تھا، اور ہر شخص کے مجتہد بن جانے کے خطرہ کا بہت حد تک سد باب ہو گیا تھا (جس کا اس انتشار پذیر معاشرہ میں پورا امکان تھا) اور ان مجتہدین کے ساتھ بالخصوص، اور سلف کے ساتھ بالعموم حسن ظن، اعتماد و احترام قائم کر دیا تھا، ان تمام کوششوں پر ان تحریروں سے اثر پڑ رہا ہے، اور اوہن کی اصل بنیاد و حقیقت تعلق بالشر و عبودیت، فکر آخرت اور ایمان و اختساب پر دین کا سیاسی و تنظیمی تصور غالب آ رہا ہے، تو وہ بے چین ہو گئے، اور ان کے قلم سے اپنے ایک قدیم رفیق اور دوست کے نام وہ طویل مکتوب نکلا جو ان کی غیر موجودگی میں

اسے اس سے مراد مولانا زکریا قذوسی گنگوہی مرحوم ہیں، جو مدرسہ مظاہر العلوم کے قدیم فاضل اور

استاد و مدرس فقہ، یہ مکتوب ۱۳۶۷ھ میں لکھا گیا، اور شیخ کے نخی مکتوب پونے کی بنا پر اس کی اشاعت میں

مستقل رسالہ کی شکل میں "فقہ مودودیت" کے نام سے شائع ہوا، دوبارہ ان کی تجویز سے "جماعت اسلامی ایک لمبے فکریہ" کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی۔

اسی دینی حمیت کا نتیجہ تھا کہ جب مصر کے صدر اور قائد جمال عبدالناصر کے اقدام سے اور قومیت عربیہ اور اشتراکیت کی کھلی ہوئی دعوت سے نہ صرف مصر بلکہ پورے مشرق وسطیٰ میں دینی فکر و دعوت اور ذات نبوی اور اسلام کے پیغام سے عربوں کی وابستگی خطرہ میں پڑ گئی تھی لیکن جمال عبدالناصر کے چند جہت مندانہ اقدامات کی بنا پر جن میں اس کو کامیابی ہوئی تھی، اور مغربی طاقتوں کو لٹکارنے کی وجہ سے ہندوستان میں علماء کا ایک بڑا گروہ اور بعض ایسی جماعتیں بھی (جن کی بنیاد اسلام کی حمیت و حمایت پر پڑی تھی) جمال عبدالناصر کی مداح اور مؤید بن گئیں اس وقت حضرت شیخ کی مجالس میں جمال عبدالناصر کے بابے میں کھلے طریقہ پر ناپسندیدگی کا اظہار اور اس کے متعلق سخت الفاظ استعمال ہوتے تھے، یہاں تک کہ رمضان مبارک کے مشغول اوقات میں، اور عشاء کے بعد کی ایک بھری مجلس میں حضرت شیخ نے

(باقی ص ۲۱۳ کا) احتیاط فرمائی، شیخ کے قیام مدینہ کے دوران ان کے بعض عزیزوں نے مکتوب کی اہمیت و ضرورت اور وقت کا ایک اہم مسئلہ سمجھ کر ۱۹۶۵ء میں اس کو رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا۔

۱۔ اس نئے نام سے اس کا دوسرا ایڈیشن پہلی مرتبہ کراچی سے شائع ہوا  
۲۔ جمال عبدالناصر کی بے تدبیری اور لاف زنی ہی کے نتیجہ میں مسلمانوں کو مدت مدید کے بعد مجد اقصیٰ (بیت المقدس) شہر قدس، شہر انجیل (مدن سیدنا ابراہیم) اور پورے صفحہ غریبہ بلکہ صحرائے سینا سے بھی ہاتھ دھونا پڑا، افسوس ہے کہ وہ صورت حال ابھی تک قائم ہے اور بیروت کے تازہ واقعہ اور فلسطینیوں کی وہاں سے بے دخلی کے رسوا کن حادثہ نے زخم پر اور بھی نمک پاشی کا کام کیا ہے۔

چوں از قوم یکے بے دانشی کرد نہ کہ راعرتے ماند نہ مرا

محمد میاں مرحوم کا ایک سخت تنقیدی مضمون جو ندوہ کے اردو رسالہ ”تعمیر حیات“ میں شائع ہوا تھا، بلند آواز سے پڑھوایا، اور حاضرین کو سنوایا، جو شاید بعض حاضرین مجلس کے گراں بھی گذرا لیکن شیخ نے پروا نہیں کی۔

## ذکر روحانیت اور وقت کے مسلم مشائخ اور اہل تشیع کی طرف توجہ دہانی

حضرت شیخ باوجود اپنے بلند روحانی مقام، اور مرجع خلافت ہونے کے اپنے اہل تعلق کو اپنے وقت کے مستند و مسلم مشائخ، بالخصوص شیخ وقت حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری کی طرف اصرار و تاکید سے متوجہ فرماتے رہتے تھے، اور اس سے ان کی اہمیت، بے نفسی اور خلوص کا پورا اظہار ہوتا ہے، میرے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”راے پور کے تعلق میں بھی اصرار سے عرض کروں گا کہ شاعری کی مزاحمت کے باوجود کبھی کبھی گنجائش نکال لیا کریں، چچا جان تو تشریف لے ہی گئے مولانا کا وجود بھی چراغ سحری ہے مشاغل تو آدمی کے ساتھ لگے ہی رہتے ہیں اس سے کب خلاصی ہو سکتی ہے؟“

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”رائے پور کے جناب کے سفر کی حقیقی اہمیت بندہ کے نزدیک بہت ہے، اس کو بار بار کیا عرض کروں، بندہ تو بہت ہی ضروری خیال کرتا ہے کہ اہل حضرات وہیں جائیں، جب بھی موقع مل سکے چند روز کیسوی کے ساتھ ضرور تشریف لائیں؟“

اس بار بار کے تاکید کی وجہ یہ تھی کہ شیخ تمام دینی، علمی و اصلاحی کاموں اور

لے حضرت مولانا محمد الیاس علیہ مکتوب ۲۷، جمادی الثانیہ ۱۳۶۲ھ ۳۵ مکتوب ۲۷، مرحوم ۶۵ھ

نود و عورت و تبلیغ کے لئے اخلاص و ثلہیت، حیات قلبی، اور حرارت باطنی کو ضروری سمجھتے تھے، جو ان کے نزدیک نمز لہ اسلیم کے تھی، جس کے بغیر دین کی کوئی گاڑی چلتی نہیں، اپنے ایک مکتوب (نور ۲۶ رذی قعدہ ۱۳۶۴ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:-  
 ”انجن میں آگ کی ضرورت ہوتی ہے، اور ثلہی آگ انھیں درباروں سے ملتی ہے۔“

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”میرا یقین ہے کہ فتن کا علاج اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اور اسی جذبہ کے تحت

ملکوں ملکوں پھر رہا ہوں کہ خانقاہیں دنیا سے ختم ہی ہو گئیں۔“

ان کے نزدیک کم از کم درجہ یہ تھا کہ ان حضرات اہل الشر سے دل میں کدورت نہ رکھی جائے

یہ مضمون ان کی تحریروں میں بار بار آیا ہے، اور اس سوء ظن، کدورت، اور اعتراض پر بار بار نکیر فرمائی ہے، اپنے مشہور رسالہ ”الاختلاف فی مراتب الرجال“ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

”میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو خاص طور سے متوجہ کرتا ہوں، اور کرتا رہتا

ہوں کہ وہ الشر والوں سے ذرا بھی دل میں کدورت نہ رکھیں، ورنہ مجھ سے تعلق نہ رکھیں۔“

شیخ کا یہ مشورہ صرف اپنے خوروں، اور نیاز مندوں ہی کے لئے نہیں تھا، خود بھی

بڑے اہتمام سے رائے پور حاضری ہوتے، اور کئی کئی دن، اور کئی کئی وقت رہنے، جس زمانہ میں

حضرت کا بہٹ ہاؤس (سہارنپور) میں طویل قیام تھا، شیخ کا بلا تعلق روزانہ کا معمول

تھا کہ عصر کی نماز پڑھ کر فوراً بہٹ ہاؤس شریف لے جاتے، اس اندیشہ سے کہ کچھ تاخیر نہ ہو جائے



شام کی چائے جو عمر بھر کے معمولات میں شامل تھی، مستغلاً چھوڑ دی تھی، حضرت کو جب اس کا علم ہوا تو بہت ہاؤس میں اس کا انتظام فرماتے کی تاکید کی، لیکن شیخ نے اصرار سے منع فرمادیا، اخیر زمانہ قیام میں رائے پور میں باوجود اس کے کہ سفر خاص حالات و کیفیات کی بناء پر شیخ کے لئے مجاہدہ عظیم تھا، ہر سہفتہ کا معمول تھا کہ جمعہ کی شام کو تشریف لے جاتے، اوپر کی صبح تشریف لاتے۔

یہی حال حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی تشریف آوری کے موقع پر تھا کہ اطلاع ملنے پر رات کو جاگ کر اسٹیشن پر تشریف لے جاتے، اور وہ اہتمام و احترام فرماتے جو مشائخ کے ساتھ ہوا کرتا ہے، مولانا کے قیام دیوبند کے زمانہ میں بھی وقتاً فوقتاً وہاں تشریف لے جاتے، اور ملاقات کرتے۔

## دینی کوششوں اور علمی کاموں کی قدردانی و ہمت افزائی اور علمی ذوق

حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی وسیع قلبی و وسیع نظری، اور دین سے نسبت رکھنے والے کاموں کی قدردانی کا جذبہ عطا فرمایا تھا کہ وہ ہر اس کام کی ہمت افزائی، اور اگر ممکن ہو تو اس میں تعاون کے لئے آمادہ رہتے تھے، جس میں ان کو دین کا فائدہ یا علم کی ترقی نظر آتی، تبلیغی جماعت، مرکزی مدارس (مظاہر علوم، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء) کا نوکیلا ذکر کہیں بھی کوئی صحیح دینی اصلاحی، علمی کوشش، ان کے علم میں آجاتی تو اس کی پوری داد دیتے، اور ہمت افزائی فرماتے۔

میرے سفر امریکہ کی تقریروں کا مجموعہ ”نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں“ شیخ نے

پڑھوا کر ثنا تو فوراً مجھے خط لکھا کہ :-

”آپ کی امریکہ کی تقریریں بہت پسند آئیں، بڑے غور سے سنا مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اہل امریکہ کے ان سے متاثر ہونے کی کیا صورت ہے، آپ نے لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کر دی، اور نیا زینہ دہوں نے چند نسخے چھاپ دیئے، میری ٹورائے ہے کہ جتنی زیادہ سے زیادہ اس کی انگریزی، عربی میں طباعت کی صورت ہو سکے بہتر ہے، اس کی اشاعت کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اگر آپ کے ذہن میں اس کی کوئی صورت ہو تو ضرور لکھیں، میرا تو یہ خیال ہے کہ اہل خیر کو متوجہ کر کے ایک لاکھ کے قریب نسخے انگریزی، عربی، اردو کے خوب تقسیم کئے جائیں، اگر لکھنؤ میں اردو میں چھپے تو ایک ہزار میرے ہیں، جو پرت ہو وہ بھیج دوں گا، اور میرے ایک ہزار طباعت کے بعد حاجی یعقوب کے پاس بھیج دیں“

حضرت شیخ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تربیت مدرسین کے انتظام کی ایک

اطلاع ملی، اس پر تحریر فرمایا :-

”تربیت مدرسین کی خبر سے بہت ہی مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، اگر یہ مبارک جمع موجود ہو تو سلام مسنون ہے“

اکتوبر، نومبر ۱۹۵۷ء میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام پر پچاسی سال گذر جانے کی تقریب میں ایک عالمی اجلاس ہوا، جس میں عرب ملک کے فضلاء و اعیان کو

لے خط پر تاریخ نہیں ہے، بہر حال سفر امریکہ کے بعد کا خط ہے، جو مئی ۱۹۵۷ء میں ہوا تھا، اور واپسی اگست میں ہوئی، دوسرے مکتوب میں جو ۱۹۵۷ء کا لکھا ہوا ہے، مطلوبہ نسخوں کی تعداد دو ہزار

کردی گئی۔ لے مکتوب ۱۲ رذی الحجہ ۱۳۷۷ھ

خاص طور پر دعوت دی گئی، شیخ نے نہ صرف اس کی کامیابی کے لئے دعائیں کیں، بلکہ اس کو بالکل اور ٹھہرایا، جب تک وہ اجلاس کامیابی اور خیر خوبی کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا، شیخ کا پورا دل اس میں لگا رہا، ہر آنے جانے والے سے وہاں کے حالات و خبریت دریافت کرتے تھے، لوگوں نے بیان کیا کہ سونے کی حالت میں بھی شیخ کو اس کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے سنا گیا، ختم ہونے کے بعد مجھے مبارک باد کا خط لکھا، جس میں آمندہ کے لئے بھی ہدایات تھیں، بعض خدام سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ اجلاس کس نے کرایا؟ میں نے کرایا؟ یہی نہیں بلکہ کوئی مفید علمی کام ہوتا تو اس کی ہمت افزائی اور تائید فرماتے، اور اس میں امکانی تعاون کے لئے تیار رہتے، میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کی شہرہ آفاق کتاب ”نزہۃ الخواطر“ کی ساٹھ جلدیں دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کی تھیں، آٹھویں جلد میں تاریخ وفات، تصنیفات وغیرہ کے سلسلے میں جا بجا بیاض تھے، جو مصنف کی وفات ہو جانے کی وجہ سے باقی رہ گئے تھے، اور ان کا پُر کرنا اور کتاب کا مکمل کرنا ان کے فرض شناس اور سعادت مند اخلاف کے ذمہ تھا، لیکن یہ کام بڑا دشوار تھا، صرف ان شخصیتوں کی تعداد کئی سو تھی، جن کی وفات مصنف کے بعد ہوئی تھی، ناچیز راقم سطور نے فاضل گرامی ڈاکٹر عبدالمعید خاں ناظم دائرۃ المعارف کے اصرار سے اس کام کا بیڑہ اٹھایا، اور اس سلسلے میں اہل علم سے رابطہ قائم کیا، اخبارات میں اعلان کیا اور خطوط لکھے، لیکن بہت کم جوابات آئے، اور بہت کم لوگوں نے تعاون اور مدد کی، اس سلسلے میں حضرت شیخ سے بھی مراسلت کی جن کے یہاں وفیات لکھنے کا بڑا اہتمام تھا، اور خود ان کی تاریخ کبیر میں اس کا بڑا مواد تھا، میرے عرضیہ کے

لہ اس کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو ”رودادِ حین“ از سید محمد احسن مرحوم، شائع کردہ مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔

جواب میں ان کا جو مکتوب آیا، اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے:-

”میرا خود دل چاہتا ہے کہ ”نزہتہ“ کی تکمیل میں جو بھی خدمت ہو سکتی ہے، وہ موجب سعادت ہے، میں تو آپ سے درخواست کرتا کہ جن کی وفیات کی تلاش ہے، ایک فہرست مجھے بھی بھیج دیں، مگر آنکھوں نے اس کے ساتھ ہی مانگوں نے ایسا مغرور بنا دیا کہ نہ اپنے کتب خانہ کی کتابیں تلاش کی جاتی ہیں، اور نہ دیر جاسکتا ہوں..... نزہتہ کی طباعت کا تو بہت ہی اشتیاق ہو رہا ہے، اللہ کرے کہ میری زندگی میں طبع ہو جائے، اور خدا کرے کہ کوئی سنانے والا بھی مل جائے تو ضرور سنوں گا، ارکانِ اربعہ کو بھی مزید بھیجیں اللہ کرے کوئی سنانے والا مل جائے!“

ایک دوسرے مکتوب میں جو اس سے پہلے کا لکھا ہوا ہے، اور جس میں اس کے بعض حصوں کی رسید ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”نزہتہ الخواطر“ کے سلسلہ میں جناب کی توجہ کا خصوصی شکریہ پیش کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ اس کو جلد از جلد ہم لوگوں تک پہنچائے کہ میں تو انھیں چیزوں کا بیمار ہوں!“

شیخ کا مفید اصلاحی و دینی کتابوں کے ساتھ یہی معاملہ تھا، کہ ساری مغروریاؤں کے باوجود وہ ان کے سننے کے لئے وقت نکال لیتے تھے، اس ناچیز کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

لہ راقم سطور کی عربی کتاب ”الاسکان الأدبیۃ“ کا اردو ترجمہ برادر زادہ عزیز مولوی محمد کبھی مرحوم کے قلم سے ہے۔ ۱۲ مورخہ ۱۲۸۸ھ از سہارنپور۔

”آپ کی کتاب ”تایخ دعوت و عزیمت“ ایسی حالت میں پہنچی کہ میں لر گئے تھ، بیٹھنا مشکل، سنا مشکل، لیکن مجھے آپ کی ہر کتاب کا اہتمام ہوتا ہے اس لئے اس نے مجھے ایسا پکڑا کہ چھ سات روز میں پوری سن لی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، امت کو اس سے فائدہ پہنچائے، بالخصوص سلاسل کی تفصیل آپ نے لکھی، اس سے بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ سلامت رکھے!“

اسی طرح جب عزیزی سید سلمان حسینی ندوی نے اپنا تحقیقی مقالہ جو جرح و تعدیل کے الفاظ کی تحقیق میں تھا، اور جامعۃ الامام محمد بن سعود، ریاض میں پیش کیا گیا تھا، شیخ کی خدمت میں پیش کیا، تو مجھے تحریر فرمایا:۔

”عزیز سلمان کی کتاب میں نے سر ہانے رکھ رکھی ہے اور جب بھی وقت ملے ایک دو ورق سنتا ہوں اور ارادہ ہے کہ مکمل سنوں گا، میری طرف سے عزیزی موصوف کو ضرور مبارک باد فرمادیں!“

محرری میں صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم لے ناظم دارالمصنفین کی کتاب ”بزم صوفیہ“ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

”سید صاحب کی کتاب ”بزم صوفیہ“ کے تعارف سے دل خوش ہوا، اللہ تعالیٰ ان کی کتاب کو مقبول فرمائے، اور لوگوں کو زائد سے زائد متمتع فرمائے، میں نے فرمائش کی ہے کہ میرے پاس ایک نسخہ وی پی سے بھیج دیں“

دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

۱۵ مکتوب مورخہ ۲۲ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ ۱۶ مکتوب مورخہ ۵ ربیع الثانی ۱۹۸۱ھ ۳ مکتوب مورخہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

”بزم صوفیہ“ کتاب پہنچ گئی، اور باوجود بیماری کے بہت دقت سے سنی۔

## اصابت رائے، دوہینی و دوراندیشی

شیخ کے حلقہ تعارف، بلکہ مسلکِ یونہی سے تعلق رکھنے والے، اور مدراس و معاصر شاخ کے پورے حلقہ میں حضرت شیخ کی اصابت رائے، دوہینی و دوراندیشی مسلم تھی، اور بڑے نازک اور اہم معاملات میں ان کی رائے کو قولِ فیصلہ سمجھا جاتا تھا، راقم سطور کو بھی بارہا اپنے اور دارالعلوم کے اہم اور نازک معاملات میں شیخ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی، اور ان کی اصابت رائے اور معاملہ فہمی کا تجربہ ہوا۔

اس اصابت رائے کا نمونہ یہ تھا کہ مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال پر باوجود ایک حلقہ کی خواہش و تقاضہ، اور جذباتی تعلق کے اپنے تحت جگر عزیز مولوی ہارون کو اپنے والدِ دوا کا جانشین بنانے کے بجائے (جن سے اہل میوات کو جذباتی تعلق تھا) زمانہ کی نراکتوں اور وقت کے فتنوں کے پیش نظر مولانا انعام احسن صاحب کو جانشین بنایا، جو مولانا محمد یوسف صاحب کے مشروع سے شریک کار، دست راست اور مشیر و معاون تھے، اور جو اپنے فہم، تجربہ، علم و عمر کی وجہ سے جماعت اور کام کی صحیح رہنمائی کر سکتے تھے، شیخ کے اس انتخاب اور فیصلہ پر ایک حلقہ نے احتجاج بھی کیا، اور بعض عالمِ دہلی نے شیخ کی اس رائے کو تبدیل کرنے کی کوشش کی لیکن شیخ اس پر مضبوطی سے قائم رہے، اور بعد کے تجربوں نے اور دعوت کی موجودہ ترقی مقبولیت اور عالمگیر وسعت نے ثابت کر دیا کہ فیصلہ و انتخاب صحیح اور حق بجانب تھا۔

اس کے علاوہ مختلف موقعوں پر ان کی اصابت رائے، حقیقت رس نگاہ اور دور بینی نے جماعت کی بہت سے نازک مرحلوں پر رہنمائی کی اور اس کو فتنوں اور انتشار سے بچایا۔

رہا مدرسہ مظاہر العلوم کا معاملہ تو ان کی باریک بینی، حقیقت پسندی اور معاملہ فہمی نے ہمیشہ مدرسہ کے ذمہ داروں اور نظام و اہل اہتمام کی مدد کی اور اس کو بعض غیر ضروری آزمائشوں میں پڑنے اور خطرات و مشکلات سے بچایا، جو غلط و مستعجلانہ فیصلہ سے پیدا ہو سکتے تھے، اس کی تفصیل اور اس کے شواہد و واقعات ”آپ بیتی“ کے صفحات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

## اکرام ضیف

اکرام ضیف اگرچہ تمام بزرگوں اور مشائخ کا شمار رہا ہے، اور ان کے دستِ خوان کی عمومیت و وسعت اپنے اپنے زمانہ میں ضرب المثل رہی ہے، خود شیخ کے دور میں بھی متعدد خانقاہوں، اور دینی مرکزوں میں مہانوں کا جم غفیر رہتا تھا، لیکن شیخ نے حدیث مشہور ”من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکم م ضیفہ“ پر جس اہتمام و توقیر سے اور سرگرمی سے عمل کیا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، انھوں نے سبز بانی و مہانداری کو دین کا ایک اہم شعبہ اور اخلاق و نفسیات کا ایک فن بنا دیا۔

حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن فرمایا کہ ”دو چہرے بڑی عبادت تھیں، ایک نکاح ایک کھانا اب دونوں میں سے لے صحیح بخاری ترجمہ“ تم میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہان کا اکرام کرے۔“

دین و شریعت کے احکام اور ایمان و اخلاص کی روح نکل گئی، کھانے کی یہ اہمیت عظمت اور اس کا عمل و عبادت ہونے کا تصور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے یہاں بکھا میں ایک دن دو پہر کے کھانے میں شریک تھا، ایک صاحب آئے ہوئے تھے، جن سے ان کے سلسلہ و مشائخ کے تعلقات تھے، انھوں نے کھانے میں کسی مقدمہ یا عدالتی قصہ کا ذکر چھیڑا، فرمایا ابھی کھانا کھا بیٹھے پھر شیش گے!

شیخ کے یہاں مہمانوں کی کثرت، کھانوں کے تنوع و افراط ہی پر اکتفا نہیں تھا، بلکہ انھوں نے اکرام ضیف کا ایک تقاضہ یہ بھی سمجھا تھا کہ عزیز مہمانوں کے مرغوبات کا بھی علم ہو، اور ان کے مہیا کرنے کا خاص اہتمام کیا جائے، بیسیوں عزیز و معزز مہمانوں کو اس کا تجربہ ہوا ہوگا، راقم اپنا تجربہ لکھتا ہے کہ جب شیخ کے یہاں میری آمد و رفت شروع ہوئی، اور شیخ کو ان چیزوں کا علم ہوا جو مجھے مرغوب تھیں، اور میں بالعموم اپنے مستقر پر ان کا عادی تھا، ان کا میری آمد سے پہلے اہتمام شروع ہو جاتا تھا، ممکن نہ تھا کہ دسترخوان ان سے خالی ہو، اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ایک مرتبہ میں نے غلطی سے یہ لکھ دیا کہ میرا آج کل مرض نفرس کی وجہ سے گوشت سے پرہیز ہے، شیخ نے یہ خط پڑھ کر بالوبابا زحمت سے جن کا نظام الدین میں ہوٹل ہے، اور وہ اتفاق سے آئے ہوئے تھے، دریافت کیا کہ ترکاری سے کتنے کھانے تیار ہو سکتے ہیں؟ انھوں نے دو چار بتائے، شیخ کو اس پر اطمینان نہیں ہوا، گھر کی بچوں سے دریافت کیا، انھوں نے آٹھ دس بتا دیے، شیخ بہت خوش ہو، اور سب کو تیار کرنے کا حکم دیا، اس سے بڑھ کر یہ کہ گوشت سے (جس کے بغیر وہ کھانا نہیں کھا سکتے تھے) جب تک میرا قیام رہا دست کش رہے، اور سبزی پر اکتفا کرتے رہے!



یہ تو خدام کے ساتھ تعلق کی ایک مثال تھی، مشائخ اور بزرگوں کے ساتھ جواہر اہتمام ہوتا ہوگا، اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مہمانوں کی تعداد کبھی سیکڑوں تک اور رمضان میں ہزاروں تک پہنچ جاتی، لیکن اس سے کوئی بدظمی، اضطراب و انتشار پیدا نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مولا نا نصیر الدین صاحب کی شکل میں ایک مخلص معاون عطا فرمادیا تھا، جو ان سب کے کھانے کا انتظام کرتا، کھانا مدرسہ کے باورچی خانہ سے پک کر آتا اور مخصوص مہمانوں کے لئے کچھ کھانے گھر سے بھی پک کر آتے، شیخ دسترخوان کی پوری نگرانی فرماتے، مہمانوں کو علی حسب مراتب "انزلوا القوم منازلہم" پر عمل کرتے ہوئے، ترتیب سے بٹھاتے، ان کے مرغوبات کو ان کے سامنے رکھتے، اگرچہ دسترخوان پراول سے آخر تک بیٹھے رہتے، ایک جماعت (جس کو شیخ کی اصطلاح میں پیڑھی کہا جاتا تھا) فارغ ہوتی، دوسری جماعت آتی، شیخ اپنی پوری دلچسپی و مستعدی کا اظہار فرماتے، لیکن غور سے دیکھنے والے ناظر لیتے کہ شیخ نے بہت کم تناؤ دل فرمایا ہے۔

اس دسترخوان کے آداب میں یہ بھی تھا کہ جس کے سامنے جو چیز رکھی جائے، یا جس کو چائے کی پیالی پیش کی جائے وہ دوسرے کی طرف نہ بڑھائے، اس لئے کہ اس سے بعض اوقات انتظام کرنے والوں کو غلط فہمی ہوتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ فلاں شخص فارغ ہو گیا، حالانکہ اس نے دوسری کو تواضع کر دی، اور خود محروم رہا، اس موقع پر حضرت شیخ فرماتے کہ یہاں کا انتظام یہاں والوں کے ہاتھ میں ہے، آپ کو اگر انتظام کرنا ہے تو اپنے گھر جا کر کیجئے گا، تجربہ سے اس میں بڑی مصلحت معلوم ہوئی، بعض وقت حضرت شیخ کی اس روک ٹوک سے بعض رئیسانہ مزاج والوں کو گرانی بھی ہوئی، لیکن شیخ مفاد عامہ میں اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

## مدارس دینیہ سے گہرا تعلق

شیخ کی ساری تعلیم و تربیت، ذہنی و اخلاقی نشوونما، اور اکتساب علم و کمال سب (ایک عربی دینی) مدرسے کے اندر یا مدرسہ کے ماحول یا مدرسہ سے تعلق رکھنے والوں اور اس کو اپنے قلب و جگر اور اہل و عیال سے زیادہ عزیز رکھنے والوں کے آغوش میں ہوا تھا، پھر انھوں نے ایک مثالی مدرسہ (مظاہر العلوم) کا وہ زیریں دؤر دیکھا تھا جب منتظیلین و اساتذہ مدرسہ اخلاص و لہمیت، ایشار و قربانی اور زہد و ورع کا سپر، اور طلبہ طلب صادق، انقطاع و یکسوئی اور طلب علم میں انہماک و جانفشانی اور اپنے اساتذہ سے محبت و عقیدت اور اطاعت و انقیاد کا نمونہ ہوتے تھے، اس لئے مدرسہ ان کی فکر و توجہ کا مرکز ان کے تخیلات و توقعات کا مسکن، اور ان کی روح کا نشیمن بن گیا تھا، اور وہ اس کو علوم دینیہ کے بقا، مسلمانوں کی صحیح دینی رہنمائی، ان کو فساد و عقیدہ اور فسادِ عمل سے بچانے کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے، حقیقت میں انھوں نے ”آپ بٹی“ کا سلسلہ مدارس کے اسی دور کی یاد تازہ کرنے، اور انھیں خصائص کو دوبارہ پیدا کرنے کے خیال سے مرتب فرمایا، اور یہی مضمون ہے، جو اس کے زیادہ تر صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

اسی لئے ان کو تمام مدارس دینیہ سے جو صحیح مسلک پر قائم تھے، بہت گہرا قلبی تعلق تھا، وہ ان میں کسی انتشار و اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اور شاید کبار کے بعد جس چیز سے شیخ کو سب سے زیادہ نفرت تھی، اور اس پر غصہ آتا تھا وہ کسی عربی مدرسہ میں طلبہ کی اس طرغ و تکبر تھی۔

لیکن بمصداق ایک عربی شعر کے ہے

مآكل ما يتخلى المرء مذكر

تجری الرياح بما لا تشتهي السفن

زمانہ کے فساد اور ماحول کی انتشار انگیزی کا اثر ان قدیم مدارس پر بھی پڑا، اور وہاں بھی احتجاجوں، اور اسٹراٹکوں کا دور شروع ہو گیا، ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ء) میں دارالعلوم دیوبند میں اسٹراٹک ہوئی، اور عرصہ تک انتشار و ہنگامہ رہا، شیخ نے ان حالات سے متاثر ہو کر مجلس شوریٰ سے استعفاء دے دیا، اور آخر تک اس پر قائم رہے، لیکن افسوس ہے کہ ۱۳۸۲ھ میں خود مظاہر العلوم میں اسٹراٹک ہوئی، شیخ کے دل پر اس سے بڑی چوٹ لگی، وہ اس موقع پر اکثر یہ شعر پڑھتے اور دوستوں اور عزیزوں کو خطوط میں لکھتے تھے

وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسمان دیکھے

کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت راہیگاں دیکھے

مدرسہ مظاہر العلوم ہی میں نہیں، شیخ کو اسٹراٹک سے خواہ وہ کسی دینی مدرسہ میں ہو، سخت کراہیت و نفرت تھی، اور وہ ان طلبہ کو جو اسٹراٹک میں قائم رہنا چاہتے تھے، کسی رعایت، حسن ظن و اعتماد اور کسی دینی اعزاز کا اہل نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ وسطیٰ ۱۳۹۰ھ جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اسٹراٹک کی ان کو خبر ملی، تو ان کو اس سے بھی صدمہ ہوا، اور وہ کبھی ان طلبہ سے مندرجہ نہیں ہوئے، جن کے متعلق ان کو کسی ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ انہوں نے اس اسٹراٹک میں حصہ لیا تھا۔

مسلمات کے موقع پر بھی بعض وقت لکھ لگا دیا گیا، یا اعلان کیا گیا کہ جو لوگوں

کسی مدرسہ میں اسرارِ ایک میں حصہ لیا ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، اجازت دینے میں بھی ہمیشہ اس کا لحاظ رکھا گیا کہ جس نے کبھی اسرارِ ایک میں تھوڑا بہت حصہ لیا ہے، اس کو ہرگز یہ شرف نہ عطا کیا جائے، بلکہ ان کو اپنے حلقہء ارادت میں بھی لینے سے — انکار تھا، ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں ایسے سوراؤں سے بیعت کا تعلق بالکل نہیں رکھنا چاہتا۔ افسوس ہے کہ حضرت شیخ کے دل پر زندگی کے آخری دور میں دارالعلوم دیوبند کے اختلاف و انتشار کا داغ لگا، پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ حجاز کے قیام میں بھی آپ کو اس مسئلہ سے کتنا تعلق خاطر تھا، اپنے ایک مکتوب میں جو اس قضیہ کے اپنے آخری حدود سے پہلے کا لکھا ہوا ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”دیوبند و سہانپور کا ہر وقت فکر ہے کہ میرے بڑوں کے دعوایہ ہیں، کتنے صلاح و فلاح سے اکابر نے لگایا تھا، اور ہم ناخلفوں نے اس کو کس طرح برباد کرنا شروع کر دیا۔ فاولیٰ اللہ المشتکی، بڑوں کی نصیحت تھی کہ — تکملاً صراطِ رُجہ کا یہ پھلے گا اور پھولے گا، اور جب اخلاص نہیں رہے گا، برباد ہو جائے گا، اس کا منظر اب سامنے آ رہا ہے۔“

اس کے بعد ۲۴ رمضان ۱۳۲۸ھ کے خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

”آپ سے ملنے کو، اور دیوبند کے متعلق گفتگو کو بہت جی چاہ رہا ہے، جب ادھر سے کوئی آتا ہے تو بغیر پوچھے مجھ سے نہیں رہا جاتا، اور سن کر طبیعت مکر رہی ہوتی ہے، کاش یہ حضرات حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی وغیرہم کی سوانح عمریاں ہی دیکھ لیتے تو اچھا تھا، میرا تو جی چاہتا ہے کہ یہ لوگ

ان حضرات کی سوانح کے علاوہ کچھ اور نہ پڑھیں۔

حجاز کے آخری قیام میں ہندوستان سے کوئی آتا، یا کوئی ایسا آدمی جس کا ان مدارس سے کچھ بھی رابطہ تھا ملتا تو سب سے پہلے دیوبند ہی کے متعلق سوال ہوتا۔ افسوس ہے کہ حضرت شیخ کی زندگی میں یہ معاملہ پورے طور پر روبرو نہ ہوا، ورنہ ان بڑی مسرت ہوتی، امید ہے کہ ان کی دعائیں، اور ان کا سوز دل رنگ لائے گا، اور ان کو اس دنیا میں نہیں تو اس عالم میں دارالعلوم کے اپنے بانیوں کے مقاصد اور اپنے مخلص کارکنوں کے عزائم اور خواہشات کے مطابق دین کی خدمت اور علوم شریعت کی اشاعت کا کام پورے انہماک، یکسوئی، اور تعاون کے ساتھ انجام دینے کی خبر سے مسرت ہوگی۔

اپنے اسلام شائع کے ساتھ وفا شعاری اور خدام و اہلکار کے ساتھ محبت و رکنداری کا تعلق

حضرت شیخ کے حالات و کمالات میں ایک نمایاں وصف اپنے سلسلہ کے مشائخ اور مرہبوں و محسنوں کے ساتھ وفا شعاری، ان کی علمی یادگاروں کی نہ صرف حفاظت، بلکہ زیادہ سے زیادہ اشاعت، علمی دنیا میں ان کے تعارف اور ان کے علمی و دینی فیوض کے دائرہ کو وسیع کرنے کا وہ بے پایاں جذبہ تھا جس کی نظیر اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے وہ ان کے ایک ایک حرف کو آنکھوں سے لگاتے اور دنیا میں دور دور پہنچانے کے لئے ساعی رہتے تھے۔ اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے حضرت گنگوہیؒ کی بخاری کی تقریرات کو جن کو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے قلم بند کیا تھا "لامع الدراری" کے نام سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع کیا، اس پر خود اپنے حواشی کا اضافہ کیا، اور ایک ناظرانہ و محققانہ مقدمہ لکھا، اور مالک عربیہ میں

اس کے تعارف کی غرض سے اس ناچیز سے بھی کتاب کا عربی میں تعارف اور مقدمہ لکھوایا۔ اسی طرح حضرت گنگوہی کی ترمذی پر تقریرات و تحقیقات کو جو ”لامع الدراری“ کی طرح مولانا محمد یحییٰ صاحب کی قلم بند کی ہوئی تھی ”الکوکب الدراری علی جامع الترمذی“ کے نام سے طبع اور شائع کروایا، اس پر بھی مقدمہ لکھنے کا مجھے امر ہوا۔

جہاں تک حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی معرکۃ الآراء کتاب ”بذل المجدود“ کا تعلق ہے، اس کی طبعیت ان کا تصور حضرت شیخ پیرایہ غلہ تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی طباعت کی تکمیل کے بغیر ان کو چین ہی نہ آئے گا، جو لوگ اس کام میں ذرا بھی حاسی و شریک رہتے، ان کو حضرت شیخ کی خاص دعائیں اور خوشنودی و انتفاع حاصل ہوتا، یہ سب اپنے اسلاف و اساتذہ و مشائخ کے وفادارانہ و عاشقانہ تعلق کا کرشمہ تھا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خود شیخ کی مقبولیت و ترقی میں بھی اس کو خاص دخل تھا۔

اپنے بزرگوں کے ان آثار علمیہ کی حفاظت و اشاعت کے علاوہ ان کے حالات و سوانح کی تدوین اور اشاعت کی طرف بھی پوری توجہ اور اس سے پوری دلچسپی اور دل بستگی تھی، اس سلسلہ میں عزیز سعید مولوی محمد ثانی مظاہری ندوی کو حکم ہوا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی سوانح نئے طرز تصنیف اور نئے مواد کے ساتھ مرتب کریں، اللہ نے عزیز موصوف کو اس کی توفیق دی، انھوں نے ”حیات خلیل“ کے نام سے ۱۳۹۶ھ (۱۹۷۶ء) میں اس کی تکمیل کی، مؤلف موصوف اس کو جستہ جستہ حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجتے رہے، حضرت شیخ ان کے نام تحریر فرماتے ہیں:-

”بعد سلام مسنون، تمہاری تالیف ”حیات خلیل“ کا مسودہ مدینہ پاک میں پہنچا کر

موجب سرت ہوا تھا، میں اس کو سن کر وہاں سے ہی واپس کرتا رہا، اللہ تعالیٰ

تمہاری اس محنت کو قبول فرما کر دارین کی ترقیات کا ذریعہ بنائے، ماشاء اللہ  
تم نے بڑی محنت و کاوش سے حالات تحقیق کے بعد جمع کئے:

حضرت شیخ ہی کے ایام پر پرنیزی سید عبداللہ حسنی (ابن محمد الحسنی مرحوم) نے عربی  
میں اس کی تلخیص اور تخریب کی اور ۱۳۹۵ھ ۹۶۶ء کو عربی رسالہ بھی شائع ہوا۔

حضرت مولانا محمد ایاس صاحب<sup>۱</sup> اور حضرت مولانا عبد القادر صاحب<sup>۲</sup> پورچ  
کی سوانح حیات کی ترتیب میں بھی حضرت شیخ کا ایام، مشورہ اور رہنمائی اول سے آخر تک  
شامل رہی، اور اس میں بھی اسی وفا شعار کا جذبہ کام کر رہا تھا، جو ان کے خیر و ضحیر  
میں ودیعت تھا، پھر حضرت شیخ کے حکم و ایام ہی پر پرنیزی محمد ثانی سلمہ نے مولانا محمد یوسف  
صاحب کی ضخیم یادگار سوانح، پھر ان کے جواں سال و جواں مرگ فرزند مولوی محمد ہارون  
کی مختصر سوانح تصنیف کی، اور حضرت شیخ کی خاص دعائیں، اور خوشنودی کا پروانہ  
حاصل کیا۔

یہ بات صرف اپنے مرئی و محسنوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی، جو شخص بھی شیخ کے کسی  
کام میں ذرا بھی اعانت کر دیتا، اس سے کچھ بھی سہولت حاصل ہوتی، تو اس کے ساتھ  
تشکر و امتنان کا ایسا بڑاؤ کرتے کہ وہ خود شرمندہ ہوتا، ۸۹ھ کے سفر حجاز میں خدام  
کے لئے ویزہ ملنے میں راقم سطور نے اپنے تعلقات کی بناء پر کچھ خدمت کی سعادت  
حاصل کی تھی، اور ان خدام کی وجہ سے حضرت شیخ کو قدرتا سہولت و راحت حاصل  
ہوئی تھی، اس پر حضرت شیخ نے اس ناپہیز کے نام حجاز سے جو خط لکھا، اس کو پڑھ کر  
اب بھی راقم پانی پانی ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں:-

”اس میں نہ ذرا مال نہ ہے اور نہ ذرا قطع کہ اس مرتبہ حاضری کے بعد سے کثرت سے صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے ساتھ ساتھ رفع مراتب و درجات عالیہ کے لئے بہت ہی اہتمام سے اور بہت ہی کثرت سے دعائیں کرتا رہا، لکھتے ہوئے تو شرم آتی ہے لیکن اس مرتبہ کی حاضری کا سہرا صرف جناب کے سر ہے اس لئے اگر اس حاضری میں اعمال حسنہ ہو بھی گئے ہوں تو انشاء اللہ اس کے ثواب میں آپ کی شرکت بغیر کہ ہے احسان کے بدلہ میں دعائیں ہی کر سکتا تھا، اور ”من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ“ کی بناء پر آپ کی خدمت میں عرض بھی کر دیا۔“

یہی حال کم و بیش سب کے ساتھ تھا، جہاں تک دعاؤں کا تعلق ہے، ایک مرتبہ فرمایا کہ اس مرتبہ حجاز کا حرم شریف میں بچپن کے پرانے پرانے لوگ یاد آئے، کا نہ دھلے میں یکے پھر مانگے آتا تھا، رایہ فرمایا کہ ایک شخص راستہ میں بیٹھا رہتا تھا، وہ بھی یاد آگیا، تو میں نے اس کے لئے بھی دعا کی، شیخ کی انھیں شفقتوں اور نوازشوں کو دیکھ کر اس پر انرجی کی تصدیق ہوتی تھی، اولئذا قوم لا یشفی بہم جلسہم“ (یہ وہ حضرات ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔)

### شفقت و تعلق

شیخ کی طبیعت میں (صحیح النسبت مشائخ اور تابعین رسولؐ کی سنت کے مطابق) اہل تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت و ولایت ہوئی تھی، جو بعض اوقات ماں کی شفقت کی یاد تازہ کر دیتی تھی، اور ایک نکتہ شناس مہمان نے چند دن اس شفقت کا



تناشہ دیکھ کر اور مزہ چکھ کر گھر جا کر ایسے ہی خط لکھا تھا جس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا تھا، اس شفقت و تعلق کا تجربہ مسیوں خدام و اہل تعلق کو ہوا ہوگا "بحسب کل جلیس ائمہ اکرم علیہم من صاحبہ" و اتم سطور (معذرت و شرمندگی کے ساتھ) اپنے چند واقعات بیان کرتا ہے، جن سے اس شفقت کا کچھ اندازہ ہوگا۔

جب راقم کو نزول الماء، (مونیا پنڈت) اور ایک آنکھ کے آپریشن کی ناکامی کی وجہ سے ضعف بصارت کا عارضہ لاحق ہوا تو فرمایا کہ میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم خواہ حجاز کا ہو، خواہ یورپ و امریکہ، خواہ اندرون ملک کا کوئی سفر تنہا نہ کرو گے، اپنے داعیوں کو بے تکلف لکھ دیا کہ میرے ساتھ دو رفیق ضروری ہیں، اگر وہ دو کا انتظام نہ کر سکیں تو ایک کی بہر حال شرط ہے، اگر ان کو غرض ہوگی، تو سوار بلائیں گے، نہیں تو شاخیر باسلامت" خبردار اس میں مختلف نہ ہو، ایک مرتبہ راقم نے حیدر آباد کا تنہا ہوائی سفر کیا، وہاں ایک صلبہ میں سیرت پر تقریر کرنی تھی، اور صرف دو دن ٹھہرنا تھا، ساتھیوں نے دہلی کے ہوائی اڈہ پہنچا دیا، حیدر آباد کے دوستوں نے وہاں اتار دیا، پھر سوار کر دیا، شیخ نے ساتھ مجھ سے جواب طلب کیا، اور فرمایا کہ میری ممانعت کے باوجود یہ سفر تنہا کیوں کیا گیا؟ بعض مرتبہ مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ ساتھ حاضری ہوئی، رات کا وقت تھا، بھائی سعدی کے مکان پر پہنچ کر مجھے حکماً ٹا دیا کہ آٹکھ میں تکلیف رہتی ہے، اور تا کہید کر دی کہ شور نہ ہو، خود بدولت عمرہ کے لئے چلے گئے، اور فرمایا کہ تم عمرہ کل دن میں کرنا، مدینہ طیبہ کے قیام کے زمانہ میں مجلس ذکر میں جب صبح کو حاضر ہوتا، تو روزانہ کا معمول تھا کہ عین ذکر کی حالت میں ایک چمچ تلے ہوئے انڈے کا، اور ایک خمیرہ کا میرے منہ سے لگا دیا جاتا، اسی زمانہ میں اگر میرا ریاض کا کوئی سفر پیش آتا، تو خدام کو ارشاد ہوتا کہ جتنے دن علی میاں کا

ریاض رہنا ہوا اتنے دن کی خوراک ساتھ کر دو، عرصہ گزر جانے کے بعد جب مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ حاضری ہوتی تو حضرت کو اپنا یہ معمول یاد رہتا، اور خیرہ کے متعلق ہدایت ہوتی مدینہ طیبہ کے قیام میں اگر میرے پاس رابطہ یا جامعہ کی موٹر نہ ہوتی تو شیخ کو برابر فکر رہتی کہ میں پانچوں وقت نمازوں کے بعد اپنی قیام گاہ پر کیسے جانا ہوں، پھر جب حضرت کو اطلاع ملتی کہ اس کا انتظام ہو گیا ہے، جب اطمینان ہوتا، میری دوسری آنکھ کے آپریشن کی حضرت کو مجھ سے زیادہ فکر معلوم ہوتی تھی، اور حضرت ہی کے حکم پر امریکہ میں آپریشن کرانے کا فیصلہ کیا، پھر جب میں نے ٹیکس کے ذریعہ نیویارک سے اطلاع دی کہ یکم جولائی ۱۹۷۷ء کو فلاڈلفیا (امریکہ) میں آپریشن ہونے والا ہے تو حضرت نے اسی وقت حاضرا وقت خدام کو حرم شریف روانہ کر دیا کہ دعا کا اہتمام کریں، اور خود بھی دعا کی طرف متوجہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے آپریشن کامیاب کر دیا، اس طرح کے واقعات خدام کو بکثرت پیش آئے ہوں گے، میں نے اپنے چند واقعات لکھے ہیں کہ ان سے اس شفقت بے پایاں کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

### انقطاع ونبش اور کیسوی کا فطری رجحان اور جذبہ

یوں تو حضرت شیخ نے جیسا کہ صفحات بالا سے معلوم ہوا ہوگا، ساری عمر تدریس و افادہ، مجمعوں اور وار دین صادرین کے ہجوم میں گذاری، اور آخر میں جنوبی افریقہ اور انگلستان کے ایسے سفر کئے، جن میں لوگوں نے پروانہ وار ہجوم کیا، اور مورخ کی طرح امنڈ آئے، اور حضرت شیخ نے اپنی قوتِ عزیمت، عالی ہمتی، اور جفا کشی سے نہ صرف لہو یہ خشاء کے وقت کی بات تھی، وقت کے فرق کی وجہ سے وہ وقت امریکہ میں صبح کا تھا اور اسی وقت آپریشن ہونے والا تھا۔

ان کو نباہا، بلکہ سرگرمی کے ساتھ افادہ و ارشاد میں مصروف رہے، اور ان لوگوں کو  
یُحسوس نہیں ہونے دیا کہ ان کو ہجوم سے وحشت اور جمعیت سے عدم مناسبت ہے۔

لیکن اولاً تو فطری طور پر ثانیاً اس تربیت کے اثر سے جس میں مولانا محمد یحییٰ  
صاحب کی احتیاطوں کو خاص دخل ہے، انشروع ہی سے شیخ کی طبیعت میں کیسوی و گونگر کی  
مرغوب اور پسند تھی، اور یہ ان کے اندر کا تقاضہ تھا، پھر طریق ولایت سے مناسبت نے  
اس میں اور شدت و قوت پیدا کر دی، یہاں پر ان کے بعض مکاتیب اور کتابوں کے  
اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے اس فطری جذبہ کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

”مجھے مجمع سے وحشت ہے، کسی مجمع میں مجھے جانا میرے لئے انتہائی مجاہدہ ہے،  
حتیٰ کہ اپنے کمرہ میں اگر تنہا ہوں، اور کمرہ کی زنجیر کھلی ہوئی ہو، تو اس کی نسبت مجھے  
اس میں زیادہ لطف اور سکون ہوتا ہے کہ اندر کی زنجیر لگی ہو..... جلسہ  
جلوس کی خصوصیت نہیں ہے، مجھے تقریبات میں بھی شرکت سے وحشت ہوتی ہے۔“

قفس دانیم و بس، راہ چن از ما چہ می پرسی

کہ پیش از بال و پر برداشتند از آتش ازلہ

”اپنی جوانی کا زمانہ بہت یاد آتا ہے، جب میں تھا اور میرا کمرہ، نہ کوئی آدم نہ آدم زاد،  
اس اپنی مندوریوں نے دو تین کا تو مجھے خود محتاج بنا دیا، کہ زنجیر کی زد کے اٹھ کر بیٹھا  
کرنا بھی مشکل ہے، اور اس پر ہر وقت کا ہجوم و وحشت میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔“

بارغ میں لگتا نہیں جنگل میں گھبراتا ہے دل

کس جگہ لے جا کے بیٹھیں ایسے دیوانہ کو ہم



پر بھی عمل نہیں ہو سکتا۔

”اب تو بہت دن سے بیعت کو واقعی دل نہیں چاہتا، اللہ کا شکر ہے کہ سلسلہ کے بقا کے لئے بہت سے احباب جو مجھ سے ہر طرح سے افضل ہیں، پیدا ہو گئے ہیں۔ اب تو ایسا اوقات یثرب بھی زبان پر آ جاتا ہے۔“

احمد تو عاشقِ بمشغیتِ نزار چہ کار

دیوانہ باش سلسلہ شد نہ شد نہ شد

سلسلہ باقی رہنے کے لئے تو اسباب پیدا ہو چکے ہیں، اب تو میرے لئے کوئی گوشہٴ عافیت ہی تجویز فرمائیں۔

## شعری و ادبی ذوق

حضرت شیخ کے متعلق (جنھوں نے ایک خالص ثقہ و متین علمی و دینی ماحول میں پرورش پائی تھی) اور جن کا شمار وڈنار درس و تدریسِ حدیث کا مشغلہ تھا) مشکل سے باور کیا جاسکتا ہے کہ ان کا شعری و ادبی ذوق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھا، اور ان کو بلا مبالغہ سیکڑوں عربی، فارسی، اردو کے اشعار یاد تھے، اور وہ اپنے خطوط، رسائل و تصنیفات میں ان کا نہایت بر محل استعمال فرماتے تھے، خود بیان فرمایا کہ ”ایک مرتبہ (آغازِ جوانی میں) ایک دوسرے قصبہ میں شب کو جانا ہوا، جہاں کچھ بے تکلف دوست جمع تھے، وہاں عشاء کے بعد بیت بازی شروع ہوئی (جو اس زمانہ کے مہذب و زندہ دل نوجوانوں اور قصبیات کے شرفاء کا محبوب و مفید مشغلہ تھا)۔

لے بنام ابوالحسن علی ۲۰ رجب ۱۳۵۵ھ ۲۷ فروری ۱۹۳۷ء بنام ابوالحسن علی۔

اس میں ایسا اہٹاک ہوا کہ کچھ پتہ نہ چلا کہ رات کتنی گئی، اچانک اذان کی آواز آئی تو خیال ہوا کہ کسی نے بے وقت اذان کہہ دی، ابھی تو میٹھے ہی تھے، معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو گئی اور یہ فجر کی اذان تھی!

یہاں پر صرف ان خطوط سے جو مصنف کے نام لکھے گئے ہیں اور آپ بیتی سے اردو کے چند اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں، جن سے شیخ کے اعلیٰ شعری وادبی ذوق کا کچھ اندازہ ہوگا، اور معلوم ہوگا کہ شیخ کا ذہنی و علمی نشوونما اور مذاق اس ماحول سے بالکل مختلف تھا، جن کے متعلق کبھی کسی دل سوختہ شاعر نے کہا تھا کہ۔ ع

شعر من بدر سے کے بر د؟

ان ابیات کو حذف کر دیا گیا ہے، جو کسی تقریب سے اس کتاب میں آگئے ہیں۔

وہ لکھیں گے تجھے خط کا جواب لے لگا لکھنا یہ تو نے خواب دیکھا یا کہ مضمون خیالی ہے

پھر وہی کج نفس اور وہی صبا گھر چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل

یاں اب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں واں ایک خامشی مرے سبکے جواب میں

میں گور ہا رہیں ستمہائے روزگار لیکن تمہاری یاد سے غافل نہیں ہا

رفتنہ رفتہ راہ و رسم دوستی کم ہو تو خوب ترک کرنا خط کتابت یک قلم اچھا نہیں

آہند لبیل کے کریں آہ و زاریاں تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

نہ خنجر اٹھے گانہ شمشیر ان سے یہ بازو میرے آزار ہائے ہوئے ہیں

شبصال میں خوف سحر ابھی سے ہے صبح ہے دور میرا رنگ فانی ابھی سے ہے

ان خط کی آرزو ہے ان کی آمد کا خیال کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبار انتظار

مدت سے لگ رہی تھی لب لبامنگ ملکی تھک تھک کے گر گئی نگہ انتظار آج

رہ گئی بات کٹ گئی شب بھر تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی  
 وصل کی ہنسی ہلان باؤں تیریں کیسے آرزوں سے پھر کرتی ہیں نقدیر کیسے  
 اتفاقات یا رتھا اک خواب آغاز وفا سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیر کیسے  
 مرین عشق پر رحمت خدا کی مریض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی  
 چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساں نکلا  
 ان کے دیکھ سے جو آجاتی ہے منہ پر وقت وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے  
 آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں محو صبرت ہوں کہ دنیا کیسے کیا ہو گیا  
 باغیاں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے جن پہ نیکہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے  
 بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو حیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا  
 دکان سے فروش پہ سالک پڑا اچھا گذر گیا رمضان بادہ خوار کا  
 کیا کہوں جو اُت کہ کچھ بھانا نہیں کچھ تو بھایا ہے جو کچھ بھانا نہیں  
 وہی قاتل وہی خجروہی ہے نصف اقربا میرے کریں خون کا جو کسی کشت  
 گرے میری نظروں سے خوبان عالم پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی  
 دیرو حرم میں روشنی شمس فرسہ ہو گیا مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کرو  
 دید بلی کے لئے دیدہ مجنوں ہے ضرور میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تاشا کا  
 تنہا درد دل کی ہے تو کہ خدمت فقیر کی نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کی فرینوں میں  
 سرخ و ہوتا ہے انسان چلو کر کھانے کے بعد رنگ لاتی ہے حنا پتھر سے پس جانے کے بعد  
 گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ تر بھی اے ابر کرم بحر سخا کچھ تو ادھر بھی

لے مندرجہ بالا اشعار ان خطوط سے اخذ کئے گئے ہیں جو مصنف سوانح (ابو الحسن علی) کے نام ہیں

تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے در تری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے  
 خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے  
 شاید اسی کا نام محبت ہے شیفترہ اک آگ سی ہے دل میں برابر لگی ہوئی  
 وصل ہو یا فراق ہو غالب جاگنا ساری رات مشکل ہے  
 کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے کسی کی شب بھجروٹے کٹے ہے  
 ہماری بھی شب کیسی شب ہے الہی نہ روتے کٹے ہے نہ سوتے کٹے ہے  
 مت آیو وہ وعدہ فراموش نہ ابھی جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی





# باب ۱۰

## تصنیفات رسائل پر ایک نثر

تصنیفی ذوق اور اہم علمی تحقیقی تصنیفات

درس و تدریس کے انہماک، ذکر و نوافل کی کیسوئی، مہانوں کی کثرت اور وار دین و صادرین کے ہجوم کے باوجود شیخ کی طبیعت میں شروع ہی سے تصنیفی ذوق اور تحریری کام میں انہماک و دلچسپی تھا، اور جب پہلی دفعہ مشکوٰۃ پڑھا ہے تھے (جو سوال ۱۷۱ء میں شروع ہوئی تھی) تو ۲۲ ربیع الاول کی شب میں ۱۲ بجے حجۃ الوداع پر لکھنا شروع کیا، اور ایک دن ڈیڑھ رات میں شب کی صبح کو پورا کر لیا، خواب میں ایک اشارہ کی بناء پر، ارجمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ بروز چار شنبہ "جزء العمرات" کی تالیف شروع ہوئی، اور ۱۵ رجب ۱۳۹۹ء یوم جمعہ کو ختم ہو گئی۔

واضح رہے کہ یہ رسالہ حجۃ الوداع جو ایک دن ڈیڑھ رات میں لکھا گیا ہے، علمی، معنوی اور اپنے مواد و معلومات کے لحاظ سے "بقامت کہتر و بقیمت بہتر" کا مصداق ہے، اور اس کے اندر اس موضوع پر اتنا محی ثنائہ و محققانہ مواد آگیا ہے، جس کو دیکھ کر (اگر کسی کو بتلایا نہ جائے) یہ خیال بھی نہیں گذر سکتا کہ یہ ایک دن ڈیڑھ رات میں

پورا ہوا ہے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس وقت شیخ کی عمر ۲۷ سال کی تھی، اس میں خواہشی کا اضافہ بعد میں کیا گیا ہے، لیکن متن اسی وقت تیار ہو گیا تھا، ۱۳۹ھ میں جب انھوں نے علی گڑھ میں آنکھ کا آپریشن کرایا، اور کسی نئی تصنیف کا موقع نہ رہا، تو ان کو یہ پرانی کتاب یاد آئی اور انھوں نے اس میں کہیں کہیں رجال کی تفصیل اور قابل توضیح چیز کی توضیح فرمائی، اور جہاں طویل عبارتوں کا حوالہ دیا گیا تھا، ان کو نقل کروادیا، جن خطا کے نام آئے تھے، ان کا تعین اور تشریح فرمائی، اور اس میں اپنے بعض خورد سال نیاز مندوں سے بھی مدد لینے میں تامل نہیں کیا، جو اہل علم اور تحقیق کا شیوہ ہے، اس موقع پر عمرات نبوی کی بحث، ان کی تعداد اور تحدید کی تحقیق، اور ان سے فقہی احکام کا استخراج بھی فرمایا، اس طرح یہ رسالہ اس موضوع پر کافی و شافی بن گیا، اور اس کو اس موضوع پر ایک چھوٹا سا دائرۃ المعارف کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح ”خصائل نبوی شرح شائل ترمذی“ جیسی مہتمم باشان اور بابرکت کتاب اس طرح تالیف ہوئی کہ دہلی کے دو یا تین دن کے قیام میں جب ”بذل الجہود“ کے پروفوں کے دیکھنے سے فرصت ملتی، اس کی تالیف میں مشغول ہو جاتے، ۱۳۳ھ میں اس کی تالیف شروع ہوئی، اور جمادی الثانیہ ۱۳۴ھ شب جمعہ میں پوری ہوئی۔

ان دونوں کتابوں کے برخلاف جو نہایت مختصر عرصہ اور کسی بڑے کام کے درمیان کی فرصتوں اور وقتوں کے درمیان لکھی گئیں، شیخ کی وہ تصنیفات بھی ہیں جن کو انھوں نے طویل عرصہ کے انہماک، مطالعہ اور تحقیق سے مرتب فرمایا، ان میں سب مہتمم باشان کتاب۔

۱۔ یہ رسالہ خوبصورت عربی ٹائپ میں چھپا، ابتداء میں شیخ کے حکم سے راقم سطور کا بسیط مقدمہ بھی ہے

بعض عربی رسائل میں اس پر بہت اچھا تبصرہ نکلا۔ ۲۔ آپ بیتی ۲۷ ص ۱۳۱

اور ان کا علمی و تصنیفی کارنامہ "وجز المسالك شرح مؤطا الامام مالک" ہے جو کچھ ضخیم جلدوں میں ہے، اس کتاب کی بسم اللہ انھوں نے ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۸۵ھ کو اقدام عالمیہ میں عیڑ کر رکھی، اور تیس سال سے زائد اس کی تالیف میں لگ گئے، میں نے علامہ حجاز مفتی مالکیہ سید علوی مالکی سے جو نہ صرف حجاز کے بلکہ اپنے دور کے نہایت فخر اور وسیع نظر عالم تھے، اور جز کی تعریف سنی، وہ اس پر تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ خود مالکیہ کے اقوال و مسائل کا اتنا گہرا علم، اور اتنی صحیح نقل موجب حیرت ہے، وہ فرماتے تھے کہ:

"اگر شیخ ذکر یا مقدمہ میں اپنے کو حنفی نہ لکھنے تو میری کسی کہنے سے بھی ان کو حنفی نہ مانتا، میں ان کو مالکی بتاتا، اس لئے کہ اور جز المسالك میں مالکیہ کے جزئیات اتنی کثرت سے ہیں کہ ہمیں اپنی کتابوں میں تلاش میں دیر لگتی ہے۔"

مالکی علماء و قضاة نے اس کتاب کی بڑی قدر دانی کی، امارات خلیج کے رئیس انقضا (جو مذہب مالکی کے بڑے عالم ہیں) شیخ احمد عبدالعزیز بن مبارک نے بھی اس کی طباعت و اشاعت سے بڑی دلچسپی لی۔

اور جز کے شروع میں نوٹس صفحے کا ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں فن حدیث کے تعارف و تاریخ اور تدوین حدیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، پھر کتاب اور صاحب کتاب امام مالک کا مفصل تعارف اور ان دونوں کی خصوصیات و امتیازات کا مفصل تذکرہ ہے، نیز اس کے شروع اور بعد بعد خدمات، اس کے ساتھ امت کے اعتناء کا ذکر ہے، پھر اپنے مشائخ اور سلسلہ ولی اللہی کے اسانید کی تفصیل، پھر اس سب کے بعد امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ اور ان کی محدثانہ حیثیت و درجہ، اور ان کے اصول و مسلک کا تذکرہ ہے،

لے آپ بمقام ۱۳۵۷ھ و ۱۳۵۸ھ میں ان کو علامہ انور شاہ کشمیری سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

پھر متفرق فوائد قواعد اور ہدایات و توضیحات ہیں۔

”لامع الدراری“ (جو اصلاً حضرت گنگوہیؒ کی تقریرات بخاری، اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کے حواشی کا مجموعہ ہے) شیخ کے اضافوں اور تشریحات کی وجہ سے حدیث کے طالب علموں اور مدرسین کے لئے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ بن گیا ہے، اس سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں، جن کی قدراہل درس ہی کر سکتے ہیں، کتاب کے شروع میں بڑی تختی ۲۶×۱۷ پر ایک سو باون<sup>۱۵۲</sup> صفحے کا فاضلانہ مقدمہ ہے، جس میں نہ صرف امام بخاری اور ان کی نادر روزگار ابجارج الصبیح کے مختلف گوشوں مباحث و مسائل پر بسوط کلام ہے، اور اس میں وہ معلومات، فوائد و نکات جمع کر دیئے گئے ہیں، جو اصول و رجال، اوزنہ کردوں کے ہزاروں صفحات میں منتشر ہیں، بلکہ مراتب کتب حدیث، ابواب حدیث، تقریر و اجتہاد، اور احناف کے دفاع کے سلسلہ کی وہ تحقیقات بھی جمع کر دی گئی ہیں، جن سے یہ مقدمہ طالبین علم حدیث، بالخصوص حنفی المسلك علماء کے لئے ایک اچھی بیاض (علمی کشتول بن گیا ہے) اس میں شیخ کی بعض ذاتی تحقیقات، ان کے طویل درس حدیث کے وسیع مطالعہ کا پتہ بھی آگیا ہے، پہلی جلد اس بڑی تختی پر مع مقدمہ کے پانچ سو بارہ<sup>۱۵۳</sup> صفحات پر تمام ہوئی ہے، دوسری جلد بھی اسی سائز پر اتنے ہی صفحات پر تمام ہوئی ہے، اور کتاب الجہاد تک پہنچی ہے۔

اسی طرح ان کا رسالہ ”الابواب والتراجم للبخاری“ ان کے تحقیقی ذوق اپنے

مشارح حدیث سے محبت اور ان کے علوم کی حفاظت کا نمونہ ہے، یہ رسالہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دہلویؒ کے رسائل و تحقیقات کا مجموعہ ہونے کے علاوہ ابواب و تراجم کے سلسلہ میں ان اصول و

قواعد پر حاوی ہے، جو حافظ ابن حجر، قسطلانی، حافظ عینی کے شروح میں آئے ہیں، پھر ان میں ان اصول و قواعد کا اضافہ کیا ہے، جو ان کے ذوق و تحقیق اور طویل اشتغال و غیر و قاتل کا نتیجہ ہیں، اس طرح ان اصول و قواعد کلیہ کی تعداد ستر تک پہنچ گئی ہے ہمارے علم میں اتنا احتواء کسی کتاب میں نہیں کیا گیا "والغیب عند اللہ" جو لوگ جانتے ہیں کہ بخاری کے ابواب و تراجم میں کتنے لطائف و نکات اور دقائق شامل ہیں، اور اساتذہ و مدسین کو اس سلسلہ میں کیا ہفت خواں سر کرنا پڑتا ہے، وہ اس کتاب کی افادیت و اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں۔

یہ چار کتابیں جو سب فن حدیث اور اس کے اہمات کتب سے تعلق رکھتی ہیں، شیخ کو اپنے عہد کا (کم از کم علوم حدیث میں) عظیم مصنف بنانے اور اس کے محققین میں شامل کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اسی طرح حضرت گنگوہیؒ کی ترمذی کی تقریرات پر (جو شیخ کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب نے قلم بند و مرتب کی تھیں) ان مزید فوائد کا اضافہ کیا، جو دوسری شرح حدیث میں پائے جاتے تھے، اور کتاب پر مفید حواشی چڑھائے، جن میں بہت سی نادر علمی تحقیقات و تنقیحات آگئی ہیں، اور جو طویل عرصہ تک درس حدیث اور اشتغال بکتب الحدیث سے ان کے ذہن میں آئے۔

شیخ کا تصنیفی ذوق اور حدیث کی خدمت و اشاعت کا جذبہ ان پر اتنا غالب تھا، کہ بعض اوقات وہ اس کے مقابلہ میں حالات سے بالکل آنکھیں بند کر لیتے،

لے چاروں کتابوں پر ان کے قلم سے عربی میں مفصل مقدمے ہیں، ان میں ان کتابوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

اور بڑی سے بڑی ضرورت کو پس پشت ڈال دیتے، ناچیز کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

”سہ ماہ میں میں نظام الدین میں مجبوس تھا، اور جو حالات تھے، آپ کو یاد ہوں گے، ان حالات میں واپسی کا بالکل ارادہ نہیں تھا، مولوی نصیر الدین نے میرے ساتھ ایک ہوشیاری برقی، مجھے یہ لکھا کہ ایک کاتب مل گیا ہے، اور جو جلد چہارم کی کتابت شروع کرادی ہے، اس کی طباعت پہلے سے شروع تھی، مگر تقسیم کے ہنگامہ میں کاپیاں بھی ضائع ہو گئی تھیں، اور کاغذ جو بڑی مقدار میں خریدا ہوا تھا، غنیمت ہو گیا تھا، اس خط کے پہنچنے ہی میں نے عزیزم مولوی یوسف مرحوم سے اپنی واپسی کا خیال ظاہر کیا، مجھے اس مرحوم کا یہ فقرہ اتنا چھہ رہا ہے کہ بھائی جی، ہمیں اس حال میں چھوڑ کر جاویں گے؟ اور میرا یہ روکھا جواب کہ اب حالات قابل اطمینان ہو چکے ہیں، اب ٹھہرنا اور جز کی وجہ سے بہت مشکل ہے، یہ لمبی کہانی ہے، مگر جب خیال آجاتا ہے، بہت ہی طبیعت کو بے چین کر دیتا ہے، سہانپور پہنچ کر معلوم ہوا کہ صرف منیر صاحب کی ہوشیاری تھی، کاتب وغیرہ کوئی نہیں تھا!“

## تاریخی اور تحقیقی ذوق

حدیث و علوم حدیث شیخ کا اصل ذوق، موضوع، اور محنت و تحقیق کا میدان تھا، اور اس کو وہ تقرب الی اللہ و تقرب الی الرسول کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے تھے

لے مکتوب مورخ حکیم شوال - از مدینہ منورہ -

اور اس کو انھوں نے اپنا شعار و ڈنار بنالیا تھا، یہاں تک کہ شیخ الحدیثؒ کا لقب ان کے نام کا قائم مقام، اور اس سے زیادہ مشہور ہو گیا تھا، اور ان کو یہ کہنے کا حق تھا۔

ما نچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم

الاحدیث دوست کہ تکراری کنیم

لیکن اسی کے ساتھ ان کو تاریخی اور تحقیقی ذوق بھی تھا، جو اس وقت قدیم مدارس عربیہ و دینیہ میں کسی کو خال خال ہوتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے روزنامے میں اور اس کتاب میں جو تاریخ کبیر کے نام سے موسوم کرتے تھے اہم واقعات، سنین و وفات، اور حوادث قلم بند کرتے رہتے تھے، جن سے بعض مرتبہ ایسی معلومات حاصل ہو جاتی تھیں جن کا دستیاب ہونا مشکل تھا۔

اس تاریخی ذوق، اور اپنے مادر علمی مدرسہ مظاہر علوم سے محبت و تعلق کا نتیجہ تھا کہ ۱۳۳۵ھ میں انھوں نے تاریخ مظاہر لکھی، اس میں مدرسہ مظاہر علوم کے قیام و ترقی، بانیوں اور ذمہ داروں کے اصول و طریق کار، اساتذہ و مدرسین کے اخلاص و انہماک، انتظامی اور تدریسی تغیرات، اور کتب درسیہ وغیرہ کی ایسی تفصیلات و جزئیات آگئی ہیں، جو کم مدارس کے متعلق محفوظ ہوئی ہوں گی، کتاب کی ضخامت ۱۶۲ صفحات ہیں، شیخ کا مدرسہ سے ایسا تعلق، اور اس کے حالات سے اتنی واقفیت و شیفقتگی رہی ہے کہ اس کے متعلق یہ مصرعہ لکھنا صحیح ہو گا کہ عی

داستان فضل گل خوش می سراید عنذ لیب

ان کے اس تاریخی ذوق و تحقیق کی آئینہ دار چند کتابیں اور ہیں، ایک

اسے یہ کتاب عرصہ کے بعد ۱۳۹۲ھ میں طبع ہوئی۔

تاریخ مشائخ نجف<sup>۱</sup> جو ۳۵۳ھ کی تالیف ہے، اس کتاب میں سلسلہ عالیہ حشمتیہ کے مشائخ کبار اور شیخ فرید الدین شکر گنج کے بعد اسی سلسلہ کی خاص شاخ (جس سے شیخ اور ان کے مشائخ کا تعلق رہا ہے) سلسلہ صابریہ کے شیوخ کا تذکرہ ہے جو خواجہ علاء الدین علی احمد صابری گھیری سے لے کر مولانا خلیل احمد صاحب پڑتھی ہوتا ہے جن لوگوں کی سلاسل اور ان کے شیوخ کے تذکروں پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان کی سوانح اور حالات کی کڑیوں کے جمیع کرنے میں تذکرہ نگاروں کو کیسی دقت پیش آتی ہے شیخ الرب والعم ستیجی امداد<sup>۲</sup> بابو ملک کے بعد ان کے قلم کو وسیع میدان ملا، اور انھوں نے تفصیل سے اپنے قریبی مشائخ کے حالات لکھے۔

دوسری کتاب جس میں ان کا تاریخی ذوق نمایاں طور پر نظر آتا ہے وہ ان کا غیر مطبوعہ رسالہ "المؤلفات والمؤلفین" ہے جس میں حروف کتب حدیث وفقہ اور معروف مؤلفین کے حالات، اور وہ حالات جن جن کتابوں میں ملتے ہیں، ان کے حوالے درج کئے گئے ہیں اس کی ابتداء یکم جمادی الثانیہ ۸۷۷ھ کو ہوئی، اور اس کا سلسلہ ۸۸۷ھ تک اس وقت تک چلتا رہا جب تک آنکھیں کام دیتی رہیں، اس طرز کی تیسری تصنیف "الوقائع والذہب" ہے جس میں عہد نبوی خلافت راشدہ اموی دور کے حالات درج کئے گئے ہیں، اس کی پہلی محاذ سے تین جلدیں ہیں اس کی ابتداء ۲۵۵ھ محرم ۸۷۷ھ میں ہوئی تھی، اس کا سلسلہ بھی ۸۸۷ھ تک جاری رہا، ان تاریخی تصنیفات میں شیخ کے تاریخی ذوق کا اظہار ہوتا ہے جو ان کے ماحول اور مشاغل کے محاذ سے ایک امتیازی چیز ہے۔

۱۔ ضخامت میں سو اسی صفحہ، ۳۵۹ھ کے تذکرہ کردہ کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہا زپور سنہ طباعت ۱۳۹۳ھ

۲۔ ۱۰۷۱ھ کے تذکرہ کا آخری کتاب کا آخری موصوفی صاحب مظاہر نے خود حضرت شیخ کے حالات کا مکملہ شامل کیا ہے۔



حجاز کے زمانہ عقیام میں جب وہ چند در چند معذوریوں اور کثیر عواض میں مبتلا تھے، انھوں نے فضائل زبان عربی پر ایک رسالہ لکھوانا شروع کر دیا، اس کی ابتداء ۲۵ صفر ۱۳۹۶ھ قبیل ظہر مسی نبویؐ میں ہوئی، اس رسالہ کی تصنیف میں ان کو ایسا انہماک ہوا اور وہ ذہن و دماغ پر ایسا مستولی ہو گیا کہ انھوں نے مدینہ طیبہ سے اس ناچیز کے نام ایک خط لکھا جس سے اس کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے:-

”ان کے خط کی آرزو ہے ان کی آمد کا خیال کس قدر پھلایا ہوا ہے کاروبار انتظار  
 ”ایک نہایت اہم ضروری مضمون پانچ پچھ خطوں میں لکھوا چکا ہوں، وہ  
 یہ کہ مجھے عربی زبان کی فضیلت پر ایک رسالہ لکھنے کا خیال چار ماہ سے ہو رہا ہے  
 یہ تو یاد نہیں کہ اس کا پس منظر بھی آپ کو لکھوا چکا ہوں، یا نہیں، مگر اس مضمون  
 کی کوئی کتاب یہاں نہیں ملتی جس میں روایات حدیث ہوں، تقریباً دو ماہ  
 ہوئے، جب آپ کی آمد کی پہلی خبر سنئی تھی، اس وقت میں نے دادم دو تین  
 خط لکھوائے تھے، اس مضمون کے کہ آپ کے یہاں کچھ رسائل ندوہ میں  
 یا آپ کے پاس ہوں تو اپنے ہمراہ لیتے آؤں، اور ہمراہ ہی واپس لیتے جائیں  
 نیز عزیزان رابع و واضح کو بھی یہ پیام آپ کے خط میں لکھوا یا تھا کہ کسی آیت  
 کی تفسیر میں درشتور یا کسی اور تفسیر میں روایات ہوں، تو وہ تلاش کر کے اس کے  
 حوالے بھیج دیں، تو میں دو سنتوں سے اس کتاب کو تلاش کرواؤں گا۔“

لے کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محرک ایک خواب تھا جس میں اشارہ نبوی شامل تھا۔

۱۳ فروری ۱۳۹۶ھ

## فضائل و حکایات کے رسائل

یوں تزیین کی کل مطبوعہ و غیر مطبوعہ تالیفات کی تعداد تو سب سے زیادہ ہے لیکن ان تصنیفات میں حکایات صحابہؓ اور کتب فضائل کو تبلیغی جماعتوں کے نصاب میں شامل ہونے اور افادہ عام کی وجہ سے جو مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی، اور ان سے امت کے ایک بڑے طبقہ کو جو فائدہ پہونچا اس کی نظیر کم از کم اردو کی دینی و دعوتی کتابوں میں ملنی مشکل ہوگی، بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے مطبوعہ نسخوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے پھر ان سے جو دینی و علمی نفع پہونچا اس کے بارے میں ایک ممتاز ماصر عالم کا یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے ذریعہ ہزاروں بندگان خدا ولایت کے درجہ تک پہونچ گئے۔

ان کتابوں میں حکایات صحابہؓ کو خاص مقام حاصل ہے، جو اپنی تاثیر و افادیت میں خاص امتیاز رکھتی ہے، یہ کتاب حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری کی فرمائش پر لکھی گئی، وہ عرصہ سے شیخ سے اس کا تقاضہ فرما رہے تھے کہ حضرات صحابہؓ کے احوال سے ان کو عشق تھا، شیخ کا تدریسی و تصنیفی انہماک اس کا موقع نہیں دیتا تھا کہ اچانک شہر میں شیخ کو سخت کمیر کا دورہ پڑا، اور ان کو چند ماہ کے لئے دماغی کام سے روک دیا گیا، وہ بغیر کام کئے رہ نہیں سکتے تھے، اس زمانہ میں انھوں نے ”حکایات صحابہؓ“ لکھی، جو

لے لفظ ہوا آپ بیتی کا آخری حصہ از ۱۳۴۲ تا ۱۳۴۳ اس میں خود حضرت شیخ کی زبان سے تالیفات و رسائل کا تعارف، موضوع اور ان کی ابتداء و انتہاء کی تاریخ ہے، سوانح کے اس باب میں تصنیفات پر عمومی و اجمالی تبصرہ ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۱۲ شربان ۵۵ھ کو مکمل ہوئی، یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی، تبلیغی جماعت کے نصاب کا اہم جزء ہونے کے علاوہ وہ دینی و دعوئی حلقوں کی مقبول ترین نصابی و دعوئی کتاب ہے، زبان سلیس و شیریں، طرز بیان دل نشین، واقعات مؤثر نہ صرف رقت انگیز، بلکہ انقلاب انگیز ہیں۔ شیخ کا بڑا کا زمانہ اور ان کی سعی مشکور فضائل کے رسائل و تصنیفات کی ترتیب تالیف ہے، ہندوستان میں تبلیغی جماعت کے داعی اول و بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا یہ اعلیٰ درجہ کا تفقہ فی الدین، فراست ایمانی، اور دین کے عمیق فہم کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے مسلمان کی زندگی و عمل میں فضائل کی اہمیت و قوت اور سحر انگیزی کا ادراک کیا، اور انھوں نے اس حقیقت کو سمجھا کہ جو طاقات زندگی کے پہلے کو تیزی کے ساتھ حرکت دیتی ہے اور جس کے دم سے دنیا کا بازار گرم اور اس کی رونق قائم ہے، وہ "نفع" پر یقین ہے، یہی وہ یقین ہے کہ جو کسان کو سخت سردی کے موسم میں اپنے بستر سے اٹھا دیتا ہے، اور اندھیرے مکھیت میں پہنچا دیتا ہے، اور لوکے تھپیڑوں، اور سورج کی تپش میں کھیت جو تپنے اور پسینہ بہانے کی قوت بخشتا ہے، یہی یقین ایک تاجر کو گھربار، راحت و آرام چھوڑ کر اپنے کاروبار میں مشغول ہونے پر آمادہ کرتا ہے، وہی یقین ایک فوجی کے لئے موت کو آسان اور زندگی کو دشوار بنا دیتا ہے، جو چیز اس کو اپنی محبوب اولاد کو چھوڑ کر بے تکلف میدان جنگ میں چلے جانے پر اکساتی ہے، وہ نفع کا یقین اور مستقبل میں کسی فائدہ کی توقع ہے، اور یہی وہ محرک ہے جس کے گرد زندگی کی چکی گھومتی ہے۔

لیکن اس یقین کے سوا ایک یقین اور ہے، جو اپنی انقلاب آفرینی اور قوت تاثیر میں اس یقین سے کہیں بڑھ کر ہے، جس کی مثالیں اور پریش کی گئی ہیں، یہ ان منافع کے حصول کا یقین ہے جس کی خبر انبیاء کرام اس دنیا میں لے کر آئے، اور وحی اور تمام

آسمانی صحیفوں نے اس کی تصدیق اور تلقین کی جس کو ہم خدا کی خوشنودی اور دنیا اور آخرت میں اعمال کے بدلے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

فضائل کی احادیث میں اسی کو ایمان و احتساب سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی کو مؤمن کے عمل کے لئے سب سے بڑی قوت محرکہ ہونا چاہئے۔

مولانا محمد ایاس صاحب فرماتے تھے کہ فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے فضائل سے اعمال کے اجر پزیر ہوتا ہے، جو ایمان کا مقام ہے اور اس سے آدمی عمل کے لئے آمادہ ہوتا ہے، مسائل معلوم کرنے کی ضرورت کا احساس تو تب ہی ہوگا، جب وہ عمل پر تیار ہوگا اس لئے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے۔

شیخ نے اس ضرورت کی تکمیل کے لئے فضائل نماز، فضائل رمضان، فضائل قرآن، فضائل ذکر، فضائل حج، فضائل صدقات، فضائل تبلیغ اور فضائل درود لکھیں ان میں سے اکثر کتابیں حضرت مولانا محمد ایاس صاحب کے ایاء و حکم سے لکھی گئیں، فضائل قرآن اور فضائل درود شاہ محمد یسین صاحب گنیموی (یکے از خلفائے حضرت گنگوہی) کی فرمائش سے لکھی، فضائل حج سوال ۳۶۶ کو شروع کی کتاب میں بڑے شوق انگیز واقعات اور رقت انگیز اشعار ہیں، جو حج کے مقصد و روح سے خاص مناسبت

لے واوین کے درمیان کی عبارت مصنف کی کتاب "ارکان اربعہ" کے باب "روزہ" سے ماخوذ ہے،  
ملاحظہ ہو عنوان "فضائل اور اس کی قوت و تاثیر" ۲۶۵

۲۷ صوم و قیام رمضان کے سلسلہ میں احادیث میں واضح طور پر یہ الفاظ آئے ہیں "من صام رمضان

ایماناً و احتساباً"۔ . . . . "من قام لیلة القدر ایماناً و احتساباً"۔

۲۸ ملفوظات حضرت دہلوی۔

رکھتے ہیں، اس لئے کتاب بڑی مؤثر ہے، اس کے ساتھ شیخ کا ذوق شعری اور حسن انتخاب بھی نمایاں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عنان قلب و قلم دونوں ہاتھ سے چھوٹ گئے ہیں، مدینہ طیبہ حاضری کے آداب و اشواق کو دل کھول کر لکھا ہے، جس سے کتاب "کاروان مدینہ کی صدی خوان" بن گئی، اسی طرح "فضائل صدقات" میں اہل قلوب اور رجال آخرت کے ایثار و توکل، تحفہ دنیا اور شوق آخرت کے ایسے مؤثر واقعات جمع کر دیئے ہیں، جن سے مال و متاع دنیا کی حقارت، آخرت کی عظمت و اہمیت، اور شوق لقاء پیدا ہوتا ہے، نرض یہ سب کتب رسائل و فضائل بڑے مؤثر و دل پذیر اور شوق انگیز ہیں۔

### شیخ کی تصنیفی جامعیت

عام طور پر جو لوگ علمی اور تحقیقی طرز کے عادی ہوتے ہیں، وہ خالص دعوتی و اصلاحی اور عام فہم طرز پر تصنیف و تالیف کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے اور جو دوسرے طرز کے عادی ہو جاتے ہیں، وہ پہلے طرز میں اس کے آداب و معیار کو قائم نہیں رکھ سکتے، لیکن شیخ کی دونوں طرز کی تصنیفات مؤثر اور کامیاب ہیں، پہلے طرز کا نمونہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، "ادب المسالک" "مقدمہ لامع الداری" "حجۃ الوداع و عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمی و تدریسی رسائل "جزء اختلافات الصلاة" "جزء اختلاف الائمة" اور جزء المہات فی الاسانید والروایات" ہیں، دوسرے طرز کا نمونہ "مکالمات صحابہ" اور فضائل کے رسائل اور کتابیں ہیں، اور ان دونوں طرزوں کی جامع شمائل ترمذی کا ترجمہ "شرح خصائل نبوی" ہے، اس طرح شیخ بیک وقت مصنف و محقق بھی نظر آتے ہیں،

شارح حدیث اور مؤرخ بھی معلوم ہوتے ہیں اور خالص داعی، مذکر اور مختلف طبقات امت کے ان کی زبان میں مخاطب کرنے والے صلح بھی نظر آتے ہیں۔

”وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء“



## باب یازدہم ارشادات و افادات

اس حقیقت کے پیش نظر کہ علماء ربانی و مشائخ روحانی کو اپنی زندگی کے حالات و سوانح سے زیادہ دین کی صحیح تعلیمات و ہدایات اپنے مطالعہ کے نچوڑ اور اپنی زندگی کے تجربات اور مخلصانہ مشوروں کی اشاعت کا اہتمام ہوتا ہے، جن پر عمل پیرا ہو کر وہ ان اعلیٰ مراتب تک پہنچے اور جن سے فائدہ اٹھا کر اور ان پر کاربند ہو کر دوسرے بھی دینی و روحانی ترقیات حاصل کر سکتے ہیں، اور بہت سے خطرات اور غلطیوں سے بچ سکتے ہیں، ہم یہاں حضرت شیخ کے چند ملفوظات نیز ان کی مقبول و مشہور اردو تصنیفات و رسائل کے اقتباسات پیش کرتے ہیں، کہ جن قارئین کو ان کتابوں کے بالاستیعاب مطالعہ کا موقع نہ ملا ہو، وہ بھی ان سے فائدہ اٹھالیں، تصنیفات کے اقتباسات کے انتخاب و نقل کے سلسلہ میں ہم عزیز گرامی مولوی عتیق احمد صاحب بستوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ممنون ہیں۔

## چند ملفوظات

### تصوف کی حقیقت و ملفوظوں میں

فرمایا کہ ایک مرتبہ دس بجے صبح کو میں اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اوپر جا کر کہا کہ رئیس الاسرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی آئے ہیں رائے پور جا رہے ہیں، صرف مصافحہ کرنا ہے، میں نے کہا جلدی بلا دے، مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا کہ رائے پور جا رہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے جا رہا ہوں، اوپر پرسوں صبح واپسی ہے اس کا جواب آپ سوچ رکھیں واپسی میں جواب لوں گا، یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا ”صرف تصبیح نیت“ اس کے سوا کچھ نہیں جس کی ابتداء ”إنما الأعمال بالنیات“ سے ہوتی ہے، اور انتہا ”أنت تعبد الله، كأنك تراه“ ہے، میرے اس جواب پر سکتہ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے دلی سے یہ سوچنا آ رہا ہوں کہ تو یہ جواب دے گا، تو یہ اعتراض کروں گا، اور یہ اعتراض کرے گا تو یہ جواب دوں گا، اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں۔

”إنما الأعمال بالنیات“ سارے تصوف کی ابتداء ہے اور ”أنت تعبد الله، كأنك تراه“ سارے تصوف کا انتہا ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضور ہی کہتے ہیں۔

حضور کی گہری خواہی از و غافل شوقاً  
مقی ما تلقی من تہوی ع الدیاء و امہلہا



میں نے کہا مولوی صاحب سارے پاڑ اسی کے لئے بیٹے جاتے ہیں، ذکرِ باجمہر بھی اسی کے واسطے ہے، مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے، اور جس کو الشرجل شانہ، اپنے لطف و کرم کے کبھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے، اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

## وقت کی قدر کی جائے

فرمایا: ”اوقات بہت قیمتی ہیں، زندگی کا جو وقت مل گیا ہے اس کی قدر چنانچہ چاہئے، حدیث میں آتا ہے ”فلینزد العبد من نفسه لنفسه ومن حیاته لموتہ ومن شبابہ لکبرہ ومن دنیاہ لآخرتہ“ بندے کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے لئے اور زندگی میں موت سے پہلے، اور نوجوانی میں اپنے بڑھاپے سے پہلے، اور اس دنیا میں آخرت سے پہلے زادِ راہ تیار کر لے۔

تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے  
یہ جزر و مدِ جواہر کی لڑی ہے

## عبودیت و اطاعت کا ثمرہ

فرمایا: ”میرے دوستو! مالک کے سامنے جھک جاؤ، تو ساری چیزیں تمہارے سامنے جھک جائیں گی، صحابہ کرام کے قصے معلوم ہیں، ایک مرتبہ افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤں ڈالنے کی ضرورت پیش آئی، اور ایسے جنگل میں جہاں قہرِ کم کے درندے اور بوڑی جانور کثرت تھے، حضرت عقبہؓ امیر لشکرِ حِمْیَر کو ساتھ لے کر ایک جگہ پہنچے، اور اعلان کیا ”ایہا الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارحلوا خانا

نازلوں فصیح و جید تا بعد قتلہاء“ اے زمین کے اندر رہنے والے جانوروں اور زندگی  
ہم صیغہ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کر رہے ہیں، اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ، اس کے  
بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کر دیں گے، یہ اعلان تھا یا کوئی بجلی تھی، جو ان درندوں  
اور موزی جانوروں میں دوڑ گئی اور اپنے بچوں کو اٹھا اٹھا کر سب چل دیئے۔ (اشاعر)  
بوستان میں ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ چیتے پر سوار تھے، ایک شخص نے دیکھا تو ڈر گیا  
تو اس بزرگ نے کہا ہے

نواز حکم دا ور گردن نہ پیچ  
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو پیچ

## حیوانی معاصی سے شیطانی معاصی زیادہ خطرناک ہیں

ارشاد فرمایا: ”معاصی دو قسم کے ہیں حیوانی و شیطانی، حیوانی کھانا، پینا، شہوت  
وغیرہ شیطانی تکبر“ اور دوسروں کو حقیر سمجھنا، اور اپنے آپ کو اونچا سمجھنا، اس کو ”رسالہ  
اسرار“ میں میں نے لکھا ہے مفتی محمود صاحب نے اس پر اعتراض کیا تھا کہ اس سے  
پہلے قسم کی معاصی کی اہمیت ملکی ہو جاتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ پہلے قسم کے  
معاصی رونے دھونے سے معاف ہو سکتے ہیں، اور دوسرے قسم میں توبہ کی توفیق کم ملتی  
ہے، آدمی اس کو گناہ سمجھتا ہی نہیں، اس کی معافی دیر سے ہوتی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ  
حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کے پاس جانے سے روک دیا گیا تھا، مگر وہ غلطی سے  
گئے، پھر توبہ کی اور وہ قبول ہوئی، ابلیس نے سجدہ سے تکبر کی بنا پر انکار کیا تھا، پہلی  
قسم میں افتقار پیدا ہوتا، اور دوسری میں اللہ کی کبریائی سے مقابلہ، بہت سے لوگوں نے

دیکھا کہ ان کے حالات قابل رشک تھے، مگر دوسروں پر تنقید و تحقیر نے انہیں گرا دیا، بہر حال اس نسبت سے اگر دوسری قسم کے معاصی مزاحم ہوئے تو معاملہ زیادہ سخت ہے۔

## بزرگوں کی ابتدا (دورِ مجاہدہ) کو دیکھنا چاہیے

حضرت نے ارشاد فرمایا: ”ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے ”جو ہماری انتہا کو دیکھے وہ ناکام اور جو ابتداء کو دیکھے وہ کامیاب“ اس لئے کہ ابتدائی زندگی مجاہدوں میں گذرتی ہے، اور اخیر میں فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں، اگر کوئی ان فتوحات کو دیکھ کر آخری زندگی کو معیار بنائے تو وہ ناکام ہو جائے گا۔“

## مجاہدہ و قربانی ترقی روحانی کی شرط ہے

ارشاد فرمایا:۔ ع

”رنگ لاتی ہے خنای پتھر پہ رگڑ جانے کے بعد

دیکھو خنای (مہدی) کی پتی جب رگڑ دی جائے تو وہ رنگین بنا دیتی ہے، اور اگر بغیر رگڑے ہوئے اسی کے پتے رکھ دیئے جائیں تو کچھ نہ ہوگا، حضرت مدنیؒ فرماتے تھے کہ سیدِ اجابت میں ذکر کرتا تھا، جی چاہتا تھا کہ اس کی دیواروں سے سر کھپڑوں“

## اظہار و حقیقت میں فرق

فرمایا:۔ ”ہم لوگ اپنی زبان اور اپنے قلم سے ناکارہ وسیہ کار لکھتے ہیں، مگر یہ رسم

لے ترمیم فرمائی گئیں جانے کے بجائے رگڑ جانے سے۔

بن گئی ہے اگر کسی مجھ میں کوئی اعتراض کر دے تو سن کر دماغ کھولنے لگتا ہے، حالانکہ اگر  
 ماننے کی بات ہے تو اس پر ناگواری کیسی؟ اس کو ضرور ماننا چاہئے، حضور اقدس صلی اللہ  
 علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "انما بعثت لائمم مقام الاخلاق" میں مکارم اخلاق کی  
 تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں، خصوصیت سے جو لوگ ذاکر و اجازت یافتہ ہیں، ان کے  
 اخلاق ایسے ہونے چاہئیں کہ دوسروں کی ہدایت کا سبب بنیں، نہ کہ اکھڑنے کا، اور  
 منفرد ہونے کا۔"

### افراط و تفریط سے اجتناب

ارشاد فرمایا:۔ حدیث میں آیا ہے کہ مردوں کا بڑائیوں کے ساتھ ذکر نہ کرو، بلکہ  
 ان کی بھلائیوں کا تذکرہ کرو، ہم لوگ اس قدر افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، تفریط میں  
 تو کسی کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں، اور کسی کو تخت الشری میں پہنچا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ  
 فرماتا ہے "وَلَا يَجْزِيكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ اَنْ لَا تَعْدُوْا اَعْدَاءَ اِهْلُوْا اَقْرَبُ لِلنَّفُوْىٰ"  
 کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کر لے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو، انصاف  
 اختیار کرو، یتقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔"

### ذکر الہی میں فتنوں سے حفاظت ہے

فرمایا:۔ آج ہمارے مدارس میں ساری خرابیاں سڑاٹک وغیرہ سب سی خانقاہی زندگی  
 کی کمی سے پیش آرہی ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ اگر زمین میں اللہ اللہ کہنے والے ختم ہو جائیں  
 تو قیامت آجائے گی، یہی حال مدرسوں کی بقا کا ہے، اللہ کا نام خواہ کتنی کالے تو بھی سے

لیا جائے، اگر کئے بغیر نہیں رہتا، ہم لوگوں میں اخلاص نہیں رہا، اللہ الشکر کرنے کے سلسلے کو بڑھاؤ، اللہ کا نام جہاں کثرت سے لیا جائے گا، وہاں فتنہ نہ ہوگا، اللہ کا ذکر حوادث و فتن میں سید سکندری ہے، پہلے زمانہ میں دورہ حدیث میں طلبہ کی ایک تعداد ذکر ہوا کرتی تھی۔

### اللہ سے تقرب حاصل کرنے کا راستہ آسان ہے

ارشاد فرمایا: ”حدیث میں آیا ہے۔ بہت سے پرانگندہ سرخسار آلود جن کو دروازوں سے دھکا دیا جاتا ہے، اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کے قسم کی لاج رکھ لیتا ہے آدمی ریاضت و عبادت سے یہ مقام حاصل کر سکتا ہے دوسری حدیث میں آیا ہے ”لا یزال عبدی یتقرب الی بالنواخل“ آدمی نوافل کے ذریعہ برابر حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں، آگے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے بعد اس کے ہاتھ پر سے جو کچھ صادر ہوتا ہے، وہ حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: ”اللہ جل شانہ کا راستہ بہت آسان ہے تجربہ بھی ہے اور لوگوں کو دیکھا بھی ہے۔“

یعلم الشراہ خدا بیش از دو قدم نیست  
یک قدم بر نفس خود نہ دگرے برکوعے دست

ارشاد فرمایا: ”بھائی دیکھو، جو کچھ کروا اللہ کی مرضی کے موافق کرو اپنے جی و مرضی کے موافق نہ کرو، کچھ کرو، رمضان المبارک میں اس کی مشق کرو، ہمارے بزرگوں میں سے کوئی

## اقتباسات و منتخبات

### تصوف کی حقیقت

”تصوف میرے اکابر کا اہم ترین مشغلہ ہے۔“

درکھے جام شریعت درکھے سندان عشق

ہر ہوسنا کے نہ اندجام و سندان بافتن

کے وہ سچے مصداق تھے، یہ حضرات ایک جانب فقہ، حدیث اور علوم ظاہریہ میں اگر ائمہ مجتہدین اور ائمہ حدیث کے حقیقی جانشین اور سچے تبع تھے، تو دوسری جانب تصوف کے ائمہ جلیذ و شایخ کے قدم بقدم، ان اکابر نے تصوف کو فقہ و حدیث کے ماتحت چلایا اور اپنے قول و فعل سے بتلادیا کہ یہ مبارک فن حقیقت میں قرآن و حدیث ہی کا ایک شعبہ ہے، اور جو رسوم و بدعات اس مبارک فن میں بعد زمانہ سے بڑھ گئی تھیں، ان کو چھانٹ دیا، تصوف کو بعض ناواقفوں نے ظاہر شریعت کا مخالف نہیں تو علیحدہ ضرور بنادیا، یا تو غلو ہے یا جہل۔

حقیقی تصوف کو جس کا دوسرا نام احسان ہے، حضرت جبریل علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے

لے منقول از ”صحیحۃ بااولیاء“ مرتبہ از مولوی تقی الدین ندوی، مظاہری۔

دریافت کر کے یہ واضح کر دیا کہ یہ شریعت ہی کی روح اور مغز ہے اور حضرت جبرئیل کے اس سوال پر کہ احسان کیا چیز ہے سید الکونین کے اس پاک ارشاد نے "ان تعبدوا اللہ کأنکم تراءواہ" الحدیث (تو اللہ کی عبادت ایسی کرے گویا اس کو دیکھ رہا ہے۔)

احسان کے معنی اور تصوف کی حقیقت واضح کر دی عنوانات تو اس کے جو بھی اختیار کر لئے جاویں لیکن مرجع سب کا یہی حقیقت ہے ۔

اورى بسعدى والرباب وانما

انت الذی تعنى وانت المؤمن

شاعر کہتا ہے کہ چاہے میں مشہور محبوبہ سعدی کا نام لوں یا معروف معشوقہ رباب کا نام لوں ہر چیز سے مقصود تو یہی ہے اور تو ہی مطلوب ہے ۔

یہ تو حقیقت ہے اس کے بعد جو چیزیں ذکر و شغل، مجاہدات و ریاضات یہ حضرات تجویز کرتے ہیں، وہ حقیقت میں سب علاج ہیں، چونکہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جتنا بُعد ہوتا جاتا ہے اتنا ہی قلوب میں زنگ اور امراض رویہ دلوں میں پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں، اور جیسا کہ یونانی اطباء اور ڈاکٹر جدید امراض کے لئے تجربات یا قواعد سے وقتی اور نئی نئی چیزیں اور دوائیاں تجویز کرتے ہیں اسی طرح یہ روحانی اطباء قلبی امراض کے لئے ہر شخص کے حال کے موافق اور ہر زمانہ کے موافق دوائیں تجویز کرتے ہیں، حضرت مولانا صی اللہ صاحب جو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ کے اجل خلفاء میں ہیں ان کا ایک رسالہ "تصوف اور نسبت صوفیہ" مختصر اور قابل دید ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کی اصل "حدیث جبرئیل" ہے جس میں آیا ہے کہ "ما الا حسن: قال

ان تعبد الله كانك تراه“ (الحديث) چنانچہ تصوف احسان ہی کا نام ہے۔

## تصوف کا لب لباب

”تصوف ایک عظیم الشان چیز تھی، جس کی تعریف علماء تصوف نے یہ فرمائی ہے کہ  
”هو علم الله“ وہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ سے نفوس کا تزکیہ، اخلاق کا تصفیہ اور  
ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں، جس کی غرض ابدی سعادت کی تحصیل ہے۔  
اب آپ خود غور فرمائیے کہ اس میں سے کونسی چیز غلط ہے؟ نفس کا تزکیہ غلط ہے؟  
یا اخلاق کا تصفیہ بُرا ہے؟ ظاہر و باطن کی تعمیر لغو ہے؟ یا سعادت ابدیہ کی تحصیل  
بیکار ہے؟ اسی طرح تقویم اخلاق، تہذیب نفس، نیز نفس کو اعمال دین کا نوکر بنانا  
اور شریعت کو نفس کے حق میں وجدان بنالینا ان امور میں کون سی شئی مقاصد شرع کے  
خلاف ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں، بلکہ ان میں سے ہر ایک شئی کتاب و سنت کے  
عین مطابق اور الشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کو پورا کرنے والی ہے۔

غرض ہم جس تصوف کے اثبات کے قائل ہیں وہ وہی ہے جس کو اصطلاح شرع  
میں احسان کہتے ہیں یا جس کو علم الاخلاق کہا جاتا ہے یا تعمیر الظاہر والباطن کے  
نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور یہ ایک بالانظم و با اصول چیز ہے اس میں مریدین کے لئے  
بھی شرائط ہیں، اور شیخ کے لئے بھی اصول و آداب ہیں، جن کی رعایت کرنے کے بعد اس کو  
شریعت کا مغز اور دین کا لب لباب کہنا بجا ہے، اور جب ان شرائط و آداب کا لحاظ  
نہ کیا جائے، بلکہ غیر تصوف کو تصوف قرار دے دیا جائے تو پھر وہ طریق ہی نہیں جو ہمارا



موضوع بحث ہے، اس لئے کہ ان کی خرابیوں اور ان پر عمل کرنے کی وجہ سے سالک میں جو خرابیاں پیدا ہوں اس کا ذمہ دار کسی طرح حقیقی تصوف اور اصل طریق کو نہیں قرار دیا جاسکتا، اب اگر آپ کو تصوف سے محض اس بنا پر چڑا اور انکار ہے کہ اس کا نام محدث ہے، تو اس میں تصوف ہی منفرد نہیں نہ معلوم کتنی چیزیں اس وقت موجود ہیں کہ آپ کا ان سے تعلق بھی ہے، جو کہ ابتداء اسلام میں ان ناموں سے معروف نہ تھیں، میں کہتا ہوں کہ اگر اس کا نام بدعت ہے تو سہی تو اس کا بدعت نہیں، آپ اس کو احسان سے تعبیر کر لیجئے، علم الاخلاق اس کا نام رکھ لیجئے اور جو شخص کہ اس سے متصف ہو، اس کو محسن اور مقرب اور مخلص کہہ لیجئے اور احسان محسن متقی و مخلص کے ذکر سے قرآن بھرا ہوا ہے، حدیث شریف میں بھی اس کا ذکر آیا ہوا ہے!

## مسلمانوں کی نجات و ترقی کا واحد راستہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت شام تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک جگہ کچھ گارا پانی آگیا، آپ اونٹ پر سے اتر لئے، موزے نکال کر شانہ پر رکھ لئے اور اس میں گھس کر اونٹ کی نکیل ہاتھ میں پکڑ لی، وہ ساتھ ساتھ تھا، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا آپ نے یہ ایک ایسی بات کی کہ شام والے تو اس کی بڑی ذلت کی چیز سمجھتے ہیں، میرا دل نہیں چاہتا کہ اہل شہر آپ کو اس حالت پر دیکھیں، آپ نے ان کے سینہ پر ایک ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا کہ ابو عبیدہ تنہا اے علاوہ کوئی دوسرا ایسی بات کہتا تو میں عبرت انگیز سزا دیتا، ہم لوگ ذلیل تھے، بخیر تھے، اللہ جل شانہ نے

اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی، پس اب جس چیز سے اللہ نے عزت دی اس کے سوا کسی چیز کے ساتھ عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ بہم کو ذلیل کر دیں گے، (مستدرک للحاکم) حقیقتہً مسلمان کے لئے اصل عزت اللہ کے یہاں کی عزت ہے، دنیا اور دنیا والوں کے نزدیک اگر ذلت ہوئی بھی تو کیا اور کے دن کی ہے۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین

وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کی نافرمانیوں کے ساتھ لوگوں میں عزت تلاش کرتا ہے اس کی تعریف کرنے والے اس کی مذمت کرنے والے بن جاتے ہیں اس لئے مسلمانوں کے لئے ترقی کی راہ، عزت کی راہ، زندگی اور دنیا میں آنے کی غرض صرف اللہ کی رضا اس کی مرضیات پر عمل ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، اگر عزت ہے تو یہی ہے منفعت ہے تو یہی ہے، حیرت ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ کے پاک کلام اور اس کے رسول کے سچے ارشادات میں علوم و حکمت دارین کی فلاح و ترقی کے اسباب اور خزانے بھرے ہوئے ہیں، لیکن وہ ہر بات میں دوسروں پر نگاہ رکھتے ہیں، دوسروں کا پس خوردہ کھانے کے درپے رہتے ہیں، کیا یہ چیز انتہائی بے غیرتی اور اللہ اور اس کے پاک رسول کے ساتھ اجنبیت اور منغائرت کی نہیں ہے، کیا اس کی مثال اس بیمار کی سی نہیں جس کے گھر میں ایک مرجح و الخلاق حکیم ایک حاذق ڈاکٹر موجود ہو اور وہ کسی انارٹھی ڈاکٹر سے علاج کرا دے۔

الغرض مسلمان کے لئے صلاح و فلاح صرف اتباع مذہب اسوۂ رسول اور

سلف صالحین کے طریقے میں منحصر ہے، یہی آخرت میں کام آنے والی چیز ہے، یہی دنیا میں ترقیات کا سبب ہے، اسی پر عمل کر کے پہلے لوگ بام ترقی پر پہنچے تھے جن کے احوال

واقعات آنکھوں کے سامنے ہیں، اور کوئی تاریخ سے واقف شخص اس چیز سے انکار نہیں کر سکتا، اس کے خلاف میں مسلمانوں کے لئے ہلاکت ہے بربادی ہے، آخرت کا خسارہ ہے، دنیا کا نقصان ہے تجویزیں جتنی چاہے کر لیا جائیں، ریزولیشن جتنے چاہے پاس کر لئے جائیں، اخبارات کے مقالے جتنے چاہے لکھ لئے جائیں اور مزہ لے کر پڑھ لئے جائیں، سب بے سود ہیں، بیکار ہیں، مسلمان کی ترقی و فلاح کا واحد راستہ معاصی سے پرہیز ہے، اور اسلامیات کا اہتمام ہے، اس کے سوا دوسرا راستہ منزل مقصود کی طرف ہے ہی نہیں۔

یہاں ایک اور چیز پر بھی غور کرتے چلو آج اسلام کو مسخ کر دیا جائے اس کے سارے احکام کو بولویا نہ اسلام راہبانہ مذہب، ملانہ تنگ نظری کہہ دیا جائے مگر جن انسان نے ہزاروں فتح کئے تھے، لاکھوں کروڑوں آبادیوں کو مسلمان کر کے اسلام کی حکومت وہاں قائم کی تھی، وہ اسی مولویانہ اسلام کے حامل تھے، اور ملاؤں سے زیادہ تنگ نظر تھے، وہاں دین سے ایک انچ ہٹنا بھی ہلاکت شمار کیا جاتا تھا، وہاں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر قتال کیا جاتا تھا، وہاں شراب کو حلال سمجھ کر پیئے پر قتل کیا جاتا تھا، اور حرام سمجھنے کے باوجود پیئے پر کوڑے لگائے جاتے تھے، وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ناز کو ایسا منافق چھوڑ سکتا ہے جس کا نفاق بالکل واضح ہو یعنی عام منافقین کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی کہ ناز کو چھوڑ سکیں، وہاں جب کوئی اہم مشکل اور گھبراہٹ کی بات پیش آتی تھی تو فوراً ناز کی طرف رجوع کیا جاتا تھا!

## ایک مختصراً نصیحت

”میری ایک نصیحت بہت غور سے سنو! ہمیشہ ایسی چیزوں پر لب کشائی کرو جس کے پورے مالہ و ماعلیہ پر عبور ہو، دو شخصوں کے درمیان میں محاکمہ جب ہی ممکن ہو سکتا ہے، جب ان دونوں کے پورے دلائل پر عبور ہو، البتہ کسی شرعی منصوص کے خلاف کوئی چیز ہو تو اس میں کسی کی بھی رعایت نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کوئی قول معتبر نہیں بلکہ فقہاء سلف کے منصوص اقوال کے خلاف بھی مقلد کے لئے کوئی گنجائش نہیں، لیکن جہاں مسئلہ استنباط سے متعلق رکھتا ہو، منصوص شرعی ہر ایک کے ساتھ ہوں وہاں جلدی سے دخل در معقولات کر کے فوراً محاکمہ کر دینا حماقت ہے، میں تم کو بڑے زور سے روکتا ہوں کہ اہل حق پر انکار کرنے میں کبھی بھی جلدی نہ کرنا، بہت غور و فکر اور تدبر کے بعد لب کشائی کرنا جہاں تک ممکن ہو اس سے گریز کرنا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ جن کو عمر ثانی کہا جاتا ہے، انھوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی لڑائی میں کس قدر بہترین فیصلہ کیا ”تلك دماء طهر الله ابدینا منها فلا تلوث السنتنا بها“ ان غولوں سے اللہ جل شانہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا، تو ہم اپنی زبان کو کیوں ان سے آلودہ کریں! اگر یہ کہا جائے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اعلیٰ وارفع ہے، دوسروں کو ان پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے تو میں کہوں گا کہ وہاں لب کشائی سے بچنے والے بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ہیں، جو جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت خضر، حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہا السلام کا قصہ مشہور ہے، قرآن پاک میں مفصل مذکور ہے، متعدد احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ

اللہ جل شانہ، حضرت موسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) پر رحم فرمائیں اگر وہ سکوت کرتے تو اور بھی عجائبات حضرت خضر کے کارناموں کے معلوم ہوتے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ اموزنیں طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کا رشد (ہدایت) ہونا کھلا ہوا ہو، ان کا اتباع کرو، دوسرے وہ انور ہیں جن کا گمراہی ہونا کھلا ہوا ہو، ان سے اجتناب کرو، تیسرے وہ ہیں جن میں اختلاف ہو، ان کو ان کے عالم کے حوالہ کرو (رواہ الطبرانی ورجالہ موثوقون کذا فی مجمع الزوائد)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص فتویٰ دینے پر زیادہ جوی ہے، وہ جہنم پر زیادہ جوی ہے (دارمی) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر استفتاء کا جواب دے وہ مجنون ہے (دارمی)

## ایک ایمان افروز واقعہ

حضرت سعید بن المسیب مشہور تابعی ہیں، بڑے محدثین میں شمار ہیں، ان کی خدمت میں ایک شخص عبداللہ بن ابی وداعہؓ کثرت سے حاضر ہوا کرتے تھے، ایک مرتبہ چند روز حاضر نہ ہو سکے کئی روز کے بعد جب حاضر ہوئے تو حضرت سعید نے دریافت فرمایا کہاں تھے، عرض کیا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے اس کی وجہ سے مشاغل میں پھنسا رہا، فرمایا کہ ہم کو خبر نہ کی ہم بھی جنازہ میں شریک ہوتے، تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھ کر آنے لگا، فرمایا دوسرا نکاح کر لیا؟ میں نے عرض کیا، حضرت مجھ سے کون نکاح کرے گا، دوتینؓ

آنے کی میری حیثیت ہے، آپ نے فرمایا ہم کر دیں گے اور یہ کہہ کر خطبہ پڑھا اور اپنی بیٹی کا نکاح نہایت معمولی مہر آٹھ دس آنے پر مجھ سے کر دیا (اتنی مقدار مہر کی ان کے نزدیک جائز ہوگی، جیسا کہ بعض اماموں کا مذہب ہے، خفیہ کے نزدیک ڈھائی روپے سے کم جائز نہیں) نکاح کے بعد میں اٹھا اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ مجھے کس قدر سرتختی خوشی میں سوچ رہا تھا کہ رخصتی کے انتظام کے لئے کس سے قرض مانگوں، کیا کروں، اسی فکر میں شام ہو گئی، میرا روزہ تھا، مغرب کے وقت روزہ افطار کیا، نماز کے بعد گھر آیا چراغ جلایا روٹی اور زیتون کا تیل موجود تھا اس کو کھانے لگا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ کہا سعید بنے میں سوچنے لگا کہ کون سعید ہے، حضرت کی طرف میرا خیال بھی نہیں گیا کہ چالیس برس سے اپنے گھر یا مسجد کے سوا کہیں آنا جانا تھا ہی نہیں باہر آکر دیکھا کہ سعید بن المسیبؓ ہیں میں نے عرض کیا آپ نے مجھے نہ بلایا فرمایا میرا ہی آنا مناسب تھا، میں نے عرض کیا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا مجھے یہ خیال آیا کہ اب تمہارا نکاح ہو چکا ہے، تنہا رات کو سونا ماننا سب نہیں اس لئے تمہاری بیوی کو لایا ہوں، یہ فرما کر اپنی لڑکی کو دروازے کے اندر کر دیا اور دروازہ بند کر کے چلے گئے، وہ لڑکی شرم کی وجہ سے گر گئی میں نے اندر سے کواڑ بند کئے اور وہ روٹی اور تیل جو چراغ کے سامنے رکھا تھا، وہاں سے ہٹا دیا کہ اس کی نظر نہ پڑے اور مکان کی چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو آواز دی لوگ جمع ہو گئے تو میں نے کہا کہ حضرت سعیدؓ نے اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دیا ہے، اور اس وقت وہ خود ہی اس کو پہنچا گئے ہیں، سب کو بڑا تعجب ہوا، کہنے لگے واقعی وہ تمہارے گھر میں ہے؟ میں نے کہا ہاں! اس کا چرچا ہوا میری والدہ کو خبر ہوئی وہ بھی اسی وقت آگئیں، اور کہنے لگیں کہ اگر تین دن تک تو زائے محیڑا

تو تیرا منہ نہ دیکھوں گی، ہم تین دن میں اس کی تیاری کر لیں، تین دن کے بعد جب میں اس لڑکی سے ملا، تو دیکھا نہایت خوبصورت قرآن شریف کی بھی حافظہ اور سنت رسول سے بھی زیادہ واقف، شوہر کے حقوق سے بھی زیادہ باخبر، ایک ہمدینہ تک نہ تو حضرت سیدہ میرے پاس آئے نہ میں ان کی خدمت میں گیا، ایک ماہ کے بعد میں حاضر ہوا تو وہاں مجمع تھا میں سلام کر کے بیٹھ گیا جب سب چلے گئے تو فرمایا اس آدمی کو کیسا پایا میں نے عرض کیا نہایت بہتر ہے کہ دوست دیکھ کر خوش ہوں دشمن چلیں، فرمایا اگر کوئی بات ناگوار ہو تو لکڑی سے خبر لینا میں واپس آگیا، تو ایک آدمی کو بھیجا جو بیس ہزار درم (تقریباً پانچ ہزار روپیہ) مجھے دے گیا، اس لڑکی کو عبد الملک بن مروان بادشاہ نے اپنے بیٹے ولید کے لئے جو ولی عہد بھی تھا مانگا تھا، مگر حضرت سیدہ نے عذر کر دیا تھا، جس کی وجہ سے عبد الملک ناراض بھی ہوا، اور ایک جیلہ سے حضرت سیدہ کے شو کوڑے سخت سردی میں لگوائے اور پانی کا گھڑا بھی ان پر گروایا۔

### مسلمان کی غیبت اور آبروریزی

”اللہ کا راستہ صرف جہاد میں یا فوافل میں یا دوسری عبادات میں منحصر نہیں بلکہ ضروری اعمال و عبادات کرنے کے بعد جو کام بھی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کی رضا اس میں مقصود ہو اداء حقوق اس کی غرض ہو وہ سب اللہ ہی کا راستہ ہے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دیندار صرف عبادات میں مشغولی کا نام ہے، اور دنیا داری کے کاموں میں مشغول ہونا اس کے

منافی ہے وہ غلطی پر ہیں محترم علماء میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ اسبابِ معیشت کو حاصل نہ کیا جائے یا ترک کر دیا جائے البتہ یہ ضرور ہے کہ ان کو دنیا کی غرض سے نہ کیا جائے ان کو بھی اللہ ہی کی رضا کے واسطے اس کے مقرر کئے ہوئے حقوق کے واسطے حاصل کیا جائے و جاہت، تفاخر، تکبر، اور لوگوں کی نگاہ میں بڑائی حاصل کرنے کے واسطے نہ کیا جائے، مگر اس سب کے باوجود دوسری جانب بھی قابلِ ملاحظہ ہے وہ یہ کہ ہر شخص کو صاحبِ غرض سمجھنا یہ بھی اسلامی تعلیم کے منافی ہے اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ فَتْرَةٌ وَهِيَ كَالْجَسَدِ لَا يُغْنِي عَنْكُمْ بَعْضُكُم بَعْضًا" (سورہ حجرات رکوع ۲) اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کر واس لے کر بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور (کسی کے عیب کا) تجسس بھی نہ کیا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے اہم لوگوں کی عام حالت یہ ہے کہ جو شخص بہاری مرضی کے موافق کام کرتا ہے وہ غلص ہے متقی ہے، پرہیزگار ہے لیکن جوں ہی وہ ہماری رائے کے خلاف کوئی کام کر گزرتا ہے وہ ٹوڈی ہے، انگریز پرست ہے، یا ہندو پرست ہے، خود غرض ہے، نفس پرست ہے، غدار قوم ہے، مکار ہے، دغا باز ہے، وہ انگریزوں کا وظیفہ خوار ہے، یا کانگریس کا تنخواہ دار ہے، غرض یہ کہ دنیا بھر کے عیوب اس میں جمع ہو جاتے ہیں، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ قیامت میں اس کی عیب پوشی کریں گے اور جو شخص مسلمان کی پردہ درسی کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کی پردہ درسی کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں (چھپ کر) کوئی عیب کرتا ہے تب بھی اس کی فضیلت کرتے ہیں۔



## حج فنائیت اور عشق کا دلاویز منظر

حج درحقیقت دو منظروں کا نمونہ ہے اور اس کی ہر ہر چیز میں دو حقیقتیں پنہاں ہیں ایک یہ کہ نمونہ ہے موت کا اور مرنے کے بعد کے حالات کا اور دوسرا نمونہ ہے عشق اور محبت کے اظہار کا اور روح کو حقیقی عشق اور حقیقی محبت سے رنگنے کا۔ پہلا نمونہ موت اور اس کے مابعد کا منظر ہے کہ آدمی جس وقت گھر سے چلتا ہے، سب عزیز واقارب گھر بار و وطن، احباب کو یک نخت چھوڑ کر دوسرے ملک کو یا دوسرے عالم کا سفر اختیار کرتا ہے، جن چیزوں کے ساتھ دل مشغول تھا گھر بار، کھیتی باغ، احباب کی مجلسیں سب ہی اس وقت چھوٹ رہی ہیں جیسا کہ مرنے کے وقت سب کو میک وقت خیر یاد کہنا پڑتا ہے، حج کو روانگی کے وقت یہی چیز قابل غور و فکر اور قابل عبرت و اعتبار ہے کہ جیسا آج عارضی مدت کے لئے یہ سب کچھ چھوٹا ہوا ہے، بہت جلد وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہ سب چیزیں چھوٹنے والی ہیں۔

دوسرا منظر اظہار عشق و محبت کا ہے، وہ حاجی کے حال سے ایسا ظاہر اور واضح ہے کہ اس کے لئے کسی تفصیل کی حاجت نہیں۔ بندوں کا تعلق حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ دو طرح کا ہے، ایک نیاز مندی اور بندگی کا کہ وہ پاک ذات مالک ہے، خالق ہے، اس تعلق کا مظہر نماز ہے، دوسرا سربسز نیاز اور اظہار عبدیت ہے، اسی لئے اس میں ساری چیزیں اسی تعلق کا مظہر ہیں کہ نہایت وقار اور سکون کے ساتھ موزوں لباس اور شاہی آداب کے مناسب حالات کے ساتھ حاضری دربار کی ہے کہ وضو اور پاک کپڑوں کے ساتھ نہایت وقار و سکون سے اول کانوں پر ہاتھ رکھ کر عبدیت اور الشہ جل شانہ کی

بڑائی کا اقرار کرے، پھر ہاتھ باندھ کر معروضہ پیش کرے پھر سر جھکا کر تعظیم کرے اور پھر زمین پر ہاتھ گر کر اپنی نیاز مندی اور معجزہ کا اظہار کرے اور آقا کی بڑائی کا زبان سے اقرار کرتا رہے اور کوئی قول و فعل اس کی بڑائی اور اپنے عجز کے خلاف نہ ہو۔

دوسرا تعلق محبت و عشق کا ہے کہ وہ مرلی ہے، منم ہے، محسن ہے، جمال و کمال کے جتنے اوصاف ہو سکتے ہیں ان سب کے ساتھ متصف ہے، ادھر ہر آدمی میں فطری طور پر عشق و محبت کا مادہ موجود ہے۔

ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا  
جو تنیم کہ نیم ہو وہ ہو کو تو بہتر بود کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو بچھا  
ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں  
اسی تعلق کا مظہر حج ہے کہ سفر کی ابتداء ہی میں سب تعلقات کو ختم کر کے سب عزیز و اقارب گھر باہر سے منہ موڑ کر کوچہ یار کی طرف جانا ہے، اور جنگلوں اور گلی کو چوں میں اے اے پھر نہا ہے کہ یہی دو چیزیں عاشقوں کا کام ہیں۔

ما و محبوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق  
او بصحرارت و مادر کوچہ بار سوا شنیدیم  
اور یہ ساری وحشت اور اشتیاق کیوں ہے، یہ اضطراب و بے چینی آخر کیوں سلسلہ ہوئی ہے؟ اس لئے کہ محبوب کے در پر عشاق کے اجتماع کا ایک وقت مقرر ہے، وہ وقت قریب آگیا ہے۔

اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں  
سنا ہے کل ترے در پر ہجوم عاشقاں ہو گا

اور جب اس ارادہ اور جذبہ سے گھر سے نکلنا ہے تو یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ عشق میں مٹنا ایک لازمی چیز ہے۔

سالک راہِ محبت کا خدا حافظ ہے

اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

جب عشق کے طفیل یہ مبارک سفر ہے تو راستے کی سبقتیں اسی ذوق اور جذبہ کے ماتحت ہونا ضروری ہیں اور اسی فریفتگی سے انھیں برداشت کرنا چاہئے۔

الفت میں برابر ہے جفا ہو کہ وفا ہو

ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

اس کے بعد احرام بھی اسی عاشقانہ رنگ کا پورا منظر ہے کہ نہ سر پر ٹوپی نہ بدن پر کرتہ فقیرانہ صورت نہ خوشبو نہ زینت ایک مجنونانہ ہیئت جو کرب و غمی کے کمال کو ظاہر کرتی ہے۔

نہ رکھ لباس کا ابھھاؤ تن پہ دست جنوں

کیا ہے چاک گریباں تو پھاڑ دامن بھی

اصل یہ تھا کہ گھر سے نکلنے ہی یہ حالت شروع ہو جاتی اس وجہ سے بعض علماء کے نزدیک

گھر ہی سے احرام باندھ کر جانا افضل ہے، مگر چونکہ احرام کے بعد بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی

ہیں اور اس قسم کے لباس کا تحمل بھی بعض ناز پروردہ لوگوں کو مشکل ہو جاتا ہے اس لئے

اللہ کی رحمت نے اس کی اجازت دے دی کہ شروع سے احرام نہ باندھا جائے کہ اس میں

مشقت ہوگی، البتہ جب کوئے یار کے قریب پہنچے تو اس کا اہتمام ضروری ہے کہ

اس کے کوچہ میں اسی حال میں داخل ہونا ہے کہ سر پر بال بکھرے ہوئے ہوں از خود فتنہ

عاشقوں کی صورت ہو، اسی کو حضور اقدس نے اپنے پاک ارشاد میں ظاہر فرمایا،

”الحاج الشعث الثقل“ اسی حالت کو حق تعالیٰ شانہ خود بھی تقاضے کے طور پر فرشتوں سے ظاہر فرماتے ہیں ”انظر والی زوار بنی قد جاء ولی شعثا عبدا“ میرے گھر کے مشاؤون کو دیکھو کہ میری طرف کبھرے ہوئے بالوں اور گرد و غبار کی حالت میں آئے ہیں۔

اسی حالت میں ستانہ وار اللهم لبیک لبیک۔ لا شریک لک لبیک کا نعرہ لگاتا ہوا روتا اور چلاتا ہوا، نالہ و فریاد کرتا ہوا پہنچتا ہے، اسی کی طرف حضور اقدس نے اپنے پاک ارشاد ”الحج والعمرة“ میں ارشاد فرمایا کہ حج (کا کمال) خوب چلتا نا اور قربانی کا خون بہانا ہے، اور ظاہر بات ہے کہ نالہ و فریاد کے ساتھ چلانا عشق کی جان ہے۔

نالہ کر لینے دیں لشرنہ چھیڑیں اجاب

ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

اسی بے چینی اور اضطراب، نالہ و فریاد کے ساتھ آخر وہ محبوب کے شہر تک پہنچ جاتا ہے اور کمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

جذبِ دل نے آج کوئے یار میں پہنچا دیا

جیتے جی میں گلشنِ جنت میں داخل ہو گیا

ایک دل کھویا ہوا جس کے دل میں واقعی زخمِ محبت ہو جب محبوب کے گھر پہنچ جاتا ہے تو اس پر کیا گذرتی ہے، اور وہ کیا سوچتا ہے، یہ چیزیں الفاظ سے تعبیر نہیں ہوتیں۔ اس کے بعد وہ جو جو حرکتیں کرتا ہے وہ کسی ضابطہ اور آئین کی پابندی نہیں کہیں جو کب گھر کے چکر کاٹتا ہے کہیں اس کے درو دیوار اور چوکھٹ کو چومتا ہے، آنکھیں ملتا ہے، پیشانی اور سر گرہا رہا ہے۔

سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا

درو دیوار سر کو چپسے جانناں کے لئے

کعبہ شریف کے پردہ سے پٹنا چٹنا بھی اسی عاشقانہ شان کا ایک خاص منظر ہے کہ محبوب کے  
 دامن سے چٹنا بھی عشق کے مظاہر میں سے ایک مخصوص منظر ہے۔  
 اے ناتوان عشق تجھے حسن کی قسم  
 دامن کو یوں پکڑ، کہ چھڑایا نہ جاسکے

اس کے بعد صفامروہ کے درمیان دوڑنا بھی اسی مجنونانہ انداز کا ایک پرکیف منظر ہے  
 کہ ننگے سر نہ کرتے نہ پاٹھا رادھر سے ادھر ادھر سے ادھر بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔  
 اب نہیں دل کو کسی صورت قرار  
 اس نگاہ ناز نے کیا سحر ایسا کر دیا

اس سب کے بعد منی میں شیاہین کے پتھر مارنا اس جنون و وحشت کے آخری حصہ  
 کا نظارہ ہے جو عشاق کو پیش آتا ہے، عاشق کا جنون جب حد سے تجاوز کرتا ہے تو وہ  
 ہر اس شخص کے پتھر مارا کرتا ہے جس کو وہ اپنے کام میں خلل سمجھتا ہے۔  
 میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے بھجائے ہے

اور سب سے آخر میں قربانی جو حقیقت اپنی جان کی قربانی ہے اللہ جل شانہ نے اپنی  
 غایت رحمت اور رافت سے اس کو جانور کی یعنی مال کی قربانی سے بدل دیا ہے  
 یہی عشق کا منتہا اور آخری حال ہے۔

موت ہی ہے علاج عاشق کا  
 اس سے اچھی نہیں دوا کوئی

## مقامِ صحابہ

”بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض بڑی خطائیں سرزد ہو جانے پر کبھی بھی کوئی خلیانِ طبیعت میں نہیں آیا، جب کہ مشائخِ عظام سے ایسی خطاؤں کا صدور بعید تر ہے اور کوئی بڑے سا بڑا شیخ بھی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا تو ان کی معاصی کی روایات پر اللہ کے فضل سے مجھے کبھی اشکال نہیں ہوا، اکابر کی جوتیوں اور احادیث کی برکت سے ان سب کے متعلق ہمیشہ یہی ذہن میں رہا کہ یہ افعال ان حضرات سے تعلیم کی تکمیل کے لئے تکوینی طور سے کرائے گئے۔ ع

تو مشقِ نازِ کر خونِ دو عالم میری گردن پر

ان انفسِ قدسیہ نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ آپ اپنی شریعتِ مطہرہ کی تکمیل کیجئے ہم اس کے لئے سگسار ہونے کو تیار ہیں، ہاتھ کٹانے کو تیار ہیں، اکوڑے کھانے کو تیار ہیں یہی میرے نزدیک مصداق ہے قرآنِ کریم کی آیت ”خَاوِلُكُمْ يَبْدَلِ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ“ کا (بس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا) اور یہی مصداق ہیں ان احادیثِ مغفرت کے جس میں ہے کہ بعض خوش نصیبوں کو کہا جاتا ہے کہ ”ہر گناہ کے بدلے میں ایک نیکی دے دو“

یہاں ایک بات نہایت قابلِ اہتمام یہ ہے کہ یہ مراحمِ خسروانہ کہلاتے ہیں کہ مراحمِ خسروانہ میں قاتلوں کو پھانسی کی سزا سے بھی معاف کر دیا جاتا ہے، لیکن اس اطمینان پر کہ میں تو مراحمِ خسروانہ میں پھوٹ جاؤں گا قتل کی ہمت کوئی نہیں کرتا، البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ صحابہ کرام شرب ان میں داخل ہیں اس لئے کہ

ان کے معاصی کے جو قصے احادیث میں آتے ہیں وہ انھیں مراحم خسروانہ کے مستحق ہیں، حضرت مائزؓ سے زنا صادر ہو جاتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے، حضور اقدسؐ نے فرمایا: ہا! استغفاً کر توبہ کر، وہ ٹھوڑی دور جاتے ہیں بے چینی غالب ہوتی ہے، پھر اگر یہی عرض کرتے ہیں اور حضور اقدسؐ کا یہی جواب ہوتا ہے، چار دفعہ یہی واقعہ پیش آتا ہے کہ حضور اقدسؐ انھیں توبہ و استغفار کی تاکید کر کے واپس کر دیتے ہیں، پونہ بی دفعہ میں حضور اقدسؐ حسب قواعد شرعیہ سنگسار کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔

اس پر دو صحابہ نے یوں کہا کہ اس شخص کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا، مگر اس نے اپنے آپ کو پیش کیا حتیٰ کہ کتے کی طرح سے رجم کیا گیا، حضور اقدسؐ نے یہ سن کر سکوت فرمایا اور اگے ٹھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک گدھا مار پڑا تھا، اور اس کا پیٹ پھولا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کی ایک ٹانگ ابھر گئی تھی، حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا ہم حاضر ہیں، حضور اقدسؐ نے فرمایا اس مردار میں سے کھاؤ، انھوں نے کہا کہ اس میں سے کون کھا سکتا ہے، حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ تم نے جو مسلمان بھائی کی آبروریزی کی وہ اس سے زیادہ سخت ہے، تم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے۔

احادیث کی کتاب الحدود میں متعدد روایات ان قصوں کی وارد ہوئی ہیں، ہم میں سے بڑے سے بڑا بھی کوئی ایسا ہے، جو گناہ پر اتنا بے چین ہو جائے جتنا حضرتؐ ہوتے تھے۔

اللہ جل شانہ عالم الغیب ہیں، وہ سب کے گناہوں کو بھی جانتے ہیں، اور

گناہوں کے بعد ان کے حالات کو بھی اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں باوجود  
 معاصی کے بھی اپنی رضا اور خوشنودی کے پروانے جگہ جگہ ارشاد فرماتے ہیں "وَالسَّيِّئُونَ  
 الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَرَّوْهُمْ  
 عَنْهُ وَاعْتَدَ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ  
 الْعَظِيمُ" (اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جنہے لوگ خلاص (احسان)  
 کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے راضی  
 ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں  
 جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ بیان القرآن)

### اختلاف صحابہ کے اسباب اور اس کی ضرورت و افادیت

”یہاں ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ تعلیم امت ہی کے  
 لئے مبعوث ہوئے تھے، اور یہی بزرگ غرض حضور کی تشریف آوری سے وابستہ تھی، تو آپ نے جملہ  
 احکام شرعیہ کو مفصل و واضح متنازعہ حالت میں کیوں نہ ارشاد فرمادیا جس سے یہ ابھن ہی  
 یکسر اٹھ جاتی اور کسی قسم کی غلطی ہی باقی نہ رہتی، ظاہری صورت میں تو یہ اشکال بہت ہی  
 واضح ہے لیکن حقیقت میں نہایت ہی مہمل خدشہ ہے، جو احکام شرعیہ پر قلتِ نظر سے  
 وارد ہوتا ہے، اور فی الواقع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے حال پر غایت درجہ کرم  
 اور شفقت تھی کہ ان معمولی فروعی مسائل کا ایسا انضباط نہیں فرمایا کہ جس کی وجہ سے امت کو  
 تنگی پیش آئے بلکہ احکام دینیہ کو درجہ اولیت پر تقسیم فرمادیا ایک وہ احکام ہیں، جن میں غور و خوض

لہ شریعت و طریقت کا تلازمہ تھا ۱۷ مختصراً



و بحث و مباحثہ غیر پسندیدہ قرار فرمادیا دوسرے وہ احکام ہیں جن میں اختلاف کو رحمت کا سبب قرار دیا، اور سہولت امت کے لئے ہر فعل کو خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو باعث اجر قرار دے دیا بشرطیکہ محض لا پرواہی سے غلط روی اختیار نہ کی ہو، دوسرے الفاظ میں یہ سمجھنا چاہئے کہ شریعت نے احکام کو دو طریقوں پر تقسیم کر دیا، ایک قطعی جن میں کرنے والوں کے فہم و سمجھ کا دخل نہیں رکھا، واضح الفاظ میں بیان فرمائیے اور ان میں توجیہ و تاویل کی بھی گنجائش نہیں رکھی، تاویل سے بھی انحراف کرنے والے کو خطائی و گمراہ قرار دیا، دوسرے وہ احکام ہیں جن میں شریعت نے تنگی نہیں فرمائی بلکہ اس میں امت کے ضعف پر نظر فرماتے ہوئے امت کی سہولت کو مد نظر رکھا اور اس میں توجیہ و تاویل کی وجہ سے عمل نہ کرنے والوں کو خطائی اور بد دین سے تعبیر نہیں فرمایا، قسم اول کو اعتقادات سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور قسم ثانی کو جزئیات، فرعیات، شریعات وغیرہ وغیرہ اسمائے پکارا جاتا ہے، اس دوسری نوع میں حقیقت الامر یہ ہے کہ شریعت نے اس میں خود ہی تنگی نہیں فرمائی، اس لئے اس کو تفصیل کے ساتھ کہ ارکان و واجبات وغیرہ خود شائع کی جانب سے تمیز و مفصل ہو جاتے تو یہ بھی نوع اول میں داخل ہو کر امت کے لئے سخت تنگی کا سبب ہو جاتا اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھی اختلاف سے خلو و شکل ہوتا اس لئے کہ وہ متعلق رکھے سب الفاظ ہی کے ذریعہ سے ارشاد فرمائے جلتے، اور الفاظ میں پھر مختلف محال نکلتا قریب تھا، الغرض شریعت مطہرہ نے احکام کو اصول و فروع دو امر میں تقسیم فرما کر امر اول میں اختلاف کی سختی سے مانعت فرمادی، چنانچہ آیت تھرت شرع لِّلہ مِنَ الدِّینِ مَا وَشٰی بِہٖ لَوْحًا ذَٰلِکَ اَوْفٰیۃً اَیْکَ وَمَا وَشٰی بِہٖ اِبْرٰہِیْمَ وَمُوسٰی وَعِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا فِتْنٰہُ وَاِنَّہٗ بِیْنَ النَّاسِ

فی الدین کی مانعت ہے، اور قسم دوم میں اختلاف کو امت کے لئے رحمت کا سبب قرار دیا،

اور اسی وجہ سے اس نوع کے اختلافات میں جس کے سیکڑوں واقعات نبوی دور مقدس میں گزرے ہیں، تشدد نہیں فرمایا، امثلہ کے طور پر دو واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ نسائی نے طاری کے واسطے سے دو صحابہ کا قصہ نقل فرمایا کہ وہ دونوں جنبی ہوئے ان میں سے ایک نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی (غالباً تیمم کا نزول اس وقت تک نہیں ہوا ہو گا یا ان کو نہیں پہنچا ہو گا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصویب فرمائی دوسرے صحابی نے تیمم سے نماز ادا فرمائی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھی تصویب فرمائی اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قبیلہ بنو قریظہ میں نماز عصر پڑھنے کا حکم ارشاد فرمایا، اس پر عمل کرنے والوں میں سے بعض نے وہاں عصر پڑھنے کے حکم کو اصل قرار دیا، اور راستہ میں نماز نہ پڑھی اگرچہ نماز کو تاخیر ہوئی مگر ان لوگوں نے ظاہر انتقال کو ضروری خیال فرمایا، دوسری جماعت نے اسی امر کا حقیقی مقصد بوجہ تہ پہنچنا سمجھ کر راستہ میں عصر کی نماز اپنے وقت پر ادا فرمائی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق پر اعتراض نہیں فرمایا، بخاری میں مفصل قصہ موجود ہے اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں یا بجملہ فرعی اختلاف اور چیز ہے اور اصولی اختلاف اور ہے جو لوگ اس اختلاف کو اصولی اختلاف کے مشابہ سمجھ کر ایسی روایات و آیات کو اس پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں جو اختلاف مذہب کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں، وہ ان کی ناقصیت یا دھوکہ دہی ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ شریعت مطہرہ نے اس فرعی اختلاف میں بڑی وسعت و سہولت رکھی ہے، اگر یہ صورت نہ ہوتی تو امت کے لئے اس قدر تنگی پیش آجاتی کہ تحمل سے باہر ہو جاتا، اسی وجہ سے ہارون رشید نے جب بھی امام مالکؒ سے یہ درخواست کی کہ موطا امام مالک کو بیت اللہ شریف پر لٹکا کر امت کو اس پر عمل کا امر کر دیں

تاکہ افتراق نہ رہے تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی بھی اس کو قبول نہیں فرمایا اور ہمیشہ یہی جواب دیا کہ صحابہ مسائل فرعیہ میں مختلف ہیں اور وہ سب مصیب ہیں بلا متفرقہ میں دونوں کے اقوال و مسائل معمول بہا ہیں، ان کو روکنے کی کوئی وجہ نہیں ایسے ہی جب منصور نے حج کیا اور امام مالک سے درخواست کی کہ آپ اپنی مؤلفات مجھے دے دیجئے تاکہ میں ان کی نقلیں بلا واسطہ میں شائع کر دوں اور مسلمانوں کو حکم کر دوں کہ ان سے متجاوز نہ ہوں تو آپ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین ایسا ہرگز نہ کیجئے لوگوں کے پاس احادیث و اقوال صحابہ پہنچے ہوئے ہیں، وہ ان پر عامل ہیں، ان کو اسی کے موافق عمل کرنے دیجئے، یہی منشا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ میری امت کا اختلاف رحمت کا سبب ہے اور یہی وہ کھلی رحمت ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے آج ہر امام کے نزدیک مختلف فیہ مسائل میں دوسرے کے مذہب پر شرعی ضرورت کی وجہ سے فتویٰ دینا جائز ہے لیکن اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو کسی ضرورت سے بھی اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ کو چھوڑنا جائز نہ ہوتا، فرض حقیقت میں یہ اختلاف ائمہ شرعاً مطلوب ہے جس میں ایک ہی فائدہ نہیں جو مذکور ہوا اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد مستتر ہیں!

## اختلافات صحابہ کے مفید ثمرات

”حضرت عمر بن عبد العزیز جن کا لقب عمر ثانی ہے اور ان کی خلافت خلافت راشدہ کے گویا برابر سمجھی جاتی ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ ”ماسرئی لوان اصحاب محمد لم یختلفوا الا نهم لولم یختلفوا لم تکن رخصۃ“ (مجھے اس بات سے مسرت نہ ہوتی کہ

حضور کے صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا اس لئے کہ ان میں اگر اختلاف نہ ہوتا تو گنجائش نہ رہتی  
 (زرقاتی علی الموابہب) داری نے بھی انشیم کا مقولہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کا نقل کیا ہے  
 اور اس کے بعد لکھا ہے کہ پھر حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے اپنی سلطنت میں یہ احکام بھی دیے  
 کہ ہر قوم اس کے موافق عمل کرے جو وہاں کے علماء کا فتویٰ ہو، عونؓ بن عبد اللہ تابعی جو  
 بڑے فراء اور بڑے عابدین میں ہیں کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ  
 میں اختلاف نہ ہو اس لئے کہ اگر وہ حضرات کسی چیز پر متفق ہوں اور پھر کوئی شخص اس کے  
 خلاف کرے تو وہ ناک سنت ہے، اور اگر ان میں اختلاف ہو پھر کوئی شخص ان کے  
 اقوال میں سے کسی پر عمل کر لے تو وہ حدود سنت سے نہیں نکلتا (داری) عبد اللہ بن  
 مبارک بن جلیل القدر امام ہیں، کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی کا قول معتبر  
 نہیں نہ صحابہ کے اجماعی قول کے مقابلہ میں، ہاں جس چیز میں صحابہ میں اختلاف ہے،  
 اس میں ہم اس چیز کو اختیار کریں گے جو قرآن و حدیث کے زیادہ قریب ہوگی، دوسری  
 جگہ ارشاد فرماتے ہیں، صحابہ کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے (مقدمہ اوچن) درمختار  
 اور شامی میں لکھا ہے کہ مجتہدین کا اختلاف رحمت ہے، اور جتنا بھی اختلاف زیادہ ہوگا  
 رحمت زیادہ ہوگی اور میں پوچھتا ہوں کہ علماء کا اختلاف کب نہیں ہو گا کون سا دور  
 کون سا وقت ابتداء اسلام بلکہ ابتداء عالم سے ایسا گزرا ہے جس میں علماء کا اور  
 اہل حق کا اختلاف نہیں ہوا خود حق جل و علانے سارے ہی انبیاء پر کیا ایک ہی  
 دین اتارا، اصول دین میں اتحاد رہا اور فروغ میں ہمیشہ اختلاف رہا کیا داؤدؑ اور  
 حضرت سلیمان علی نبینا علیہما السلام کے متعدد فیصلوں میں اختلاف نہیں ہوا، اور  
 باوجود اس اختلاف کے حق تعالیٰ شانہ نے دونوں کی مدح نہیں

## احکام دین کا استخفاف

.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص قصداً بلا کسی شرعی عذر کے ایک دن بھی رمضان کے روزہ کو افطار کرے غیر رمضان کا روزہ چاہے تمام عمر کے روزے رکھے اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔

بعض علماء کا مذہب جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ حضرات بھی ہیں اس حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جس نے رمضان المبارک کے روزہ کو بلا وجہ کھودیا، اس کی قضا ہو ہی نہیں سکتی چاہے عمر بھر روزے رکھتا رہے، مگر جمہور فقہاء کے نزدیک اگر رمضان کا روزہ رکھا ہی نہیں تو ایک روزے کے بدلے ایک روزہ سے قضا ہو جائیگی اور اگر روزہ رکھ کر توڑ دیا تو قضا کے ایک روزہ کے علاوہ دو مہینہ کا روزہ کفارہ کے ادا کرنے سے فرض ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے البتہ وہ برکت ہاتھ نہیں آ سکتی کہ جو رمضان شریف میں روزہ رکھنے سے حاصل ہوتی ہے سب کچھ اس حالت میں ہے کہ بعد میں قضا بھی کرے اور اگر سرے سے رکھے ہی نہیں جیسا کہ اس زمانہ کے بعض فتنائی کی حالت ہے تو اس کی گمراہی کا کیا پوچھنا، روزہ ارکان اسلام سے ایک رکن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ارشاد فرمائی ہے، سب سے اول توحید و رسالت کا اقرار اس کے بعد اسلام کے چاروں شہور رکن نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کتنے مسلمان ہیں جو مردم شماری میں مسلمان شمار ہوتے ہیں، لیکن ان پانچوں میں سے ایک بھی کرنے والے نہیں۔

سرکاری کاغذات میں وہ مسلمان لکھے جائیں مگر الشریک فہرست میں وہ مسلمان شمار نہیں ہو سکتے،  
 جتنی کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ اسلام کی بنیاد تین چیز پر ہے، کلمہ شہادت  
 اور سائے روزہ جو شخص ان میں سے ایک بھی چھوڑ دے وہ کافر ہے، اس کا خون کر دینا حلال ہے،  
 علماء نے ان جیسی روایات کو انکار کے ساتھ مفید کیا ہو یا کوئی تاویل فرمائی ہو مگر اس سے  
 انکار نہیں کر نبی کریمؐ کے ارشادات ایسے لوگوں کے بارے میں سخت سے سخت وارد ہوئے  
 ہیں، فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کو اللہ کے قہر سے بہت زیادہ ڈرنے کی  
 ضرورت ہے کہ موت سے کسی کو چارہ نہیں دنیا کی عیش و عشرت بہت جلد چھوٹنے والی  
 چیز ہے کارآمد چیز صرف اللہ کی اطاعت ہے، بہت سے جاہل تو اتنے ہی پر کفایت  
 کرتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتے لیکن بہت سے بد دین زبان سے بھی اس قسم کے الفاظ بک  
 دیتے ہیں کہ جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں، مثلاً روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ ہو، یا ہمیں  
 بھوکا مارنے سے اللہ کو کیا مل جاتا ہے وغیرہ وغیرہ، اس قسم کے الفاظ سے بہت ہی زیادہ  
 احتیاط کی ضرورت ہے، اور بہت غور و اہتمام سے ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ دین کی چھوٹی  
 سے چھوٹی بات کا تسخیر اور مذاق اڑانا بھی کفر کا سبب ہوتا ہے، اگر کوئی شخص عمر بھر نماز نہ پڑھے  
 کبھی بھی روزہ نہ رکھے اسی طرح کوئی اور فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اس کا منکر نہ ہو، وہ کافر  
 نہیں جس میں فرض کو ادا نہیں کرتا اس کا گناہ ہونا ہے، اور جو اعمال ادا کرتا ہے اس کا اجر ملتا  
 ہے، لیکن دین کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بات کا تسخیر بھی کفر ہے، جس سے اور بھی تمام عمر کے نماز  
 روزہ نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، بہت زیادہ قابل لحاظ امر ہے اس لئے روزہ کے  
 متعلق بھی کوئی ایسا لفظ ہرگز نہ کہے، اور اگر تسخیر وغیرہ نہ کرے تب بھی بغیر عذر افاطار کرنے والا  
 فاسق ہے حتیٰ کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو شخص رمضان میں علی الاطلاق بغیر عذر کے کھاؤ

اس کو قتل کیا جاوے لیکن قتل پر اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے قدرت نہ ہو کہ یہ کام امیر المؤمنین کا ہے تو اس فرض سے کوئی بھی سبکدوش نہیں اس کی اس ناپاک حرکت پر اظہار نفرت کرے اور اس سے کم تو ایمان کا کوئی دھڑہ ہی نہیں کہ اس کو دل سے برا سمجھے۔

## اسلامی اور غیر اسلامی نکاح

”علماء نے لکھا ہے کہ دو عبادتیں ایسی ہیں کہ جو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہو کر قیامت تک بلکہ جنت میں بھی باقی رہیں گی ایک ایمان، دوسری نکاح، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں مگر ہم لوگوں نے اس بابرکت سنت کو بے حد لغویات اس میں شامل کر کے اس کو ایک مصیبت عظمیٰ بنا لیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں یہ سنت ہی کا درجہ رکھتا تھا، یہ لغویات جو ہم نے شامل کر لی ہیں، ان کا ثابہ بھی اس زمانے میں نہیں تھا، صحابہ کرام کو جو عشق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، وہ کسی سے مخفی نہیں اس کے کچھ نمونے میں اپنے رسالہ حکایات صحابہ میں لکھ بھی چکا ہوں، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ایک مشہور صحابی ہیں، عشرہ مبشرہ میں ہیں حضور کے جانتاروں میں ہیں، مگر اپنی شادی میں حضورؐ کو بلانا تو درکنار خبر بھی نہ کی جب حضورؐ نے ان کے کپڑوں پر کچھ صفرہ کا اثر دیکھا یہ ایک قسم کی خوشبو ہے، جو اس زمانے میں شادیوں کے موقع پر استعمال

کی جاتی تھی اس کو دیکھ کر حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے کیا تم نے شادی کر لی، انھوں نے عرض کیا جی حضورؐ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے جو نکاح بہت ہلکا پھلکا ہو وہ بہت مبارک ہے مگر افسوس ہے کہ ہم نے اس مبارک سنت کو اپنی رسوم کی بدولت مشکل ترین بنا دیا نہ معلوم کتنی نمازیں اس کی نظر ہو جاتی ہیں بعض جگہ تو مصیبت یہ ہے کہ عین نماز کے وقت بارات رخصت ہوتی ہے کہ جس سے دو بہادہن اور سارے باراتیوں کی جماعت فوت ہوتی ہے جس کی ابتداء اس نحوست سے ہوتی ہو اس کی منتہا پر آپؐ میں رطائیاں، فتنہ، فساد، جتنا ہو وہ کم ہی ہے، علماء نے لکھا ہے کہ جو محل اس صحبت سے ٹھہرے جو نماز کے وقت میں کی گئی ہو یعنی اس سے نماز فوت ہوئی ہو تو اس سے جو بچ پیدا ہو گا وہ عاق بالوالدین ہوتا ہے یعنی والدین کا نافرمان اور ان کو تکلیف پہنچا والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرما دے اور ہم کو ہدایت سے نوازے اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ ان ہی لغویات کی وجہ سے لڑکیاں ایک لمبی عمر تک بیٹھی رہتی ہیں، شادی کا انتظام نہیں ہو سکتا، اور اس سے زیادہ بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ بعض جگہ اس مصیبت کے لئے سود پر روپیہ لینا پڑتا ہے جس کے متعلق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے لڑائی اور اعلان جنگ بتلایا گیا ہے اللہ سے لڑائی اور اس کے پاک رسولؐ سے اعلان جنگ کے بعد کون پیپ سکتا ہے اور ان ساری مصیبتوں کا عذرا و مجبوری یہ بتلائی جاتی ہے کہ ناک کٹ جاتی ہے، میں نے تو سیکڑوں اکابر و اجاب کو ان خرافات کے بغیر سادگی کے ساتھ نکاح کرتے دیکھا مگر کسی ایک کی بھی ناک کٹی ہوئی نہ دیکھی۔



## صحبت کا اثر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ مسلمان کے علاوہ کسی کے ساتھ مصاحبت اور ہم نشینی نہ رکھو اور تیرا کھانا غیر متقی نہ کھائے، اس حدیث پاک میں حضور اقدس نے دو آداب ارشاد فرمائے، اول یہ کہ ہم نشینی اور نشست و برخاست غیر مسلم کے ساتھ نہ رکھو اگر اس سے کامل مسلمان مراد ہے تب تو مطلب یہ ہے کہ فاسق فاجر لوگوں کے ساتھ مجالس اختیار نہ کرو دوسرے جملہ میں چونکہ متقی کا ذکر ہے اس سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے، نیز اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ایک حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ نہ داخل ہوں تیرے گھر میں مگر متقی لوگ (کنز) اور اگر اس سے مطلقاً مسلمان مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ کافروں کے ساتھ بے ضرورت مجالست اختیار نہ کی جائے اور ہر صورت میں تنبیہ مقصود ہے اچھی صحبت اختیار کرنے پر اس لئے کہ آدمی جس قسم کے لوگوں میں کثرت سے نشست و برخاست رکھا کرتا ہے اسی قسم کے آثار آدمی میں پیدا ہوا کرتے ہیں اسی بنا پر حضور کا وہ ارشاد ہے جو ابھی گذرا کہ تیرے گھر میں متقیوں کے علاوہ داخل نہ ہوں یعنی ان سے میل جول ہوگا تو ان کے اثرات پیدا ہوں گے حضور اقدس کا پاک ارشاد ہے کہ صانع ہم نشین کی مثال مشک بیچنے والے کی ہے اگر اس کے پاس بیٹھا جائے تو وہ بھٹورسا مشک کا پڑیگا دیدیگا تو اس سے بھی خرید لے گا اردو نوں باتیں نہ ہوں تو پاس بیٹھنے کی وجہ سے مشک کی خوشبو سے دماغ معطر ہے گا (اور فرحت پہنچتی رہے گی) اور بڑے ساتھی کی مثال لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھنے والے کی ہے کہ اگر اس کی بھٹی سے کوئی چنگاری اڑ کر لگ گئی تو کپڑے جلادے گی اور یہ بھی نہ ہو تو بدلو اور دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں (مشکوٰۃ) ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی

اپنے دوست کے مذہب پر ہوا کرتا ہے، پس اچھی طرح غور کر لے کہ کس سے دوستی کر رہا (مشکوٰۃ) مطلب یہ ہے کہ پاس بیٹھنے کا اور صحبت کا اثر بے ارادہ رفتہ رفتہ آدمی میں سرایت کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ آدمی اس کا مذہب بھی اختیار کر لیا کرتا ہے اس لئے پاس بیٹھنے والوں کی دینی حالت میں اچھی طرح سے غور کر لینا چاہئے، بد دینوں کے پاس کثرت سے بیٹھنے سے بد دینی آدمی میں پیدا ہو کرتی ہے، روزمرہ کا تجربہ ہے کہ شراب پینے والوں کے شطرنج کھیلنے والوں کے پاس تھوڑے دن کثرت سے اٹھنا بیٹھنا ہو تو یہ مرض آدمی لگ جاتے ہیں، ایک اور حدیث میں ہے حضور اقدسؐ نے حضرت ابو رزینؓ سے فرمایا کہ میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جس سے اس چیز پر قدرت ہو جائے جو دارین کی خیر کا سبب ہو اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلس اختیار کر اور جب تو تنہا ہو کرے تو جس قدر بھی تو کر سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دیتا رہا کر اور اللہ کے لئے دوستی کر اور اسی کے لئے دشمنی کر (مشکوٰۃ) یعنی جس سے دوستی یا دشمنی ہو وہ اللہ ہی کی رضا کے واسطے ہو اپنے نفس کے واسطے نہ ہو، امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس شخص کی مصاحبت اختیار کرے اس میں پانچ چیزیں ہونا چاہئیں، اول صاحب عقل ہو، اس لئے کہ عقل اصل رأس المال ہے، بے وقوف کی مصاحبت میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کا مال کا ر و حشت اور قطع رحمی ہے، حضرت سفیان ثوری سے تو یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ محنت کی صورت کو دیکھنا بھی خطا ہے، دوسری چیز یہ ہے کہ اس کے اخلاق اچھے ہوں کہ جب آدمی کے اخلاق خراب ہوں تو وہ عقل پر سبوتا غالب آجاتے ہیں، ایک آدمی سمجھ دار ہے، بات کو فوہ سمجھتا ہے لیکن غصہ، شہوت، بخل وغیرہ اس کو اکثر عقل کا کام نہیں کرنے دیتے، تیسری چیز یہ ہے کہ وہ فاسق نہ ہو، اس لئے کہ جو شخص اللہ جل شانہ سے بھی نہ ڈرتا ہو اس کی دوستی کا کوئی اعتبار نہیں، نہ معلوم کس جگہ کن مصیبت میں

پھسانے، پوتھی چیز یہ ہے کہ وہ بدعتی نہ ہو کہ اس کے تعلقات سے بدعت کے ساتھ متاثر ہو جانے کا اندیشہ ہے، اور اس کی نحوست کے متعدی ہونے کا خوف ہے بدعتی اس کا مستحق ہے کہ اس سے تعلقات اگر ہوں تو منقطع کر لئے جائیں نہ یہ کہ تعلقات پیدا کئے جائیں، پانچویں چیز یہ ہے کہ وہ دنیا کمانے پر رہ لیں نہ ہو کہ اس کی صحبت ستم قاتل ہے اس لئے کہ طبیعت تشبہ اور اقتداء پر مجبور ہو ا کرتی ہے اور مخفی طور پر دوسرے کے اثرات لیا کرتی ہے (احیاء).... اثرات کا لینا آدمیوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جس چیز کے ساتھ آدمی کا تلبس زیادہ ہو ا کرتا ہے اس کے اثرات مخفی طور پر آدمی کے اندر آ جا یا کرتے ہیں حضور اقدسؐ سے نقل کیا گیا کہ بکریوں والوں میں مسکنت ہوتی ہے اور فخر و تکبر گھوڑے والوں میں ہوتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان دونوں جانوروں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں اور ٹ اور بیل والوں میں شدت اور سخت دلی بھی وارد ہوئی ہے، دوسرا ادب حدیث بالا میں یہ ہے کہ تیرا کھانا تنقی لوگ ہی کھائیں یہ مضمون بھی متعدد روایات میں آیا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنا کھانا تنقی لوگوں کو کھلاؤ اور اپنے احسان کا مومنوں کو مورد بناؤ (اتحاف) علمائے لکھا ہے کہ اس سے مراد دعوت کا کھانا ہے حاجت کا کھانا نہیں ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے کھانے سے اس شخص کی ضیافت کرو جس سے اللہ کی وجہ سے محبت ہو (اتحاف) دفع حاجت کے کھانے میں حق تعالیٰ شانہ نے قیدیوں کے کھانے کی بھی مدح فرمائی ہے اور قیدی اس زمانے کے کافر تھے (مظاہر) احادیث کے سلسلے میں

گزر چکا ہے کہ ایک فاحشہ عورت کی محض اسی وجہ سے مغفرت ہوئی کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا، اور بھی متعدد روایات میں مختلف مضامین سے اس کی تائید ہوتی ہے، حضورؐ نے تو قاعدہ اور ضابطہ فرمادیا کہ ہر جاندار میں اجر ہے اس میں متقی غیر متقی، مسلم کافر آدمی

جیوان سب ہی داخل ہیں لہذا احتیاج اور ضرورت کے کھانے میں یہ چیزیں نہیں دیکھی جاتی ہیں وہاں تو احتیاج کی شدت اور قلت دیکھی جاتی ہے جتنی زیادہ احتیاج ہوتا ہے زیادہ ثواب ہوگا یہ کھانا دعوت اور تعلقات کا ہے اس میں بھی اگر کوئی دینی مصلحت ہو خیر کی نیت ہو تو جس درجہ کی وہ خیر اور مصلحت ہوگی اسی درجہ کا اجر ہوگا، البتہ اگر کوئی دینی مصلحت نہ ہو تو کچھ کم ہوتا ہے جتنا زیادہ نفی ہوگا اتنا ہی زیادہ اجر کا سبب ہوگا۔

### داعیوں اور مبلغوں کی ذمہ داری

”ایک خاص مضمون پر تہنیکہ مقصود ہے، وہ یہ کہ جس طرح اس زمانہ میں نفس تبلیغ میں کوتاہی ہو رہی ہے اور عام طور پر لوگ اس سے بہت زیادہ غافل ہو رہے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں ایک خاص مرض یہ ہے کہ جب وہ کسی دینی منصب تقریر، تحریر، تعلیم، تبلیغ و عطا وغیرہ پر مامور ہو جاتے ہیں تو دوسروں کی فکر میں ایسے مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اپنے سے غفلت ہو جاتی ہے، حالانکہ جس قدر دوسروں کی اصلاح کی ضرورت ہے اس سے بہت زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کی احتیاج ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع میں بہت زیادہ اہتمام سے منع فرمایا ہے کہ لوگوں کو نصیحت کرتا پھرے اور خود مبتلائے معاصی رہے۔

آپ نے شب معراج میں ایک جماعت کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کترے جلتے تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں، تو حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ یہ لوگ آپ کی امت کے واعظ و مقرر ہیں کہ دوسروں کو نصیحت کرتے تھے، خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے، (مشکوٰۃ شریف)

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اہل جنت کے چند لوگ بعض اہل جہنم سے جا کر پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے، ہم تو جنت میں تمہاری ہی بتائی باتوں پر عمل کرنے کی بدولت پہنچے ہیں، وہ کہیں گے کہ ہم تم کو تو بتلاتے تھے، مگر خود عمل نہیں کرتے تھے، ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بدکار قراء (علماء) کی طرف خدا تعالیٰ زیادہ سرعت سے چلے گا، وہ اس پر تعجب کریں گے کہ بت پرستوں سے بھی پہلے ان کو عذاب دیا جاتا ہے تو جواب ملے گا کہ جلنے کے باوجود کسی جرم کا کرنا انجان ہو کر کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔

### قرآن کی حفاظت و اشاعت میں سربراہان قوم کی مجرمانہ غفلت

”بیجا نہ ہو گا اگر میں یہاں پہنچ کر سربراہانِ دکانِ قوم کی شکایت کروں کہ قرآن پاک کی اشاعت میں آپ کی طرف سے کیا اعانت ہوتی ہے، اور یہی نہیں بلکہ خدا را ذرا خور سے جواب دیجئے کہ اس کے سلسلے کو بند کرنے میں آپ کا کس قدر حصہ ہے، آج اس کی تعلیم کو بے کار بنلایا جاتا ہے، اشاعتِ عمر سمجھا جاتا ہے، اس کو بے کار دماغ سوزی اور بے نتیجہ عرقریزی کہا جاتا ہے، ممکن ہے کہ آپ اس کے موافق نہ ہوں لیکن ایک جماعت جب بہترن اس میں کوشاں ہے تو کیا آپ کا سکوت اس کی اعانت نہیں ہے، مانا کہ آپ اس خیال سے سبزار ہیں، مگر آپ کی اس سبزاری نے کیا فائدہ دیا ہے

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

آج اس کی تعلیم پر پڑے زور سے اس لئے انکار کیا جاتا ہے کہ مسجد کے ملاوٹوں نے اپنے

ٹکڑوں کے لئے دھندلا کر رکھا ہے گو یہ عامۃً نیتوں پر حملہ ہے جو بڑی سخت ذمہ داری  
 ہے اور اپنے وقت پر اس کا ثبوت دینا ہو گا مگر میں نہایت ہی اوسے پوچھتا ہوں کہ خدرا  
 ذرا اس کو تو غور کیجئے کہ ان خود غرض ملاؤں کی ان خود غرضیوں کے ثمرات آپ دنیا میں کیا  
 دیکھ رہے ہیں اور آپ کی ان بے غرضانہ تجاویز کے ثمرات کیا ہوں گے، اور نشر و اشاعت  
 کلام پاک میں آپ کی ان مفید تجاویز سے کس قدر مدد ملے گی، ابہر حال حضور صلی اللہ علیہ  
 وسلم کا ارشاد آپ کے لئے قرآن شریف کے پھیلانے کا ہے اس میں آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے  
 کہ اس ارشاد نبویؐ کا کس درجہ، مثال آپ کی ذات سے ہوا اور ہو رہا ہے دیکھیے ایک  
 دوسری بات کا بھی خیال رکھیں بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اس خیال میں  
 شریک نہیں تو ہم کو کیا مگر اس سے آپ اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے صحابہ نے حضور اکرم  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا "اَنْهَلَكَ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ اِذَا كَثُرَ الْحَبْتُ"  
 (کیا ہم ایسی حالت میں ہلاک ہو جائیں گے کہ ہم میں صلحاء موجود ہوں حضور نے ارشاد فرمایا  
 کہ ہاں جب خباثت غالب ہو جائے) اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ  
 نے ایک گاؤں کے الٹ دینے کا حکم فرمایا حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ اس میں فلاں بندہ ایسا  
 ہے کہ جس نے کبھی گناہ نہیں کیا ارشاد ہوا کہ صحیح ہے مگر میری نافرمانی ہوتے ہوئے دیکھتا رہا اور کبھی  
 اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑا، درحقیقت علماء کو یہی امور مجبور کرتے ہیں کہ وہ ناجائز امور کو دیکھ کر  
 ناگواری کا اظہار کریں جس کو ہمارے روشن خیال تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں آپ حضرات اپنی  
 اس وسعت خیالی اور وسعت اخلاق پر مطمئن نہ رہیں کہ فیرضہ صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں  
 ہر اس شخص کے ذمہ ہے جو کسی ناجائز بات کا وقوع دیکھے اور اس پر ٹوکنے کی قدرت رکھتا ہو  
 پھر نہ ٹوکنے

# INDEX

## اشعاریکہ

”سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری“

ترتیب

محرر غیاث الدین ندوی

# شخصیات

(اصل نام حروف تہجی کے اعتبار سے ہیں انقاب خطا یا برکت میں ہیں)

۱۸۱/۱۵۲۰۹۵	(مولوی) احسان لاہوری	۲۸۷۱۲۵۸۱۱۹۹	(سیدنا) آدم علیہ السلام
۱۹۰۰۷۱	(مولوی) احمد حسن کاندھلوی	۲۱۳	(سیدنا) ابراہیم علیہ السلام
۷۶	(میرسید) احمد خاں	۱۸۱	(قاضی) ابراہار
۲۸-۳۳، ۲۰، ۱۹	(حضرت یس) احمد شہید	۱۶۳	(ابراہیم حسین لمبات والا
۱۸۵، ۱۱۳، ۱۱۱	(فضیلۃ الشیخ) احمد عبدالعزیز بن مبارک	۲۴۵	(حافظ) ابن حجر
۲۴۳	(مولانا سید) احمد فیض آبادی	۲۸۶۱۱۷۴۴، ۱۲۲	(حضرت عبدالرش) ابن عباسؓ
۱۴۴، ۸۵	(میر سحود علی) آزاد	۲۱۳	(مولانا سید) ابوالاعلیٰ مودودی
۹۴	(مولانا) اسعد الشیر	۱۳۲، ۱۲۱، ۱۰۹	(الحاج) ابوالحسن سہارنپوری
۵۸	(مولانا) اسعد مدنی	۲۰۱، ۲۰۰، ۱۷۹-۸۲، ۱۶۹، ۱۶۷	(مولانا) ابوالحسن علی ندوی
۱۶۷	(مولانا) اسلام الحق	۱۰۷، ۱۹۲، ۱۷	(مولانا) ابوالحسن علی ندوی
۱۶۵	(صوفی) اسلم	۲۲۷، ۲۳۳، ۲۰۲، ۱۷۵، ۱۶۹-۷۱، ۱۵۳	(مولانا) ابوالحسن کاندھلوی
۱۸۱	(الحاج) اسماعیل لائل پوری	۲۳۹	(امام) ابو حنیفہؒ
۱۸۰، ۱۹۴	(ڈاکٹر) اسماعیل مرحمتی	۳۱، ۳۰، ۲۴، ۱۸	(حضرت) ابوزرینؓ
۱۷۶، ۱۴۸، ۱۴۲	(ڈاکٹر) اشرف الدین	۲۴۳	(حضرت) ابو عبیدہ بن جراحؓ
۱۷۹	(حکیم الامت مولانا) اشرف علی تھانوی	۲۹۰	(مولانا) ابوالقاسم کاندھلوی
۱۷۸	(مولانا) انظہار احسن کاندھلوی	۲۶۵	(امام) ابویحییٰ زکریا انصاری
۲۶۳، ۱۹۸	(مولانا) آفتاب عالم میرٹھی	۳۰	(مولانا) افتخام احسن کاندھلوی
۱۸۶، ۱۰۸		۲۶۳	
۱۴۵		۲۱، ۱۸، ۱۴	
		۱۱۱، ۱۴۴، ۳۶	



۲۱	بہاء الدین شاہ	۱۳۹	(علامہ) اقبال
۱۰۸	(امام) بہیقی	۲۵، ۳۶	(ہدایت افزا بہادر مرزا) الہی بخش
	(ت) (ث)	۲۶-۳۴، ۲۲-۳۴، ۱۸	(حضرت مفتی) الہی بخش
۲۲	(امام) تاج مذکر	۲۶	(مولانا) امام الدین
۱۲۷، ۱۰۸	(مولانا) تقی الدین ندوی مظاہری	۴۰، ۲۴	(بی بی) امۃ الرحمن
۲۶۲	(حضرت) تھانوی دیکھے (حکیم الامت) اشرف علی	۲۴	(بی بی) امۃ الکیم
۸۲، ۴۵	(مرزا) ثریا جاہ	۷۱	(بی بی) امۃ المتین
	(ج)	۱۴۲، ۷۳	(حضرت حاجی) امداد الشرمہا جوی
۲۹۲، ۲۶۳، ۲۶۲	(سیدنا) جبریل علیہ السلام	۲۴۸	(بی بی) آمنہ
۲۹۴	جمال عبدالناصر	۲۴	امیر خسرو
۲۱۴	جمال محمد شاہ	۸۱	(مولانا) انور شاہ کشمیری
۲۱	(سید الطائف) جنید	۲۴، ۳، ۸۰	(ڈاکٹر) انصرام
۲۶۲	(ج)	۱۷۸	(حضرت جی مولانا) انعام اکسن
۲۲	(امام) حاج مذکر	۱۷۱، ۱۱۸	۱۵۳، ۱۵۰، ۱۱۴، ۱۰۸، ۱۰۰، ۹۸، ۹۶، ۹۵
۱۲۴	(خواجہ) حافظ	۲۲۲، ۱۸۹، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۴	
۱۸۱، ۱۴۴	(سید) حبیب	۱۴۵	(حاجی) انیس احمد
۱۴۶	(الذکتور) حبیب المنجوبہ	۲۲۴	(بابو) ایاز
۱۹۸	(رئیس الاحرار مولانا) حبیب الرحمن لکھنوی		(ب)
۲۵۶	(مولانا) حبیب الشہ	۲۱	بابین شاہ
۱۷۴، ۱۷۰، ۱۴۵	(مولوی) حسن احمد	۲۴۴	(امام محمد بن اسماعیل) بخاری
۶۴	(سید) حسن عسکری طارق	۷۷، ۷۶	بدر اکسن
۱۴۵	(شیخ الاسلام مولانا) حسین احمد دینی	۱۴۵	(مولانا) بدر عالم میرٹھی
۷۲، ۴۷	۱۲۵، ۱۱۹، ۱۱۷، ۱۱۱، ۱۰۵، ۸۹، ۸۷، ۸۵	۳۴	بہادر شاہ
	۲۵۹، ۲۱۷، ۲۱۱، ۲۱۰، ۱۹۸، ۱۹۰، ۱۸۴		

۷۰ (خان بہادر الحاج) رشید احمد دیوبند

(حضرت مولانا) رشید احمد گنگوہی ۱۳۹۱، ۱۳۵۰، ۱۲۰

۵۸، ۵۶، ۵۳، ۵۱، ۵۰، ۴۶، ۴۸، ۴۲

۴۴، ۴۲، ۳۸-۳۰، ۱۹۳، ۱۲۵، ۱۸۷، ۱۶۴، ۱۶۰

۲۵۲

۱۲۵

(خان بہادر) رشید احمد میرٹھی

(مولوی) ردوؤف الحسن ۷۲، ۷۱، ۶۲

(ز)

۲۸۴ (علاہ) زرقانی

۱۸۹، ۷۱ (بی بی) زکیہ

۲۱۳ (مولانا) زکریا قدوسی گنگوہی

۱۵۲ (مفتی) زین العابدین

(س)

۲۸۴ (سیدنا) سلیمان علیہ السلام

۲۲ سعد الشرف خاں علّامی

۲۶۳ (عرب خاتون) سعدی

(الحاج) سعید سعیدی بھائی دیکھیے

۹۴ (مولانا قاری) سعید احمد ڈوگرہ

(حضرت) سعید بن المسیب ۲۶۹-۷۱

۹۸ (مولانا) سعید خاں

(مولانا) سعید الرحمن عظیمی ندوی ۱۶۶، ۱۱۷، ۱۱۰-۹

(مولوی) سعید الرحمن کاندھلوی ۱۸۵، ۱۱۹، ۱۷۱

۲۹۰ (حضرت) سفیان ثوری

۱۷۸ (ڈاکٹر) سلطان

۱۱۲ (مولانا شاہ) حلیم عطا

۱۷۴ (مولوی سید) حمزہ حسنی ندوی

۳۲ حضرت سہارنپوری دیکھیے خلیل احمد

(مولانا) حیرت ۳۲

(خ)

۲۶۹، ۲۶۸ (سیدنا) خضر علیہ السلام

۹۱، ۴۹-۵۱ (مولوی) خالد

۱۹۰ (بی بی) خالدہ

۲۵ خان بی بی

(حضرت مولانا) خلیل احمد سہارنپوری ۴۲۲، ۱۱۱

۷۱-۷۶، ۶۸، ۶۷، ۶۳، ۶۱، ۵۶، ۴۸، ۴۷

۸۷-۸۳، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۳۱، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱

۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

۲۸۸، ۲۳۰، ۱۱۹، ۸۷، ۱۸۶، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲

۷۲ (بی بی) خدیجہ

(د) (ذ)

۲۸۴ (سیدنا) داؤد علیہ السلام

۱۸۰ (الحاج) دلدار اسعد

(ڈاکٹر) ذاکر حسین خاں (سابق صدر جمہوریہ ہند) ۱۸۴

۷۱ (بی بی) ذاکرہ

(ر)

۷۱ (بی بی) راشدہ

(حضرت) رائے پوری دیکھیے (مولانا شاہ) عبد القادر

(عرب خاتون) ربیعہ باب ۳۶۳

(مولوی سر) رحیم بخش ۷۹، ۷۸

شیخ محمد دیکھے محمد کاندھلوی

(ص)

۱۱۵ (الحاج) صابری  
(سید) صلیح الدین عبد الرحمن (ناظم دارالمنصفین)

۲۲۱

۲۵ (مولوی) صدر الدین

۱۸۱ (مولوی) صدیق

۲۸ (بی بی) صفیہ

۴۰، ۲۴ (بی بی) صفیہ (جده حضرت شیخ)

۱۹۰، ۱۴۲ (بی بی) صفیہ (صاحبزادی شیخ)

(ض)

۲۵ (شیخ) ضیاء الحق

۱۲۸ (حکیم) ضیاء الدین

۲۵، ۲۲، ۲۱ (قاضی) ضیاء الدین شتائی

۱۲۲ (شاہ سید) ضیاء الدین حسنی

(ظ) (ب)

۲۸۲ طارق

۱۶۷ (مولوی سید محمد) طاہر

۱۲۸ (حکیم) طیب رامپوری

۱۴۸، ۱۱۲، ۶۶، ۳۹ (مولانا) ظفر احمد نقوی

۱۱۳ (مولوی) ظہیر احسن کاندھلوی

(ع)

۲۶۹ (سیدنا) عیسیٰ علیہ السلام

۲۲۱، ۱۱۷ (مولوی سید) سلمان حسینی ندوی

(مولوی حافظ) سلمان دیکھے محمد سلمان

(مولانا) سلیم دیکھے محمد سلیم

۱۱۱ (علامہ سید) سلیمان ندوی

(حضرت) سہان پوری دیکھے (مولانا) خلیل احمد

۱۹۹ سودا (شاعر)

۱۳۴ (علامہ) سیوطی

(ش)

۱۷۰ (امام محمد بن ادریس) شافعی

۱۹۰، ۱۷۱ (بی بی) شاکرہ

۳۲، ۲۳، ۲۲ شاہ جہاں (بادشاہ)

۸۲ (مرزا) شاہ

(مولوی محمد) شاہر دیکھے (مولوی) محمد شاہر

۷۱ (بی بی) شاہدہ

۱۸۴، ۱۸۳ شبیر جذبی کاندھلوی

۶۹ شبیر علی (ویو بندی)

۲۶۲ (شیخ) شبلی

۲۵ (حکیم) شرف الدین

۷۳ (امیر مکہ) شریف حسین

۱۹۱ (مولوی) شعیب کاندھلوی

۱۰۶ (ڈاکٹر) شکلا

۷۷، ۲۴ (مولوی) شمس احسن

۲۴-۲۷ (مولانا حکیم) شیخ الاسلام

۳۸	(حاجی) عبدالرحمن	۸۰	عادل قدوسی گنگوہی
۵۴	(ڈاکٹر) عبدالرحمن	۸۸، ۷۹، ۴۳، ۱۱	(مولانا) عاشق الہی میٹھی
۲۸۷	(حضرت) عبدالرحمن ابن عوفؓ	۱۹۸، ۱۸۹	
۱۷۰	(امام) عبدالرحمن بن مہدی	۱۲۲	(ام المؤمنین حضرت) عائشہ
۶۲، ۱۲۰	(حضرت شاہ) عبدالرحیم رائے پوری	۱۹۱	عائشہ خاتون
۱۲۵، ۱۶۶		۱۹۱	(مولوی) عاقل دیکھے محمد عاقل
۱۵۴	(مولوی) عبدالرحیم متالا	۱۷۴	(حضرت) عباسؓ
۱۱۲	(مولانا) عبدالشکور فاروقی لکھنوی	۱۴۵	(قاری) عباس بخاری
۲۰، ۱۱۹	(حضرت شاہ) عبدالعزیز دہلوی	۱۷۸	(ڈاکٹر) عبدالاحد
۲۹، ۲۸		۱۰۸	(مولانا) عبدالجبار اعظمی
۹۴	عبدالعزیز رائے پور گوجران	۱۶۸، ۱۵۶، ۱۱۴، ۳	(مولوی ملک) عبدالحفیظ
۹۴	(حافظ مولانا) عبدالعزیز مگھلوی	۵۷	(مولانا) عبدالحق خیر آبادی
۱۱۲	(ڈاکٹر سید) عبدالحی حسنی	۱۱۲، ۱۱۱	(مولانا) عبدالحق مدنی
۲۳-۲۵	(حکیم) عبدالقادر	۱۴۳	(ملک) عبدالحق
۷۲	(مولانا شاہ) عبدالقادر رائے پوری	۱۶۱، ۱۰۸	(مولانا) عبدالحکیم جوہپوری
۱۱۱، ۱۰۵، ۱۰۱، ۹۴، ۹۱، ۸۹، ۸۵-۸۷		۱۱۲	(مولانا) عبدالحکیم صدیقی
۱۱۸۵، ۱۱۵۲، ۱۲۶، ۱۱۹، ۱۱۷، ۱۱۳، ۱۱۲		۱۴۶	(شیخ الازہر) عبدالحکیم محمود مصری
۲۵۰، ۲۳۶، ۲۳۱، ۲۱۵، ۲۰۰، ۱۹۴، ۱۹۱		۱۲۶	(مولوی) عبدالحکیم اعظمی
۱۴۵	(قاضی) عبدالقادر	۱۴۷	عبدالحکیم لاہوری
۱۸۱، ۱۸۰، ۱۱۴۵	(حکیم) عبد القدوس	۱۹۰	عبدالحی (صاحبزادہ شیخ)
۱۸۰، ۱۱۴۵	(مولوی) عبدالقادر حیدر آبادی	۲۸	(مولانا) عبدالحی بڈھالوی
۲۶۹	(حضرت) عبدالشریف ابی وداعہؓ	۲۱۹	(مولانا حکیم سید) عبدالحی حسنی
	(حضرت) عبدالشریف عباس دیکھے ابن عباس	۲۳۲	(صوفی) عبد الرب

۲۵۷ (حضرت) عقیقہ

۷۶ (مولوی) علاء الحسن

(حضرت) علاء الدین علی احمد صابری کیری

۲۵۸

۱۱۳ (حضرت) سید شاہ) علم الشرحی

۲۴۳ (علامہ سید) علوی مالکی

۲۸۵ (امیر المؤمنین) علی بن ابی طالبؑ

۱۶۲ (مولوی) علی آدم افریقی

۷۴ (حاجی) علی جان

علی میاں دیکھے ابوالحسن علی حسینی ندوی

۲۶۵، ۲۰۶ (امیر المؤمنین) عمر بن الخطابؓ

(حضرت) عمر بن عبد العزیز ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۶

۶۷ (مولانا) عنایت الہی

۲۸۴ عون بن عبد اللہ

(غ)

۳۳، ۳۲، ۲۴ غلام حسن

۳۴، ۳۲، ۲۴ غلام حسین

۳۱ (چودھری) غلام رسول بہر

۱۲۴ (حضرت شاہ) غلام علی دہلوی

۳۲، ۲۴ (حکیم) غلام محی الدین

(ن)

۱۱۱، ۸۸ (حافظ) فخر الدین پانی پتی

۱۳۱ (حافظ) فرقان

۲۸۴ (حضرت) عبداللہ بن مبارکؑ

۲۶۹ (حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ

۵۵، ۴۷ (وکیل) عبداللہ شاہ

۲۳۱ (سید) عبداللہ حسینی ندوی

۱۸۱ عبداللہ زارحم

(مولوی) ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ۱۴۳

۱۶۸ عبداللہ گنگوہی

۶۲ (مفتی) عبداللہ

(مولانا حافظ) عبداللطیف (ناظم نظام العلماء)

۱۰۳، ۸۸، ۸۷، ۸۳، ۵۶

۱۸۱، ۱۱۹ عبدالمجید

۲۱۹ (ڈاکٹر) عبدالمعید شاہ

۲۷۱ (خلیفہ) عبدالملک بن مروان

۱۹۹ (مولوی) عبدالمنان دہلوی

۵۶ (مولانا) عبدالحیدر سنہیلی

۱۸۶ عبید اللہ

۱۵۷ (مولوی) عتیق الرحمن سنہیلی

۱۷ عرقی

۱۹۸، ۱۸۱ (شاہ) عطاء اللہ بخاری

۱۸۱ (شاہ) عطاء المہبین

۷۲ (بی بی) عطیہ

۷۷ عظمت علی خاں مظفر جنگ

۱۰۶ (احماج) عظیم اللہ علی گڑھی

۲۱۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۷۱، ۱۶۲، ۱۱۵، ۱۳۷

۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۶، ۲۶۲-۶۴، ۲۶۰

۲۹۰، ۲۸۳-۸۹، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۲

۲۹۴، ۲۹۲

۲۶۹، ۲۶۸ (سیدنا) موسیٰ علیہ السلام

۵۷ (مولانا) ماجد علی

۲۷۹ (حضرت) ماعز

۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰ (امام) مالک

۷۳ (مولانا) محب الدین

۳۵ (سلطان ابوالفتح) محمد شاه

۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۱، ۱۸ (مولانا) محمد کاندھلوی

۴۷، ۴۶، ۴۵، ۳۷-۳۹، ۳۵

۲۴ (محمد ابراہیم) کاندھلوی

۲۳، ۱۸ (مولانا) محمد اسماعیل کاندھلوی

۸۲، ۷۸، ۷۵، ۷۱، ۶۹، ۶۴-۳۷، ۳۴

۲۱۴، ۲۹ (مولانا) محمد اسماعیل شہید

۲۵، ۲۱-۲۳ (حکیم) محمد اشرف مجتہا نووی

۳۲، ۲۶

۱۱۸، ۱۱۶، ۱۱۵ (صوفی) محمد اقبال ہوشیار پوری

۲۰، ۲۱، ۲۰۰، ۱۸۲، ۱۸۰، ۱۴۱

۲۴ (مولوی) محمد اکبر کاندھلوی

۷۱ (حکیم مولوی) محمد الیاس سہا پوری

۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۵

۲۴۸ (حضرت شیخ) فرید الدین شکر گنج

۹۴ (فضل احمد)

۱۰۸ (ملک) فہد

۱۱۲ (شیخ) فیاض علی

۲۵، ۲۲ (سلطان) فیروز شاہ تغلق

۱۴۶ (ملک) فیصل

(ق)

۲۴۵ (علامہ) قسطلانی

۲۵ (شاہ) قطب الدین

۲۴، ۲۱ (قطب شاہ)

۸۲، ۴۵ (قیصر جہاں بیگم)

(ک) (گ) (ل)

۲۸ (مولانا) کرامت علی جوہری

۱۶۸ (حافظ) کرامت اللہ

۳۲، ۲۴، ۱۸ (حکیم) کریم بخش

۲۵، ۲۲ (مولانا) کریم الدین مذکر

۲۸ (حضرت) کعب رضی اللہ عنہ

۲۶ (شاہ) کمال الدین

(حضرت) گنگوہی دیکھئے مولانا رشید احمد

۷۱ (مولوی) لطیف الرحمن

۱۸۵ (مولوی) لطیف الرحمن (کاندھلوی)

(م)

۲۹ (سیدنا و نبینا) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(مولانا) محمد سلیم ۱۴۶۱۴۲۱۴۰۱۹۲

۲۴ (مولوی) محمد سلیمان کاندھلوی

۱۸۵ محمد سہیل

(سلطان) محمد شاہ ۲۵۲۲

(مولوی) محمد شاہد کاندھلوی ۱۲۵، ۱۵

PPA/AA/AB/AF/AY/ADP

حکم: محترفات ۳۲، ۲۵، ۲۴، ۲۳

۱۰۸ (الحاج) محمد شفیع بیکارڈ

(مفتی) محمد شفیع دہلوی ۱۳۸۱/۹

(مولوی) محمد شمیم کاندھلوی ۱۷۲۱۹۷

(مولوی) محمد صابر نجھمانوی ۳۳، ۳۱

۲۴ (منووی) محمد صادق کاندھلوی

(شيخ) محمد صالح القزاز ١٣٤١١٣٦

(مولوی) محمد طلحہ سہارنپوری (صاحبزادہ شیخ)

149-AP016614111016P12

1911/185/187.

۱۱۲ (مولانا قاری) محمد طیب

(مولوی) محمد عادل ۱۸۶

(مولوی) محمد عاصم ۱۸۶

(مولانا) کٹر عاقل سہارنپوری ۱۷۶۱-۷۰

1A9-1A11A.

محمد عبد الله

شیر کمان ۵ در ستونی ۱۸۹،۱۴۰،۱۴۰

(حضرت مولانا) محمد الیاس کا نہ ہلوتا ۱۸۱۳

৯৭।৫৫।৮৭।৩৫-২৭।২৮।২৮।২.

1111-01A91A8-1616F161197

252125123115190-97114

(حکیم) محمد الوہاب ۱۸۱۰-۱۸۸۰

19511841185

(مولوی اسد) محترم ثانی حسن: ۱۱۰، ۳۴، ۱۱۶

1145160161170175183

PPPPPP

۳۱ (مولوی) محمد حفیظ خان سہری

حافظ) محمد صفر کاندھلوی ۱۸۱۱۸۰۱۱۲۵

1891184

۹۶ سعودی سفیر شیخ محمد احمد الشبلی

الحاج سید محمد خلیل زہنپوری ۱۱۳

(مولوی سید) مجدد راجح حسنی ندوی ۱۴۴۱ھ، ۲۲۹

(مولوی) محمد زبیر ۱۸۵، ۱۸۵، ۱۸۹

(مولانا) محمد ساجد گنجیما لوی ۳۲، ۳۳، ۳۴

۱۴۰. مکتبہ سعید

محمد سعید انکار ۱۵۸

۱۴۵ کلید سید خاں (احمد)

محمد سعید رحمۃ اللہ (سعدی بھائی) ۱۴۰، ۱۴۲

233,165,151,176-79,183

(مولوی) خیر سلمان ۵۲، ۱۳۱-۱۶۱، ۱۴۹  
۱۹۱، ۱۸۷

۱۸	(مولانا) محمد یحییٰ کاندھلوی (والدہ ماجدہ شیخ)	۱۷۷۱	(سید) محمد علوی مالکی
۵۸-۶۲/۲۲-۵۶/۳۲-۴۲/۲۲-۲۳		۲۰۰۳۰	(نواب) محمد علی خاں
۲۵/۲۲/۲۳۵/۲۳۰-۲۲۹/۸۲/۷۵/۷۰		۹۸	(مولانا) محمد عمر پالن پوری
۱۹۱/۱۸۶/۱۳۱	(مفتی) محمد یحییٰ	۱۸۶	(مولوی) محمد عسیر
۱۹۰	محمد یحییٰ (صاحبزادہ شیخ)	۳۲/۲۲/۲۳	(مولوی) محمد رفیع کاندھلوی
۲۵۲/۸۸	(شاہ) محمد حسین گیلانی	۱۶۲	محمد گارڈی
۲۲۲/۲۲۳	(مولانا شاہ) محمد یعقوب مجددی	۱۳۶	(استاذ) محمد المبارک
۱۳۸	(مولانا) محمد یوسف بنوری	۷۱	(حاجی) محمد حسن
۲۰/۱۸/۱۲/۱۱-۱۱	(مولانا) محمد یوسف کاندھلوی	۲۵	(مولانا) محمد مدرس
۹۸/۹۷/۹۵/۸۹-۹۲/۷۲/۷۱/۶۲/۲۳		۲۶	(مولوی) محمد مشرف
۱۹۴/۱۸۵-۹۰/۱۲۹/۱۱۳-۱۸/۱۱/۱۰۵		۲۵	(مولانا) محمد شاہ
۲۲۶/۲۳۱/۲۲۲/۲۰۳/۲۰-۱۱۹۶/۱۹۵		۳۳/۳۱	(مولوی) محمد مصطفیٰ احمد خٹکھانی
۴۹/۳۳	(حافظ) محمد یوسف	۲۱۱/۲۰۴/۱۶۷/۹۶	(مولانا) محمد منظور نعمانی
۱۰۷	(مولانا) محمد یونس جونیوری	۱۸۹	محمد یونس (صاحبزادہ شیخ)
۱۵۰/۳۳	(حافظ) محمد یونس	۲۱۹/۲۱۵	(مولوی) محمد میاں (محمد احسنی)
۱۴۴	(مولانا سید) محمود احمد	۲۳۱/۲۲۰	
۲۶/۲۴	(مولوی) محمود بخش	۱۸۶	(مولوی) محمد نعمان
۱۵۶/۱۵۵/۱۳۷	(مفتی) محمود حسن گنگوہی	۱۳۲/۱۴۰	(مولوی حکیم) محمد نسیم کیرانی
۲۵۸/۱۶۱		۱۴۲	(حکیم) محمد بامین
۲۲۲/۶۳	(شیخ الہند مولانا) محمود حسن دیوبندی	۲۲۹/۲۱۲/۱۷۴	(مولوی) محمد وارث ندوی
۹۷	مدحت کامل قدوائی	۱۹۰	محمد بارون (صاحبزادہ شیخ)
۵۰	(بی بی) مریم	۱۱۸/۱۱۶/۹۸/۱۱	محمد بارون (نواسہ شیخ)
۱۴۰	(مولوی) مصباح احسن کاندھلوی	۲۳۱/۲۲۲/۱۸۹/۱۴۷	



(مولوی) نصیر الدین سہارنپوری (خادم شیخ)

۲۴۶، ۲۲۵، ۱۹۷، ۱۳۶، ۱۳۳، ۱۲۰، ۸۴، ۶۳

۲۵۶

۱۰۶

(حاجی) نصیر الدین علی گڑھی

(حضرت خواجہ) نظام الدین اویاء ۲۰۰، ۱۲۴

۱۶۲

نظیم محمد جادوی

(مولانا) نور الحسن کاندھلوی ۷۶، ۲۳، ۱۱، ۸

(مولوی) نور الحسن راشد کاندھلوی ۲۱، ۱۴

۱۸۵، ۳۵، ۳۲

(احاج محمد نور) نورولی ۱۷۰

و ۵

(مولانا شاہ) وصی الشہر ۲۶۳

(خلیفہ) ولید بن عبد الملک ۲۷۱

(حضرت شاہ) ولی الشہر دہلوی ۲۴۴

(پیر) ہاشم جان ۱۱۳

ی

(مفتی) یحییٰ دیکھے محمد یحییٰ

(حاجی محمد) یعقوب بیدی ۲۱۸

(راؤ) یعقوب علی خاں ۲۳۶

(حافظ) یوسف دیکھے محمد یوسف

(مولوی) یوسف تتلا ۱۵۸

(مولوی) یوسف تتلا ۱۸۰، ۱۱۵۴

۱۸۱

(مولانا) مظفر حسین کاندھلوی ۲۳، ۱۹، ۱۸

۲۰، ۳۸، ۳۵، ۲۴

(حضرت) معاذ بن جبل ۱۷۲، ۱۷۱

(مولوی) معین الدین ۱۶۱، ۱۵۳، ۱۳۷

(مولوی) معین الشہر ندوی ۱۶۷، ۱۰۹، ۹۶

۱۷۴، ۱۶۸

مفتی صاحب دیکھے الہی بخش

مقبول ۷۳

(خلیفہ) منصور ۲۸۳

(ڈاکٹر) منصور ۱۷۸

منظور احمد ۹۴، ۶۶

(ماسٹر) منظور ۹۴

(مولانا) منوچ حسین بہاری ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۰۸

(ڈاکٹر) منیر الحق لاہوری ۱۳۷، ۱۰۶

مہر صاحب دیکھے غلام رسول

میر آل علی سہارنپوری ۲۳۶

(خواجہ) میر درد ۱۲۳، ۱۰۲

ن

(مولانا محمد قاسم) نانوتوی ۲۲۸

(مولوی) نجیب الشہر ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۸، ۱۳۵

نذیر ۱۸۰

(ام) نسائی ۲۸۲

[illegible]

(ت)

تاریخ دعوت و عزیمت ۲۲۱۲۰۰۱۱۵۳

تاریخ کبیر ۲۸۴۱۲۱۹

تاریخ مشائخ چشت ۲۴۸

تاریخ مظاہر العلوم ۲۴۲۱۱۸۸

تبویب الحکم ۱۳۴

تذکرۃ تحلیل ۴۱-۴۴۱۱۱

تذکرۃ الرشید ۵۱

تذکرہ مولوی محمد ہارون کاندھلوی ۱۱۶۱۱۱

ترندی شریف ۸۱۶۳۱۶۱۶۰۱۶۸

۲۳۰۱۱۸۸۱۱۸۶

تصوف اور نسبت صوفیہ ۲۶۳

تعمیر (اخبار) ۲۱۱

تعمیر حیات (اخبار) ۲۱۵

تقویۃ الایمان ۲۱۲

تکملہ ثنوی مولانا روم ۲۸

(ج)

جزء اختلاف الائمۃ (رسالہ) ۲۵۳

جزء اختلاف الصلاۃ (رسالہ) ۲۵۳

جزء المهمات فی الاسانید الروایۃ (رسالہ) ۲۵۳

جزء العزائم دیکھیے ۲۵۳

جماعت اسلامی ایک نو فکر (فقہ مودودیت) ۲۱۴

الجبینۃ (اخبار) ۲۱۰-۱۲

(ح) (خ)

حاشیہ امور عامہ ۲۶

حالات مشائخ کاندھلہ ۲۳۱۲۱۱۸۱۱۴

۴۴۱۴۰۱۳۱-۳۳۱۲۸۱۲۴۱۲۵

حجۃ الوداع و عمرات النبی ۲۵۳۱۲۴۱

حضرت مولانا محمد الیاس کی سوانح ۵۱

حکایات صحابہ ۲۸۴۱۲۵۳۱۲۵۰

حیات خلیل ۲۳۱۰۲۳۰۱۱۰۶۱۱۱

حساسہ ۶۷

اخطا الاذنی فی الحج الاکبر ۱۳۴

خصائل نبوی شرح شمائل ترندی ۲۵۳۱۲۴۲

(د)

داری ۲۸۴۱۲۶۹

در مختار ۲۸۴

در المعارف ۱۲۴

در غشور ۲۸۹

(ر) (ز)

رسالہ اسرار الحق ۲۵۸۱۲۲۸۱۲۲۶

رسالۃ التوحید ۲۱۲

رسالہ قیام سلہٹ ۱۲۶

رسالہ نسب اربعہ ۲۶

روداد دارالعلوم دیوبند ۱۳۱۳ھ ۳۵

روداد چمن ۲۱۹

۶۱	ص	روزنامہ شیخ الحدیث	۲۴۷/۱۰۵
۲۶۲/۱۲۷	ط	زرقانی	۲۸۴
۲۲۴	س	سبعہ معلقہ	۶۷
۳۰	صحنہ با اہل دل	سفینہ رحانی	۳۲، ۳۱
۵۶	صراط مستقیم	سوانح احمدی	۳۱
۲۶۹	صرف میر	سوانح مولانا محمد یوسف	۱۰۵، ۱۳۴، ۱۱۱-۱۲
۱۸۶	الطہرانی	سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری	۱۸۷/۱۱۲
	طحاوی		۱۰۵
۳۲	ع	سیرالاولیاء	۲۱۷/۱۲۷، ۱۱۹، ۱۱۸
	عجائب الغرائب	سیرت سید احمد شہید	۳۱
	علمائے مظاہر علوم اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات	سیرت سید احمد شہید	۱۲۴
۱۸۸	علم الصیغہ	سیرت سید احمد شہید	۳۱، ۲۹
۶۶	عمرات النبوی دیکھئے	شامی	۲۸۴
	حجۃ الوداع	شرح بانٹ سعاد	۲۸
۲۳	غرائب الہند	شرح بذل المجهود	۶۵
	ف	شرح جامی	۱۸۵
۲۱۱/۱۵۷، ۱۱۵	افرقان (رسالہ)	شریعت و طریقت کا تلازم	۲۸۰
۵۶	فضول اکبری	شمائل ترمذی	۲۵۳، ۲۴۲، ۱۷۰
۲۹۳، ۲۵۲	فضائل تبلیغ	شیخ الہند حسرتی	۲۱۱، ۲۱۰
۲۷۷، ۲۵۲	فضائل حج	شیم الجبیب	۲۸
۲۵۲، ۱۶۰	فضائل درود شریف		
۲۷۱، ۲۵۲	فضائل ذکر		
۲۸۷، ۲۵۲	فضائل رمضان		

۲۶۶	مندرک الحاکم	۲۴۹۱۷۱۵۱	فضائل زبان عربی
۱۸۶۱۷۶۱۲۲	سلم شریف	۲۹۲۱۲۵۳۱۲۵۲	فضائل صدقات
۲۶۷	سلمانوں کی پریشانیوں کا بہترین علاج	۲۵۲	فضائل نماز
۱۸۸۱۱۶۵۱۶۷۱۶۳۱۶۰	مشکوٰۃ شریف	۲۹۴۱۲۵۲	فضائل قرآن مجید
۲۹۲۱۲۹۰۰۲۸۹۱۲۴۱		۱۲۴	فوائد الفوائد
۷۴	مصنف عبد الرزاق	(ق ک ل)	قاعدہ بغدادی
۲۹۱	مظاہر (حق)	۵۴	
۱۸۵۱۶۷۱۵۶۱۴۱	مقامات حریری	۲۰۹	قرآن مجید اور جبریت تعلیم (رسالہ)
۲۸۴	مقدمہ ادب و جز	۵۶	قصیدہ بانٹ سعاد
۲۵۳	مقدمہ لامع الدراری	۵۶	قصیدہ بردہ
۱۸۸	مکتوبات علیہ	۵۶	قصیدہ ہمزئیہ
۲۶	ملاحلال	۱۰۸	کتاب الزہد
۲۵۲	ملفوظات حضرت دہلوی	۵۶	کافیہ
۳۰	ملہات احمدیہ	۲۸۹	کنز
۱۴	مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت	۱۸۸۱۸۷۱۵۳۱۶۰	الکوکب الدرری
۱۰۵۱۴۵۱۴۰۱۳۹۱۳۷		۲۳۰	لامع الدراری
۲۸۲۱۲۴۳۱۸۴	موطا امام مالک	۲۳۴۱۲۳۰۲۲۹۱۸۷۱۶۰	(م)
۲۴۸	المؤلفات والمؤلفین	۲۸	فتویٰ مولانا روم
۲۸۴	المواہب	۵۶	مجموعہ اربعین
۲۶	میرزاہد	۲۶۹	معج الزوائد
(ن)	نخیر	۱۶	مجموع العارفین
۴۶		۲۶	مختصر کافیہ
۲۲۱۲۱۹	نہرۃ الخواطر	۲۳	مرقع خطوط (قلبی، رائے بریلی)

نقطة الامين

۵۶

نور علی نور (رسالہ)

۲۸

نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں

۲۱۷

ہدایہ

الوقائع والاصور

۲۳۸

۱۸۵۱۶۷

## مقامات

(الف)

الوطبی

۱۰۸

الریہ

۱۳۳

آسام

۱۳۴

اسینگویچ (IS PINGO BEACH)

۱۶۱

اسینگکر (STANGER)

۱۶۱/۱۵۹/۱۵۸

افریقہ

۱۵۷/۱۵۴/۱۴۳/۱۳۳/۱۱۰/۶۱/۱۳

۲۵۷/۲۳۴/۱۶۳/۱۶۰/۱۵۸

آگرہ

۳۰

الہ آباد

۱۱۲

الرداد پورہ

۱۴۶

امارات خلیج (الامارات العربیۃ المتحدہ)

۲۴۳

امریکہ

۲۳۴/۲۳۳/۲۱۸/۲۱۷/۱۸۹

انڈمان

۱۳۴

انڈونیشیا

۱۶۴/۱۸۹

انگلستان، برطانیہ، انگلینڈ

۱۵۴/۱۱۴

۲۳۴/۱۶۳-۶۵

اودھ

۱۱۲

(ب پ)

باب جبرئیل (مسجد نبوی)

۱۸۱/۱۴۱/۱۰۹

باب الرحمتہ (مسجد نبوی)

۲۱۲

باب مسعود (مسجد نبوی)

۱۴۷

باب السلام (مسجد نبوی)

۱۸۱

باب العمرة (کعبہ شریف)

۱۴۳

باب عمر (مسجد نبوی)

۲۱۴

باتلی (BATLEY)

۱۶۴/۱۵۶

باقی نگر

۱۱۲

بالاکوٹ

۳۱

بانس کڈھی (بنگال)

۱۲۶

بدر

۱۴۹/۱۴۸

بڈولی

۵۲

بریلی

۱۱۱

بقیع الغرقہ

۱۸۱/۱۴۲/۱۵۱/۱۴

بلیک برن (BLAC BURN)

۱۶۴

۲۰۱۲۰۰۱۶۸۱۶۵۱۵۹۱۵۱۱۵۰

۹۸

البحرانی

۲۰۰

بحرانی

۵۷

جونپور

۱۶۲ (JOHANNESBURG) جوہانسبرگ

۱۴۵

جھاوریان

۲۶۱۲۵۱۲۱-۲۳۱۱۹۱۸ جھنجھانہ

۱۹۵۱۳۲

۱۲۷

جیل روڈ لاہور

(ج)

۸۰

چانگام

۱۶۳

چپاتا (CHIPATA)

۱۲۴

چٹلی قبر (دہلی)

۹۳

چکروتہ

۳۴

چونسٹہ کھمبہ (دہلی)

(خ) (ح)

۹۵۱۸۹۱۸۷۱۸۳۱۷۳۱۶۱ حجاز

۱۳۹۱۳۱۱۱۸۱۱۰۱۰۷۱۰۳۱۹۹

۱۸۵۱۱۵۱۱۲۹۱۱۲۷۱۱۲۵۱۱۲۲

۲۲۸۱۲۰۵۱۲۰۲۱۱۹۹۱۱۹۵۱۱۸۹

۲۲۹۱۲۲۶۱۲۲۳۱۲۳۱-۳۳۱۲۲۹

۱۰۶۱۰۰۱۹۹۱۹۷۱۹۳ زمین شریفین

۲۳۴۱۲۳۲۱۸۱۱۷۶-۷۸

۱۳۳۱۰۹۱۹۷۱۹۶۱۹۳۱۸۸۱۸۷ بمبئی

۲۰۸۱۱۶۹۱۱۵۰۱۱۴۹۱۱۴۰

۱۶۴۱۱۵۶۱۱۵۴

۱۳۴۱۲۶

۷۸

۱۳۴

۲۱۶۱۱۴۷۱۱۴۰ بہٹ باؤس (سہانپور)

۲۱۷

۷۹۳-۹۵۱۹۱۱۹۰۱۳۹۱۱۱ پاکستان

۱۴۷۱۱۴۵۱۱۴۷۱۱۴۱۱۰۸۱۰۶۱۹۸

۲۱۰۱۲۰۱۱۴۸

۱۳۳

۱۵۰

۱۲۷۱۱۲۶

۹۵

۳۶

۱۴۷۱۷۳

۱۶۴۱۱۴۶

۱۹۸۱۱۲۵۱۶۱۱۵۲

۱۲۶

۳۰

۱۴۸۱۰۹۱۰۰۱۹۷

(ت) (ٹ)

ترا ابابہرام

تغیم

تونس

تھانہ بھون

ٹانڈہ

ٹونک

(ج)

جدرہ

ڈیوئزبری (DOWSBURY) ۱۹۴/۱۵۶

(ر) (ز)

۲۰۲/۱۱۳/۱۱۲/۲۳

راعے برلی

۱۱۱۹/۱۹۴/۹۰۷۸/۴۸

راعے پور

۲۵۶/۲۱۷/۲۱۵/۲۰۴/۱۹۷/۱۲۵-۲۷

راعے پور گوگرواں

۹۴

راولپنڈی

۱۵۰

۱۵۲/۱۱۵۰/۱۱۴۸/۱۱۴۷/۱۹۴

راعے ونڈ

۱۱۲/۱۱۱

رحیم آباد

۶۱

رچمنڈ (RICHMOND)

۲۳۴/۲۲۱

ریاض

۱۵۹/۱۵۸ (RE UNION) ری یونین

۱۶۲

زامبیا (ZAMBIA)

(س)

۹۴/۹۳/۹۱

سرگودھا

۱۵۰

سرہند

۱۶۵/۱۶۲/۱۴۰

سعودی عرب

۱۶۱

سلور گلین (SILVERGLIN)

۱۲۶

سلہٹ

۱۱۳

سندھ

۶۴/۵۹/۵۸/۵۴-۵۶/۴۴ سبازپور

۱۰/۱۱۰۰۱۹۶/۹۱/۸۷/۷۸/۷۰-۷۲

۱۲/۱۱۲/۱۱۹/۱۱۷/۱۱۵/۱۱۱/۱۱۰-۱۰۷

حضرت نظام الدین (دہلی) ۳۸/۳۷/۳۴

۱۵۰/۱۲۹/۱۱۸/۱۱۷/۱۰۰۱۹۶/۷۲/۴۹

۲۲۴/۲۰۴/۱۵۵

۲۳۳/۲۱۹/۱۸۰

حیدرآباد

۲۱۴

انجیل

۱۰۹

خیبر

(د) (ڈ)

۱۰۳ دارالحدیث، مظاہر العلوم

۱۰۳/۱۰۰/۱۰۳ دارالطلبہ جدید، مظاہر العلوم

۱۴۸-۵۱/۳۶/۱۳۵

۱۱۱ دائرہ حضرت شاہ علم الشرحنی (نکیہ کلاں)

۱۴۰

دہلی

۱۴۶

دشق

۱۵۸/۱۸

دوآبہ

۵۰/۲۹/۳۶-۳۸/۳۴/۲۲ دہلی

۱۰۹/۱۰۰۱۹۶/۹۴/۱۹۰/۷۲/۷۰/۶۹

۱۴۹/۱۴۸/۱۴۲/۱۴۱/۱۱۷-۱۹/۱۱۰

۱۷۹/۱۶۸/۱۶۷/۱۶۶/۱۵۷/۱۵۳/۱۵۱

۲۳۳/۲۰۹/۲۰۴/۲۰۳/۱۹۱/۱۹۰/۱۸۷

۲۲۸/۲۲۲/۲۱۷/۱۹۸/۹۴/۹۰ دیوبند

۲۲۹ ڈربن (DURBAN) ۱۶۱/۱۵۹

۸۰

ڈھاکہ

۱۵۰/۱۴۸/۹۴/۹۳/۹۱ ڈھڈیاں



(ک)

۱۱۳

کانپور

۳۱۱۳، ۲۸۱۲۵، ۲۳۱۱۹۱۸ کانزہ

۵۵۱۵۳، ۵۲۱۵۱۵، ۱۲۹۱۲۲، ۳۴

۲۳۲، ۱۹۱۱۵، ۱۱۲۲، ۷۸، ۷۱

۱۰۲

کچاگر (مکان شیخ)

۱۲۸-۵۱۱۰۹۱۱-۰۹۴، ۹۲، ۹۱ کراچی

۲۱۲، ۲۰۵، ۱۶۸

۵۷

کلکتہ

۶۴

کھالہ پار (عملہ)

۱۲۷

کوہ مری (پاکستان)

۱۶۲

کیپ ٹاؤن (CAPE TOWN)

۱۳۳

گجرات

۱۴۱، ۱۲۵، ۱۰۰، ۱۵۰-۵۴، ۴۷ گنگوہ

(ل)

۱۵۲، ۱۲۷، ۱۱۵، ۱۰۶، ۹۴، ۹۱ لاہور

۱۵۳، ۱۵۲، ۱۲۷، ۹۳، ۹۲ لائل پور، فیصل آباد

۲۱۸، ۱۷۵، ۱۱۱-۱۳، ۱۰۸، ۷۷ لکھنؤ

۱۶۵، ۱۶۴، ۱۵۶، ۱۰۶ لندن

۱۷۵

لنکا

۱۵۴

لنکاشائر (انگلستان)

۱۶۴، ۱۶۳

لوساکا (LUSAKA)

۱۶۲

لینشیا (LENASIA)

۱۵۳، ۱۲۸-۵۱، ۱۱۲۲، ۱۲۱، ۱۳۶، ۱۲۷

۲۲۰، ۲۱۶، ۲۰۳، ۱۹۱، ۱۸۵، ۱۶۸، ۱۶۷

۲۴۸، ۲۲۶، ۱۲۳، ۱۲۲۸

۲۱۴

سینا

۱۵۹ (SAINT-PIERRE) سینٹ پیر

۱۵۹ (SAINT-DENIS) سینٹ ڈینس

(ش ص ط)

۲۶۵، ۱۲۶

شام

۲۷۷

صفا

۲۰۰

طائف

(ع غ)

۴۸

عدن

۲۰۱

عرفات

۲۴۲، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۵۷ علی گڑھ

۱۲۴

غیاث پور (دہلی)

(ف)

۲۳۴

فلاڈلفیا (امریکہ)

لائل پور

فیصل آباد دیکھئے

۱۵۶

فیض آباد

(ق)

۱۰۸

قاہرہ

۴۴-۴۷ قبرستان حاجی شاہ (سہانپور)

۲۱۴

قدس (شہر)

۲۰۷۱۲۰۵	ملزوم	۶۳	م
۹۳	منصوری	۱۶۵۱۱۶۴۱۱۵۶۱۱۵۴	مانچسٹر
۲۷۷	منی	۵۷	مانی کلاں
۲۰۵۱۱۰۹	مواجه شریف	۱۳۴	مدراں
۱۱۹۱۱۱۱۱۷۹۱۷۹۱۴۳	میرٹھ	۹۷	مدنپورہ
(MARTIZ BUR)	میوہ برگ	۱۸۵۱۸۴۱۷۴۱۷۳۱۱۴	مدنیرہ طیبہ
۱۳۴	یسور	۱۱۰۹۱۱۰۶۱۱۰۰	
۵۷	مینڈھو	۱۷۴۱۱۶۶-۶۹۱۱۵۹۱۱۴۱-۵۱	
۱۸۴۱۱۳۸۱۱۱۱۳۸۱۳۶	میوات	۲۱۲۱۲۰۴۱۱۹۹۱۱۹۲۱۱۸۹۱۱۷۹	
(ن)	نظام الدین دیکھے	۲۳۴۲۳۳۳۲۳۰۲۱۴۲۱۳	
۱۵۹	نیٹال (NATAL)	۲۵۲۲۴۶۲۳۶	
۷۶	نیمنی تال جیل	۱۱۱	مراد آباد
۱۱۲	نیمنی جیل (الہ آباد)	۸۹	مراکش
۲۳۴	نیویارک	حضرت نظام الدین دیکھے	مرکز تبلیغ
(و)	وائٹ ریور (WHITE RIEVER)	۲۷۷	مروہ
۱۶۲۱۶۱		۲۱۴۱۱۶۲	مصر
(د)	ہولکومب بری (HOLCOMB BURY)	۱۱۱۱۵۴۱۳۴۲۱۱۱۹	منظف نگر
۱۵۴		۲۴۸	مفتی محلہ (سہانپور)
۱۵۴	ہولکومب ہل (پہاڑی)	۱۱۴	مقبرہ بہاویوں
۱۷۳۱۳۹۱۱۸۱۱۱۷۹	ہندوستان	۱۱۶۱۰۰۰۱۹۷۱۹۲۱۸۴۱۷۳	مکہ معظمہ
		۱۱۵۹۱۱۴۶-۵۰۹۱۴۲-۴۳۱۱۴۰	
		۲۳۴۲۳۳۱۱۸۰۱۱۷۹۱۶۸۱۶۲	

ہیٹھرو (HEATHROW) (ایئرپورٹ) ۱۶۵۱۵۶

ی

۱۳۴۱۱۹

یوپی

۲۳۳۱۸۹

یورپ

۱۰۵۱۹۵-۹۸۱۹۰۱۸۹۱۸۴-۸۶

۱۱۴۳۱۱۳۹۱۱۱۷-۱۱۹۱۰۸۱۰۶

۱۶۶۱۱۵۹۱۱۵۳۱۱۴۷-۵۱۱۱۴۴

۲۵۱۲۱۰۲۰۸۱۱۶۹۱۱۶۸

## متفرقات

۱۶۶۱۱۵۲۱۱۴۵۱۱۴۴۱۱۳۴۱۱۱۲

۲۵۱۲۵۰۱۲۱۷۱۲۱۲۱۱۸۷

۱۶۴ جمعیت علماء برطانیہ

۱۱۱۱۱۶۷ جمعیت علماء ہند

۱۲۷ خالصہ کالج لائل پور

۱۱۷۱۱۶۹۱۱۱۲۱۳۵ دارالعلوم دیوبند

۲۲۷

۱۵۲ دارالعلوم فیصل آباد

۱۴۸ دارالعلوم کراچی (بنوری)

۱۶۳ دارالعلوم لوساکا، مدرسہ رحانیہ

۷۸۱۷۷۷ دارالعلوم نواب مظفر جنگ کڑال

۱۱۲۱۱۱۱۱۷۷ دارالعلوم ندوۃ العلماء

۲۴۹۱۲۴۷۱۲۲۲۲۱۷۱۵۱۱۶۸

۱۴۶۱۰۸ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

۲۳۴۱۱۶۸

## ادارے، تحریکات اور مدارس:

۱۵۸ اسلامک سنٹرری یونین

۱۲۱ اسلامیہ کالج سہارنپور

۱۲۰ اتم المدارس سہارنپور

۱۴۰ پشاور یونیورسٹی

۱۶۲۱۱۴۶۱۰۸ جامع ازہر

۱۰۸ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

۲۳۴۱۱۴۶

جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض

۲۲۲

۱۰۸ جامعۃ العین البوخی

۱۹۸ جماعت احرار

۲۱۴۱۲۱۲ جماعت اسلامی

۱۱۱۱۹۶۱۹۵۱۹۱۰۲ جماعت تبلیغ

۱۰۶۰۷۶ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ  
 ۱۹۸ مسلم لیگ (پارٹی)  
 ۳۲ معرکہ جہاد (تحریک بیدار ہند)  
 ۷۷ وقت نواب مظفر جنگ

### خانقاہیں اور سلسلہ تصوف:

۱۲۲ خانقاہ چٹائی قبر دہلی  
 ۱۲۷ خانقاہ رائے پور  
 ۱۲۴ خانقاہ غیاث پور دہلی  
 ۲۴۸ سلسلہ صابریہ  
 ۲۴۸ سلسلہ عالیہ چشتیہ  
 ۱۱۳ سلسلہ مجددیہ  
 ۲۴۳ سلسلہ ولی تہی

### مطالع انشرباتی ادارے اور کتب خانے:

۲۴۱ دارالمصنفین اعظم گڑھ  
 ۲۱۹۰۸۰ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد  
 ۲۴۸۱۱۸۷ کتب خانہ اشاعت العلوم  
 ۸۰ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد  
 ۱۲۰۱۸۴ کتب خانہ بحیوی سہارنپور  
 ۳۹ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ  
 ۱۳۳ مطبع مطالع الرشید - مکہ مکرمہ  
 ۳۰ مطبع مفید عام آگرہ

۱۰۸ راستۃ القضاء الشرعی ابو ظبی  
 ۲۱۴ قومیت عربیہ (تحریر)  
 ۱۹۸ کانگریس (پارٹی)  
 ۱۴۶ کلیۃ الشریعہ - دمشق

۳۸ مدرسہ بنگلہ والی مسجد کاشف العلوم دہلی  
 ۱۸۹۱۱۸۶

۴۸ مدرسہ حسین بخش  
 ۱۵۴ مدرسہ دارالعلوم بولکبیری (بولٹن)  
 ۱۶۴۱۱۵۶

۹۷ مدرسہ رحمانیہ مین پورہ  
 ۱۴۲۱۱۳۰۱۹۷ مدرسہ نبویتہ مکہ معظمہ  
 ۱۴۹

۱۵۲ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ  
 ۸۰ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ  
 ۵۷ مدرسہ عالیہ کلکتہ

۱۰۷۱۸۵ مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ  
 ۱۶۸۱۱۷۷۱۱۳۹۰۱۳۵۱۱۳۱

۷۶ مدرسہ العلوم علی گڑھ علی گڑھ کالج  
 ۴۲-۴۶ مدرسہ مظاہر العلوم (سہارنپور)  
 ۸۸۸۸۰۰۱۵۰۸۲۱۷۸۱۷۴۱۶۶۱۵۹

۲۰۵۲۰۳۱۸۵-۱۹۰۱۱۶۱۱۵۱۱۰۴  
 ۲۲۶۱۲۲۳۱۲۱۷۰۲۱۳۰۲۰۹۰۲۰۰  
 ۲۴۷۱۲۲۷

۱۵۲	مسجد دارالعلوم فیصل آباد	۱۴۳	مکتبہ امدادیہ کٹرہ
۱۱۳	مسجد دائرہ شاہ علم الشر	۲۱۹	مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء
۱۴۴	مسجد الرحمتہ، مدینہ منورہ	۷۶	مکتبہ مولانا عاشق الہی میرٹھی
۱۴۸	مسجد عیش بدر	۲۱۲	ندوۃ پریس کھنؤ
۱۱۶، ۱۱۵	مسجد مظاہر العلوم	۷۰، ۶۹	ہندوستانی پریس دہلی
۱۴۵، ۱۴۲، ۱۱۰	مسجد نور مدینہ منورہ		

## مساجد:

## دیگر متفرقات:

۲۰۹	آزادی ہند	۷۳	بیت اللہ شریف - کعبہ شریف
۱۵۶	ایرانڈیا	۲۸۲، ۲۷۷	
۲۴۶، ۱۱۸، ۱۱۷	تقسیم ہند	۲۱۴	بیت المقدس، مسجد اقصیٰ
جشن دارالعلوم ندوۃ العلماء ۱۹۷۵ء		۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۱، ۱۳۸	مسجد نبوی
۲۱۸		۲۴۹، ۲۱۲	
۱۷۷، ۱۵۰، ۱۴۷	ختم بخاری	۳۸۱، ۳۶۱، ۳۴	بگڑہ والی مسجد دہلی
۱۶۱، ۱۵۳، ۱۴۶، ۱۳۵	ختم خواجگان	۱۱۸، ۱۱۴	
۱۷۷	ختم بیس شریف	۱۵۹	جامع مسجد اسٹینگر
۲۸۳، ۲۴۸	خلافت راشدہ	۲۵	جامع مسجد کاندھلہ
۴۶	درس نظامی	۱۵۶	زکریا مسجد بولٹن
۱۳۴، ۱۱۲، ۱۰۱، ۶۰، ۶۹	زمزم	۳۶	کھجور والی مسجد دہلی
۲۹۲	شب معراج	۲۵۹	مسجد اجابت
۲۴۸	عبدالموسیٰ	۱۰۷	مسجد حکیم ایوب
۲۱	عبد شایبانی	۱۲۷	مسجد خالصہ کالج لاہور
		۱۵۱، ۱۴۶، ۱۳۵، ۱۳۳	مسجد دارالطلبہ جدیدہ

۱۶۵/۱۵۰

مسلل بالا ولیہ

۲۲۸

عہد بنوی

۷۶

نئی تال جیل

۲۲۸

قطمیر

۱۰۸

واپس کپنی حاجی محمد شفیع

۱۰۶

گاز ہی آئی ہو سپیشل علی گڑھ

۱۶۸/۱۶۷

ہولی فیمیلی ہو سپیشل دہلی

۱۵۱/۱۰۷

مسللات

LIBRARY  
OF THE  
NATIONAL ARCHIVES  
OF INDIA  
NEW DELHI

# مکتبہ اسلام کی دیگر اہم مطبوعات

• سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ۔ از مولانا ابوالحسن علی ندوی  
عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ  
کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کے نمایاں صفات، ان کا انداز تربیت  
توازن و جامعیت، تعلق باللہ، خلوص و محبت، فیض و تاثیر اور معرفت و سلوک  
کا ایسا انفرادی اور دلائل و نیز تذکرہ۔ قیمت

• مطالعہ قرآن کے اصول و میدادی از مولانا ابوالحسن علی ندوی قیمت  
• حیات خلیل از مولانا محمد ثانی ندوی مظاہریؒ

حضرت مولانا خلیل احمد سہا نیپوری کی مفصل سوانح حیات، خاندان اور وطن  
علمی و سیاسی ماحول، مشہور شخصیتیں اور خاندان کے تعلیمی، تدریسی اور تنظیمی سرگرمیاں  
صفات و کمالات، علمی و دینی خدمات، تزکیہ نفوس، ارشادات و ملفوظات  
تصنیفات و تالیفات، اہم عصر علماء و شائخ کی رائیں، خلفاء و مجازین کا  
تذکرہ اور مظاہر العلوم کی مختصر تاریخ۔ قیمت

• زاد سفر مترجمہ انتہی تسنیم

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شایع صحیح مسلم کی مقبول کتاب ریاض الصالحین کا سلیس  
ترجمہ، ضروری حواشی و تشریحی عنوانات کے ساتھ۔ حدیث شریف کا ایک چھوٹا  
سفری کتب خانہ اور منزل آخرت کا بہترین زاد سفر۔ مکمل دو جلدوں میں قیمت

دعوت و تبلیغ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ایک نادر اور مفید تحفہ

سوانح

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی

تالیف مولانا محمد ثانی حسنی

مقدمہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی  
ایک مکمل اور مستند سوانح حیات اس مجاہد کی داستان جس نے اپنی جان  
الشہ کے راستہ میں دے دی

○ خاندان کاندھلہ جھنجھانہ کے حالات ○ حضرت مولانا محمد ابیاس کاندھلہ  
○ تبلیغی جماعت کے مجاہدوں اور سفروں کی مکمل سرگزشت اور مکمل جائزہ  
یہ کتاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ کی  
زیر نگرانی لکھی گئی ہے ○ آخری باب حضرت شیخ الحدیث رحمہ کے حالات  
پر ہے جس کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے مرتب کیا ہے

قیمت

مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ



وَرَزَوْنَاهُ خَيْرَ رِزَالِ الْبَقِيَّةِ

# زاد المعاد

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شایع صحیح مسلم کی مقبول کتاب فیہ الصالحین  
کامیاب ترجمہ ضروری حواشی و تشریحی عنوانات کے ساتھ

متجدد  
آئمۃ اللہ سیدنا مرہومہ  
ہمشیرہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی